تاریخ پبلی کیشنز کا کتابی سلسلہ (31)

سہ ماہی

تاریخ

ایڈیٹر: ڈاکٹر مبارک علی

تاریخ پبلی کیشنز

18- مزنگ روڈ لاہور

خط و کتابت (برائے مضامین)

بلاک 1، اپارٹمنٹ ایف۔ برج کالونی، لاہور کینٹ

فون: 042-6665997

ای میل: mubarakali21@yahoo.com

خط و کتابت (برائے سرکولیشن)

پبلشرز	:	تاریخ پبلی کیشنز
		18-مزنگ روڈ، لاہور
فون	:	042-7236634
قیمت فی شمارہ	:	100 روپے
سالانہ	:	400 روپے
قیمت مجلد شمارہ	:	150 روپے
بیرون ممالک	:	2000 روپے (سالانہ معہ ڈاک خرچ)
		رقم بذریعہ بنک ڈرافٹ بنام فکشن ہاؤس لاہور، پاکستان
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	
سرورق	:	عباس
تاریخ اشاعت	:	اکتوبر 2006ء
تقسیم کار	:	فکشن ہاؤس
		18-مزنگ روڈ، لاہور
فون	:	042-7249218-7237430
ای میل	:	fictionhouse2004@hotmail.com

فہرست

مضامین

☆ بیسویں صدی میں تاریخ نویسی	جیری اے بینٹیلے/ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی	7
☆ پاکستان میں ریاست کا نظریاتی خلجان	ڈاکٹر سید جعفر احمد	16
☆ مزارات کا معاشی پہلو	غافر شہزاد	43
☆ قدیمی مسجد و مزار حضرت علی ہجویریؒ: چند معروضات	غافر شہزاد	58
☆ ہندوازم (ہندومت) کا تاریخی ارتقاء	اشفاق سلیم مرزا	72
☆ ہندوستان کی طبعی تشکیل اور فطری ماحول	عرفان حبیب/ ترجمہ: پروفیسر طفیل ڈھانہ	86

تحقیق کے نئے زاویئے

☆ عزت کے نام پر قتل کیوں؟	ڈاکٹر مبارک علی	107

تاریخ کے بنیادی مآخذ

مآثر عالمگیری

مصنف: محمد ساقی مستعد خاں

ترجمہ: مولوی محمد فدا علی طالبؔ

مضامین

بیسویں صدی میں تاریخ نویسی

جیری اے بینٹلے/ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی

سماجی علوم کے ماہرین

دوسری جنگ عظم کے بعد جب امریکہ کو سپر پاور کی حیثیت مل گئی تو اس کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ دوبارہ سے تنہائی اور علیحدگی کی جانب جائے، بلکہ اب اسے عالمی صورت حال کا حصہ بن کر اس کے معاملات میں شریک ہونا تھا۔ جیسے جیسے یورپی ممالک، کمزور ہوتے چلے گئے اسی طرح نئے آزاد ممالک میں یہ جذبہ ابھرتا چلا گیا کہ انہیں غربت و مفلسی کے چکر سے نکل کر ایسے اقدامات کرنا ضروری ہیں کہ جو انہیں خوش حالی کی جانب لے جائیں۔ اس صورت حال میں امریکی پالیسی ساز اور سماجی علوم کے ماہرین نے جو راستہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ ان نوآزاد ملکوں میں ترقی کے راستے ہموار کریں تاکہ وہ کمیونسٹ بلاک میں جانے سے رکیں۔ اس کے نتیجہ میں 1950 اور 1960 کی دہائیوں میں ایسے ماہرین ابھرے کہ جو جدیدیت کے تجزیہ نگار تھے۔ ان ماہرین کا تاریخ نویسی پر بھی گہرا اثر ہوا۔

جدیدیت کے تجزیہ نگاری کی ابتداء اور ارتقاء ایک طویل عمل کے ذریعہ ہوئی کہ جس میں سوشیولوجی کے علم کا بڑا حصہ ہے۔ لیکن 1960 کی دہائی میں اس نے ایک علیحدہ شکل اختیار کر لی۔ جدیدیت اور ترقی کے ماڈل کی تلاش میں، تجزیہ نگاروں نے سیاسی، سماجی، اور کلچرل تاریخ کا مطالعہ کیا کہ جس راستہ پر چل کر مغربی اقوام پس ماندگی سے نکلی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر نوآزاد

ممالک مغربی ممالک کے ماڈل کو اختیار کریں تو اس صورت میں وہ ترقی کر کے اس اسٹیج پر پہنچ جائیں گے کہ جہاں آج یہ ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلا اہم کام جو ہوا، ڈبلیو، ڈبلیو روسٹو (W.W.Rustow) کا مضمون تھا جس کا عنوان تھا ''معاشی ترقی کے مراحل: کمیونسٹ مخالف مینی فیسٹو''۔ جس کی پہلی اشاعت 1960 میں ہوئی۔ روسٹو کا تجزیہ یہ ہے کہ:

ترقی بنیادی طور پر معاشی مسئلہ ہے۔ جب بھی کوئی ملک معاشی طور پر مستحکم ہو جاتا ہے تو وہ ترقی کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ اس معاشی ابھار کے لئے ضروری ہے کہ ملک اپنی آمدنی کا 10 فیصد حصہ پیداوار کو بڑھانے میں صرف کرے۔ اس کے نتیجہ میں اس ملک میں ترقی کی بنیاد پڑے گی۔ روسٹو کے معاشی ترقی کے اس نظریہ کا اثر تاریخ نویسی پر بھی پڑا۔

ایک اور اسکالر جس نے جدیدیت کے موضوع پر قلم اٹھایا وہ سیرل ای بلیک (Cyril E Black) ہے۔ اس کی کتاب ''جدیدیت کا عمل: معاصر تاریخ کا مطالعہ''۔ اس میں اس نے تجزیہ کیا ہے کہ کس طرح تاریخی عمل میں روایتی ممالک جدید ہو گئے۔ اس نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایتی سماج کن کن مراحل اور تہذیبوں سے گذرے۔ ان کی ذہنی ترقی اور تبدیلی نے انہیں اس قابل بنایا کہ وہ اپنے ماحول پر کنٹرول کر سکیں۔ خاص طور سے سائنس اور ٹکنالوجی کو اس قابل بنایا کہ وہ انسانی مسائل کو حل کر سکیں۔ سیاسی تبدیلی کے عمل نے سیاستدانوں کو یہ صلاحیت دی کہ انسانی ذرائع اور توانائی کا صحیح استعمال کر سکیں۔ اور ان کے ذریعہ سماج کو جدید بنانے کا کام کریں۔ پیسے کی بحث اور اس کے استعمال کے ذریعہ معاشی تبدیلی آتی ہے، جو بالآخر صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں دولت کا بڑھاوا بھی ہوتا ہے، اور پیداوار میں بھی اضافہ ہوتا ہے جب سماجی اور معاشی طور پر تبدیلی ہوتی ہے تو اس کے سماج پر کئی اثرات ہوتے ہیں، مثلاً اس کی وجہ سے شہروں کی آبادی بڑھتی ہے، پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے، اور عورت و مرد کے تعلقات اثر انداز ہوتے ہیں۔ نفسیاتی تبدیلی کے نتیجہ میں جو قدریں بنتی ہیں، ان میں انفرادیت، مقابلہ، اور خود میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے، یہ وہ عناصر ہیں کہ جو روایتی سماج میں نہیں ہوتے ہیں۔

بلیک کی تحریریں اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ اگر ان ممالک کا تاریخی تجزیہ کیا

جائے کہ جنہوں نے سماجی تبدیلیوں کو قبول کرتے ہوئے خود کو جدیدیت کے راستہ پر ڈال دیا ہے، تو اس عمل کی روشنی میں وہ روایتی ممالک جواب تک پس ماندہ ہیں، وہ تبدیلی کے اس عمل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور ترقی یافتہ ملکوں کے تجربوں سے سیکھ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بلیک نے ان سات مرحلوں کی نشان دہی کی ہے کہ جن پر چل کر جدیدیت کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سے ایسے لٹریچر میں بے حد اضافہ ہوا کہ جو کسی ایک ترقی یافتہ ملک کو ماڈل بنا کر اس کے تجربوں کے ذریعہ پس ماندہ ملکوں میں جدیدیت کی ابتداء کرنے میں مدد دینا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں مغربی ممالک کا ماڈل تھا کہ جس کو روس، جاپان اور ترکی نے اختیار کیا اور بڑے پیمانے پر سیاسی، سماجی اور معاشی تبدیلیاں کیں۔

جدیدیت کے عمل اور اس کے تجزیہ کا اثر تاریخ نویسی پر بھی ہوا۔ خصوصیت سے اس سلسلہ میں رائن ہارڈ بینڈکس (Rheinhard Bendix) کی مثال دی جا سکتی ہے۔ اس نے اپنی کتابوں میں جن میں خصوصیت سے ''قوم کی تشکیل اور شہریت'' قابل ذکر ہے، یا ایک اور کتاب ''حکمراں یا عوام: حکمرانی کرنے کی بنیاد'' بینی ڈکس نے مغربی اور ایشیائی دونوں ملکوں کا تقابلی تجزیہ کیا ہے۔ اس نے اس پہلو کو دیکھا ہے کہ قومیں کس طرح سے آپس میں جڑتی ہیں اور یہ کہ کس طرح سے سیاسی اتھارٹی کو یہ جواز ملتا ہے کہ وہ حکومت کرے، اور ساتھ ہی ایسے ادارے تشکیل دے کہ جو سماج کے مختلف حصوں اور جماعتوں کی نمائندگی کریں، اور لوگوں کی توانائی کو استعمال کریں۔

بینی ڈکس کے مطابق مغربی ممالک میں اس عمل کو تیز کرنے میں جمہوریت اور صنعتی انقلاب نے حصہ لیا، جس کی وجہ سے لبرل اور سرمایہ دارانہ ریاستوں کا وجود ہوا۔ اس کے مقابلہ میں روس میں کہ جہاں زار مطلق العنان تھے، وہاں ایک ایسا نظام تشکیل ہوا کہ جو جس میں آمریت اور ڈکٹیٹرشپ تھی۔ جرمنی اور جاپان میں کہ جہاں امراء کی جانب سے اوپر سے تبدیلی لائی گئی، اس نے آمریت کی ترقی پسندانہ شکل کو پیدا کیا۔ ہندوستان میں کہ جہاں گاؤں ایک مکمل معاشی یونٹ تھا، اس نے ایک قوم کی تشکیل میں مشکلات پیدا کیں۔

بینی ڈکس کے اس تقابلی جائزہ نے اس کے تجزیہ میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ جدیدیت کے عمل کو مختلف انداز میں دیکھ سکے۔ اس لئے اس نے کسی ایک مغربی ملک کو بطور ماڈل کے نہیں لیا۔

اس نے آگے چل کر یہ کہا کہ مغربی ممالک میں جدیدیت کا قیام جمہوریت اور صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں ہوا۔ مگر دوسرے ملکوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اس ماڈل کو اختیار کر کے خود کو جدید بنائیں، اس مقصد کے لئے انہیں کسی اور راستہ کو منتخب کرنا ہوگا۔

روسٹو، بلیک، اور بینی ڈکس، اور جدیدیت کے دوسرے ماہرین نے جدید تاریخی عمل کو سمجھنے میں بے انتہا مدد دی۔ انہوں نے ان پہلوؤں اور موضوعات کی طرف توجہ دی کہ جن کو سمجھے بغیر جدیدیت کے عمل کو نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ ان موضوعات میں شہروں میں آبادی کا اضافہ، صنعتی عمل، سائنس، ٹیکنالوجی، کمیونی کیشن اور تعلیم کا عام ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کسی ایک سوسائٹی کا انتخاب کیا اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں پر توجہ مرکوز کر کے نتائج نکالے۔ ان کے اس تجزیہ کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ جدید تاریخ کو نئے خطوط پر دیکھا جا سکے، اور یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ گلوبل عمل کو کس طرح سے دیکھا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس عمل کی انہوں نے نشان دہی کی ہے، اس نے مغربی سماج کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، اور اس کے اثرات کو ہم دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی دیکھتے ہیں۔

لیکن جدیدیت سے تعلق رکھنے والے مکتبہ فکر کے دانشور، ان مشکلات پر قابو نہیں پا سکے جو کہ 1970 کی دہائی میں پیدا ہوئیں۔ ان کے لئے یہ لازمی ہوا کہ اپنے نظریات پر دوبارہ سے غور کریں اور ان میں ترمیم و اصلاح کریں۔ ان کے منصوبے کو اس وقت شدید دھچکہ لگا کہ جب مغربی جمہوریت اور صنعتی عمل کو اختیار کر کے جدید ہونے کے عمل کو اختیار کرنے کے بجائے تیسری دنیا کے ملکوں میں انقلابات اور مزاحمتی تحریکیں شدت کے ساتھ ابھریں۔

بہت سے اسکالروں نے اس مفروضہ کو رد کر دیا کہ مغربی اقوام میں یہ صلاحیت اور لیاقت ہے کہ وہ جدیدیت کو اختیار کرتے ہوئے، جمہوریت اور صنعتی عمل کو اختیار کریں، اس لئے دوسری اقوام کے لئے ترقی اور خوش حالی کے ضروری ہے کہ وہ مغرب کی تقلید کریں اور ان کے بنائے ہوئے راستے پر چلیں، کیونکہ ان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنا راستہ خود سے تلاش کر سکیں۔ اگر ضروری ہو تو مغرب انہیں مجبور کرے کہ تیسری دنیا کی اقوام ان کے نسخہ پر عمل کریں۔

اس کی وجہ سے جدیدیت کے اس نقطہ نظر کے اسکالرز کی مقبولیت میں کمی ہوئی، کیونکہ ان میں سے اکثر نے امریکی ریاست کی پالیسیوں کی حمایت کی۔

لیکن اس مکتبہ فکر کے افکار و نظریات مکمل طور پر غائب نہیں ہوئے، اگرچہ کئی معنوں میں انہوں نے اپنی ساکھ کھودی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتبہ فکر کے خیالات کو دوبارہ سے تقویت مل رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اے، ایل جونز (A.L.Jones) کی کتاب ''یورپی معجزہ'' ہے۔ جونز نے یورپ کی معیشت، تاریخ اور ماحولیات کا مطالعہ دوسرے ممالک کے سماجوں سے کیا ہے۔ اس کی دلیل ہے کہ یورپ نے معاشی طور پر ترقی کی جب کہ امپیریل چین، ہندوستان، اور مسلم دنیا اپنے نظام کی وجہ سے اس ترقی سے محروم رہے۔ ان دونوں سماجوں کے درمیان مقابلہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ یورپ میں ابتدائی زمانے میں بھی تاجر تھا، اور صنعت کاروں کی دولت کو زمین کی خریداری میں استعمال کرے منجمد نہیں کیا گیا۔ اگرچہ یورپی ریاستوں نے سرمایہ داری کو بڑھاوا دینے میں تو کوئی مدد نہیں کی، مگر انہوں نے اس کا راستہ روکنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی۔ جب کہ غیر یورپی ملکوں میں تجارت کو فروغ نہیں دیا گیا اور سرمایہ محفوظ رکھا گیا۔

انحصار اور ورلڈ سسٹم کا تجزیہ

1970 اور 1980 کی دہائیوں میں جدیدیت پسندوں کو سخت قسم کی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے نقادوں نے ایک ایسے متبادل نقطہ نظر کو پیش کیا کہ جو دنیا کی تاریخ کی تبدیلی اور اس کی قوت محرکہ کی وضاحت کرتا تھا۔ جو اسکالرز اس نظریہ سے تعلق رکھتے تھے وہ انحصار اور ورلڈ سسٹم کے مکتبہ فکر کے تھے۔ یہ وہ نقطہ نظر تھا کہ جس نے ہم عصر دنیا کی تاریخ کو ایک نئے انداز سے دیکھنے کا موقع دیا۔ ان اسکالرز کی بنیاد لاطینی امریکہ کے وہ دانشور تھے کہ جنہوں نے 1960 کی دہائی میں جدیدیت کی تھیوری کو چیلنج کیا تھا، اور اس کی جگہ ایک متبادل راستہ تلاش کیا تھا۔ ان کی دلیل تھی کہ امریکہ اور اقوام متحدہ کے منصوبوں اور نظریات نے لاطینی امریکہ کی معیشت اور سیاست کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ انہوں نے استحصال کی ایک شکل اختیار کر کے ان کی ترقی کو روک دیا ہے، لہٰذا کسی بھی صورت میں لاطینی امریکہ کی ترقی میں حصہ نہیں لے سکتے ہیں۔

1960 کی دہائی میں یورپ اور امریکہ کے کچھ اسکالرز نے اس نظریہ کو تسلیم کیا۔ ان میں آندرے گنتھر فرانک قابل ذکر ہے کہ جس نے ان خیالات وافکار کو انگریزی بولنے والے لوگوں میں روشناس کرایا۔ یہ خصوصیت سے ان اسکالرز میں بہت جلد مقبول ہوا کہ جو جدیدیت کے خلاف تھے۔

فرانک کا کام کئی لحاظ سے اہم ہے، کیونکہ اس نے نہ صرف انحصار کی تھیوری کو روشناس کرایا، بلکہ اس نے عالمی تاریخ پر جو مقدمہ لکھا اس نے انحصار کی تھیوری کو ایک نیا مفہوم اور معنی دیئے۔ اس نے اس پر زور دیا کہ امپیریل ازم اور کولونیل ازم کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ جدید تاریخ میں قوت متحرکہ رہے ہیں۔ سولہویں صدی سے ابتدائی بیسویں صدی تک انہوں نے ارتقائی طور پر دنیا پر قبضہ کر کے اپنا اقتدار مستحکم کرلیا، اور دنیا کے اکثر حصوں کو عالمی سرمایہ داری کے نظام سے جوڑ دیا۔ اس نے میٹروپولس اور سٹلائٹ سرمایہ داری کی اصطلاحات کو استعمال کر کے اپنے موقف کی وضاحت کی۔

میٹروپولس سے اس کی مراد امپیریل اور کولونیل قوتیں تھیں، سٹلائٹ سے مراد وہ ممالک اور علاقے تھے جہاں انہوں نے قبضہ کر کے اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا۔ یہاں وہ بے رحمی سے زائد سرمایہ کو اکٹھا کر کے لے جاتے تھے اور ان ملکوں اور علاقوں میں اس ترقی کو روک رہے تھے جو خود ان کے ملکوں میں ہوتی تھی۔ دوسری جانب جو دولت انہوں نے مقبوضہ ممالک سے حاصل کی اس کی جمع شدہ شکل نے ایک طاقتور سرمایہ داری کی شکل اختیار کرلی۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جانب تو اس سرمایہ کی وجہ سے مغربی دنیا نے مزید ترقی کی، تو دوسری جانب مقبوضہ ممالک پس ماندہ ہوتے چلے گئے۔ فرانک کے اس استدلال نے جدیدیت پسندوں کے اس مفروضہ کو چیلنج کیا کہ جس کے وہ دعویٰ کرتے تھے کہ اندرونی طور پر اگر کوئی سماج سرمایہ کاری اور تعلیم پر توجہ دے تو وہ ترقی کرسکتا ہے۔ لیکن مغربی طاقتوں کو تیسری دنیا کے ملکوں پر زبردستی قبضہ، اور ان کے سرمایہ کا استحصال، تعلیم اور سرمایہ کاری کو روکتا ہے اور ان ملکوں میں ترقی کے راستوں کو بند کر دیتا ہے۔

1970 کی دہائی میں فرینک کے خیالات کا اثر نوجوان سوشیولوجسٹ، اور سیاسیات کے ماہرین پر بڑا گہرا ہوا، خاص طور سے اس اثر کو امانوئل والراسٹائن (Waller stein) کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے، جس نے اپنے ''ورلڈ سسٹم'' کے نظریہ کو بڑی وضاحت اور خوبصورتی کے ساتھ

پیش کیا ہے، اس میں انحصار پسندوں کی تھیوری کا اثر صاف نمایاں ہے۔ مثلاً اس کی دلیل یہ ہے کہ موجودہ عہد کی تاریخ کو مغربی امپیریل ازم اور کولونیل ازم کے تناظر میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داری کے عروج مغربی دنیا کی ترقی اور دوسرے ممالک کی پس ماندگی کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ والراسٹائن نے کئی لحاظ سے فرانک کے ماضی کے نظریہ میں ترمیم کی۔ سب سے پہلے تو اس نے بہت زیادہ تفصیل سے ورلڈ آڈر کو بیان کیا، اس کو بیان کرتے ہوئے اس نے ترتیب اور تنظیم کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کی تشریح کی۔ اس کے ورلڈ سسٹم میں بہت زیادہ لچک ہے، یہ وہ عنصر ہے کہ جو انحصار پسندوں کے ہاں نہیں ملتا ہے۔ فرانک نے جو دنیا کو میٹروپولس اور سٹلائٹ میں تقسیم کیا تھا، والرا سٹائن اس سے آگے بڑھ کر مختلف ممالک کی معاشی ترقی اور زوال کا تجزیہ کرتا ہے، اور پھر وہ ایک ایسے معاشی نظام کی بات کرتا ہے کہ جو ورلڈ سسٹم پر مبنی ہوتا ہے۔

انحصار، اور ورلڈ سسٹم کے تجزیہ نگاروں نے یہ ثابت کر دیا کہ عالمی تاریخ بہت زیادہ پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہے، یہ اس قدر سادہ نہیں جیسا کہ جدیدیت کے حامیوں نے اسے سمجھ لیا تھا۔ جدید دنیا کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اولین طور پر ان اندرونی قوتوں کا مطالعہ کیا جائے کہ جو ترقی کا باعث ہوتی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ وسیع تناظر میں عالمی معیشت کا تجزیہ بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ کولونیل ملکوں میں ترقی کے راستوں کو بند کرتی ہے۔ جب علاقائی تناظر سے تاریخ کو دیکھا جاتا ہے تو اس صورت میں انحصار اور ورلڈ سسٹم کو بہتر طریقہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں والٹر روڈنی (Walter Rodney) کی کتاب بڑی اہم ہے، جس کا عنوان ہے ''یورپ نے کیسے افریقہ کو پس ماندہ بنایا؟''

اگر چہ انحصار کی تھیوری کی ابتداء سوشیولوجی کے ماہرین کی تھی، مگر اس کا گہرا اثر مورخوں پر ہوا۔ ان سے انتھرولوجی اور دوسرے علوم کے اسکالرز نے بھی استفادہ کیا۔ مورخوں میں برنارڈ بروڈل (Bernard Braudel) ایس۔ اسٹاوے ریونوز (S. Stavrianos) ٹامس جے۔ میک کورمک (Thomas J. MacCormick) ان سب نے کسی نہ کسی شکل میں ورلڈ سسٹم کے نظریہ سے اثر قبول کیا۔ ان مورخوں نے ماڈرن تاریخ کی ابتداء اور ورلڈ سسٹم، تیسری دنیا کیسے باشعور ہوتی ہے، اور امریکی خارجہ پالیسی کو ورلڈ سسٹم کے تناظر میں بیان کیا۔

جان اوبرٹ فول (John Obert Voll) نے یہ دلیل دی کہ ''اسلام اور ورلڈ سسٹم'' میں 1000ء سے 1800ء تک، اسلامی ممالک نے اسلامک ڈسکورس کی بنیاد پر ورلڈ سسٹم کو تشکیل دیا تھا۔

ارک وولف (Eric Wolf) نے اپنی کتاب ''یورپ اور بغیر تاریخ کے لوگ'' اس میں یہ بیان کیا کہ سرمایہ داری کی ابتداء اور یورپ کے عروج نے کس طرح ایشیا اور افریقہ کے سیاسی، سماجی اور معاشی ڈھانچے کو بدلا۔

ورلڈ سسٹم کے تجزیہ نگاروں نے نہ صرف مورخوں ماڈرن دنیا کی تاریخ کو سمجھنے کا ادراک دیا، بلکہ انہوں نے ماڈرن تاریخ سے پہلے کے ادوار کے بارے میں بھی ایک نیا نقطہء نظر دیا۔ جینٹ ایل، ابولغود نے اپنی کتاب ''یورپی تسلط سے پہلے'' ورلڈ سسٹم 1350-1250 میں اس نے ورلڈ سسٹم کے دائرہ کو اور زیادہ وسیع کر دیا ہے اور دلیل دی ہے کہ ورلڈ سسٹم کو سمجھے بغیر عالمی تاریخ کو نہیں سمجھا جا سکتا ہے، جیسے منگولوں کی امپائر کو ورلڈ سسٹم کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آندرے گنتھر فرانک اور بیری کے گلز (Berry K. Gills) ''ورلڈ سسٹم، 500 سال یا 5000 سال؟'' میں ورلڈ سسٹم کو 300 ق۔م کے دائرہ میں دیکھا ہے۔

اگر انحصار اور ورلڈ سسٹم کے لکھنے والوں نے ماڈرن دنیا کو سمجھنے میں مدد دی، لیکن وہ عالمی تاریخ کے مطالعہ میں کوئی نئی اوپرچ نہیں دے سکے۔ اس پر دو نقطہائے نظر سے تنقید کی گئی ہے۔ مثلاً انحصار کی تھیوری میں معیشت اور سیاست کو بہت ہی تنگی کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ یہی صورت ورلڈ سسٹم کی ہے کہ جس میں دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے معاشی اور سیاسی شعبہ جات پر زور دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ماضی کے بارے میں معلومات مکمل طور پر حاصل نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ جب کلچر، مذہب، تعلیم، روایات، عقائد، اقدار، اور تاریخی شعور کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر سماج کی اپنی اندرونی ترقی اور قوموں اور ملکوں کے باہمی تعلقات کو پوری طرح سے نہیں سمجھا جا سکے گا۔

اگر انحصار اور ورلڈ سسٹم کے لکھنے والے جدیدیت پسندوں کی طرح مغربی تہذیب کی نظر سے تو عالمی تاریخ کو نہیں دیکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ان کے ہاں ان کی تحریروں کا اثر ہے جس کی

وجہ سے وہ مغربی نقطہ نظر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ عنصر عالمی تاریخ کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کو دور کرنے میں مددگار نہیں ہوتا ہے۔

اگر چہ انہوں نے اس بات کو بڑی وضاحت اور خوبصورتی سے بیان کر دیا ہے کہ قوموں کے اپنے فیصلوں کی بنیاد پر سماج مکمل طور پر ترقی نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ اندرونی قوتیں ایک حد تک سماج کو آگے لے جاتی ہیں۔ وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ بین الاقوامی سرمایہ داری ماڈرن دنیا کی ترقی کا تعین کرتی ہے، لیکن مقبوضہ ملکوں کے لوگ اور وہ لوگ کہ جن کا استحصال ہو رہا ہے، وہ کس طرح سے اس سرمایہ داری کا حصہ ہیں۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی سرمایہ دار ممالک امپیریل ازم کے ذریعہ تیسری دنیا کے ملکوں کا استحصال کرتے ہیں تو اس کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ مقبوضہ اور استحصالی سماج سرمایہ دار قوتوں سے تعاون بھی کرتے ہیں، مزاحمت بھی کرتے ہیں، بغاوت بھی کرتے ہیں، اور ان کے اقتدار کو ہر ممکن طریقہ سے چیلنج بھی کرتے ہیں۔ انحصار اور ورلڈ سسٹم کے اسکالرز ان پہلوؤں کو دیکھنے کے بجائے صرف مغربی ممالک کے استحصال اور ان کی ناانصافی پر مبنی پالیسیوں کو دیکھتے ہیں۔

لیکن اس کمی کے باوجود ان اسکالرز نے ماڈرن دنیا اور اس سے پہلے کی تاریخ کو سمجھنے میں بڑی مدد دی۔

❁❁❁❁❁

پاکستان میں ریاست کا نظریاتی خلجان

ڈاکٹر سید جعفر احمد

ریاست اور مذہب کے تعلق کے حوالے سے پاکستان میں آزادی کے وقت سے اب تک مسلسل ایک مباحثہ جاری رہا ہے۔ ایک نظریاتی خلجان بلکہ بحران ہے جو آج تک ختم نہیں ہو سکا۔ اس عرصے میں دریاؤں کے پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی جا چکا ہے۔ تین نسلیں پروان چڑھ چکی ہیں، بیس بائیس حکومتیں اقتدار میں آ کر رخصت ہو چکی ہیں، ملک کا ایک صوبہ جو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ بھی تھا، الگ ہو کر آزاد ملک بن چکا ہے۔ مگر ہمارا نظریاتی بحران ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا بلکہ ہر آنے والے دن کے ساتھ اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور اس میں نت نئے پہلو شامل ہوتے رہتے ہیں۔ کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھیں کالموں کے کالم نظریاتی موشگافیوں پر مشتمل دیکھے جا سکتے ہیں۔ کئی سوالات ہیں جو اس بحران کو متشکل کرتے اور اس کے حدود اربعہ کو نمایاں کرتے ہیں مثلاً:

۱۔ پاکستان کا قیام کیوں عمل میں آیا تھا اور ہندوستان کو تقسیم کرنے کو نوبت کیوں آئی تھی؟

۲۔ پاکستان کے قیام کا مقصد کیا ایک ایسی اسلامی ریاست کو قائم کرنا تھا جس کے ایک خالص اسلامی ریاست ہونے کا فیصلہ مذہبی علما کا طبقہ ہی کر سکتا تھا، یا یہ کہ اس کا مقصد مسلمانوں کی ایک ایسی ریاست کا قیام تھا جس میں عامۃ الناس کا اجماع اور اتفاق رائے (consensus) فیصلہ کن حیثیت رکھتا۔ دوسرے لفظوں میں کیا یہ ایک تھیوکریسی تھی یا ایک قومی طرز کی جمہوری ریاست تھی؟

۳۔ وہ دو قومی نظریہ جس کو مطالبۂ پاکستان کی بنیاد بنایا گیا تھا، اس کی حیثیت (status) کیا

ہے؟ کیا یہ نظریہ حصول مملکت کے بعد بھی برقرار ہے یا آزادی کے حصول کے بعد اس کا کردار ختم ہو چکا ہے؟

۴۔ کیا پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اسلام ہی نظریہ پاکستان ہے؟ اور اگر اس بات کو نہ مانا گیا تو پھر سوال یہ ہے کہ پاکستان بنا ہی کیوں تھا؟ اسلام کو نظریۂ پاکستان قرار دینے میں قباحت کیا ہے؟

۵۔ کیا اسلام نے ریاست کا کوئی واضح نظام اور سیاسی اداروں کی کوئی متعین شکل فراہم کی ہے؟ کیا عہد رسالت مآب اور قرن اوّل کی سیاسی ہیئت کو اسلام کا مستقل اور نا قابل تبدل سیاسی نظام قرار دیا جاسکتا ہے جس کا آج کے دور میں احیاء ایک ریاست کو اسلامی ریاست قرار دینے کی واحد ضمانت ہے؟

۶۔ پاکستان کا قیام کیا عالمی سطح پر اسلام کے احیاء اور غلبے کا ایک مرحلہ تھا اور کیا اس مرحلے کے بعد اگلے مراحل تک جانے کے لیے پاکستان کو ایک ذریعہ بننا تھا؟ یا یہ کہ پاکستان کے لیے بین الاقوامی قانون اور روایات کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی اپنی اقدار حیات کو فروغ دینے اور دنیا کے دوسرے ممالک کو ان کی طرف مائل کرنے کا راستہ زیادہ موزوں تھا؟

ان سوالات کا جواب مناسب طور پر دے دیا جاتا تو پاکستان کی اُن نظریاتی الجھنوں کا مداوا ہوسکتا تھا جو برسہا برس سے چلی آ رہی ہیں۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ان سوالات کا جواب دیا بھی گیا ہے اور مسلسل دیا جاتا رہا ہے۔ اس جواب کی تشہیر بھی خوب ہوئی ہے اور اس کو اکثر و بیشتر ریاست کی قوتِ نافذہ کے ذریعے نافذ بھی کیا گیا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا نا مناسب نہیں ہوگا کہ مذکورہ سوالات کے جو جواب دیئے گئے ہیں وہ کیا ہیں۔ مثلاً:

۱۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ ہندوستان میں مسلمان اپنی آمد کے بعد سے ہی ایک علیحدہ وجود کے حامل رہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں تہذیبی اختلاط یا تو ہوا ہی نہیں اور اگر کسی سطح پر ہوا بھی تو مسلم اکثریت اور علمائے اسلام نے اس کو ناپسند کیا اور اس کی سخت مزاحمت کی۔ قیامِ پاکستان اسی علیحدہ مسلم تشخص کا منطقی انجام تھا۔ دوسرے لفظوں میں، پاکستان کا قیام اُسی روز عمل میں آ گیا تھا جب پہلے مسلمان نے ہندوستان میں قدم

رکھا تھا۔ مذکورہ بالا دعویٰ کرنے والوں نے ان سوالات کو خاطر خواہ توجہ کا حامل تصور نہیں کیا کہ کیا تاریخ اسباب وعوامل اور عمل اور ردِعمل سے مرتب ہونے کے بجائے محض اسی طرح ایک طے شدہ راستے پر چلتی ہے جس طرح کہ مذکورہ دعویٰ کرنے والوں نے فرض کرلیا ہے۔ نیز ثقافتی تنوعات کیا لازماً سیاسی علیحدگی پر منتج ہوتے ہیں یا مخصوص سیاسی حالات اور اقتصادی مفادات کا بھی ملکوں کی تعمیر وتخریب میں کوئی کردار ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کہا گیا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اس اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ہی عمل میں آئی تھی۔ اگر پاکستان کو ایک سیکولر ریاست ہی ہونا تھا تو ہندوستان کی تقسیم کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پاکستان کی ایک اسلامی ریاست کی حیثیت کو اُجاگر کرنے کے لیے ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور کی گئی جس میں یہ طے کیا کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ گو قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو اہلِ پاکستان ایک امانت کے طور پر اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کریں گے۔ ان منتخب نمائندوں کی طرف سے کی گئی قانون سازی کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے لیے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں ایسے ادارے بنائے گئے ۔۔۔ مثلاً اسلامی تعلیمات کا بورڈ، اسلامی نظریاتی کونسل وغیرہ ۔۔۔ جن کا کام قوانین کی اسلامی اساس کا فیصلہ کرنا تھا۔

۱۹۷۳ء کے دستور نے اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دینے کا غیر معمولی فیصلہ بھی کیا۔ یہ فیصلہ 'غیر معمولی' یوں تھا کہ بالعموم ریاست کے شہریوں کا تو کوئی مذہب ہوسکتا ہے مگر ریاست کسی ایک یا دوسرے مذہب کی پیرو نہیں ہوتی، یہی نہیں بلکہ مذکورہ دستور نے صدر یا وزیراعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی عائد کی۔ اسی دستور نے اسلامی طرز زندگی کو یقینی بنانے کو، اپنے حکمت عملی کے اصولوں (Principles of Policy) کا حصہ بنایا۔ اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا اور ریاست نے زکوٰۃ اور اوقاف کے انتظام وانصرام کو اپنی ذمہ داری قرار دیا۔

۳۔ یہ بھی کہا گیا کہ دوقومی نظریہ قیام پاکستان کے بعد بھی اتنا ہی برمحل (relevant) ہے

جتنا اس سے پہلے تھا۔ کیونکہ یہ نظریہ، پاکستان کی اساس ہے لہٰذا پاکستان کی بقا بھی اسی میں ہے۔ اسی تصور کو عملی تعبیر دیتے ہوئے ملک کی تاریخ کے بڑے حصے میں جداگانہ انتخاب کے نظام کو برقرار رکھا گیا۔ پاکستان کے سب دساتیر نے اقلیتوں کے حقوق کی بات تو کی اور مختلف حکومتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر اقلیتوں کو برابر کا شہری قرار دینے کے دعوے کیے۔ ان دعووں میں کتنی حقیقت تھی اور ان پر کتنا عملدرآمد ہوا، اس سے قطع نظر یہ بات طے ہے کہ شہریوں کو بہرحال اکثریت اور اقلیت میں تقسیم رکھا گیا اور قوم ایک مشترکہ شناخت حاصل نہیں کر سکی۔

۴۔ پاکستان کے بارے میں یہ بات زور شور کے ساتھ کہی گئی کہ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے اور اسلام ہی نظریۂ پاکستان ہے۔ نظریۂ پاکستان کا اعادہ ریاست کی اہم ترین مصروفیات میں شامل رہا۔ تعلیمی نصاب کے ذریعے ابتدائی مدارج سے اعلیٰ ترین مدارج تک اس کی ترویج ہوئی اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس کو فروغ دیا گیا۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ پاکستان ہی ایک نظریاتی مملکت ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسرائیل کو ایک دوسری نظریاتی ریاست کے طور پر قبول کیا گیا۔ بالعموم اس بات پر تفاخر کا اظہار کیا گیا کہ دنیا میں دو ہی مملکتیں یعنی پاکستان اور اسرائیل مذہب کے نام پر وجود میں آئی ہیں۔ یہ دعویٰ کرتے وقت اس پہلو کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا کہ اسرائیل صرف یہودی اکثریت کی مملکت نہیں ہے بلکہ وہ ایک صہیونی ریاست بھی ہے جس کی اساس نسل پرستی (racism) پر قائم ہے۔ ایک ایسی ریاست کے ساتھ پاکستان کی مشابہت اور مماثلت پر اصرار خود پاکستان کے لیے کیا معنی رکھتا ہے، اس پہلو کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا گیا۔

۵۔ قیام پاکستان سے قبل ہی علماء کے ایک حلقے کی طرف سے اسلامی ریاست کا نعرہ بلند کیا جا چکا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلامی ریاست کے حوالے سے برصغیر میں ابتدائی طور پر جن اہلِ فکر نے اظہارِ خیال کیا اُن میں اسلامی جدیدیت کے علمبردار سید امیر علی پیش پیش تھے مگر بعد کے برسوں میں قدامت پسند علماء اسلامی ریاست کے سب سے نمایاں علمبردار بن کر سامنے آئے۔ ان علماء میں جماعت

اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جملہ فکری کاوشوں کا محور 'اسلامی ریاست' ہی ہے۔ ان علماء کا اسلامی ریاست کے ضمن میں موقف یہ ہے کہ قیامِ اسلام، ریاست کے ذریعے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ علماء 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' کو ممکن بنانے کے لیے ریاست کی قوتِ نافذہ کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک نبی اکرمؐ کے دور میں مدینہ میں قائم ہونے والی سیاسی ہیئت، ایک باقاعدہ ریاست تھی بلکہ ایک مثالی ریاست تھی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام ایک سیاسی نظام بھی دیتا ہے اور ہمارا کام اس نظام کو قائم کرنا ہے۔ نیز پاکستان کیونکہ اسلام کے نام پر بنا تھا لہٰذا یہاں اسلامی ریاست کا قیام اس کے مقصدِ وجود کا تقاضا ہے۔

۶۔ پاکستان کو عالمی سطح پر اسلامی نظام کے قیام کا پہلا مرحلہ قرار دیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ یہ پین اسلام ازم کے مشن کی اولین منزل ہے۔ قطع نظر اس کے کہ دوسرے مسلم ملکوں میں پاکستان کے اس دعوے کو کس نظر سے دیکھا گیا، ہمارے مقتدر حلقے اور ملک کی مذہبی سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس دعوے کی تکرار جاری رہی۔ بعض اوقات اس سمت میں عملی اقدامات بھی کیے گئے مثلاً ۱۹۹۰ء کے عشرے میں پاکستان کے دینی مدارس کے فارغ التحصیل ملکی اور بیرونی طالبعلموں کے ذریعے افغانستان میں طالبان کا اقتدار قائم کروایا گیا۔ یہ تجربہ بظاہر اتنا کامیاب رہا کہ ایک مرحلے پر ملک کے ایک معروف عالم ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحد کو ختم کر کے اسلامی خلافت کے قیام اور طالبان کے رہنما ملا عمر کو دونوں خطوں پر مشتمل اسلامی مملکت کا خلیفہ قرار دینے کی تجویز پیش کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا۔

پاکستان کو نظریاتی تشخص فراہم کرنے کے لیے گذشتہ چھ عشروں میں جو اقدامات کیے گئے اور جن میں سے چند کا اوپر حوالہ دیا گیا، اگر ان کی نتیجہ خیزی کا جائزہ لیا جائے تو جو تصویر ہمارے سامنے اُبھر کر آتی ہے وہ کچھ اس قسم کی ہے:

۱۔ باوجود مذکورہ بالا دعوؤں، فیصلوں اور اقدامات کے، ملک مستقلاً قومی وحدت سے محروم رہا ہے۔ گزشتہ چھ عشروں میں شاید کوئی ایک لمحہ بھی ہماری تاریخ میں ایسا نہیں گزرا

جب علاقائی، نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ مناقشات ہمارے ملک میں موجود نہ رہے ہوں بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اختلافات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے رہے ہیں۔ اپنی تاریخ کے سفر کے صرف تیئیس، چوبیس سال بعد پاکستان کا مشرقی حصہ ملک سے الگ ہونے پر مجبور ہوا۔ یہ وہ خطہ تھا جو مذہب کے ساتھ وابستگی میں کسی سے پیچھے نہیں تھا لیکن ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری حکومتوں نے مشرقی پاکستان کے ساتھ جو غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ طرزِ عمل اختیار کیا اس نے مشرقی پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرے۔ علاقائی خودمختاری کی آواز کو دبانے کے لیے مرکز نے اسلامی اُخوت اور نظریۂ پاکستان کے نعروں کا سہارا لیا لیکن یہ کارگر ثابت نہ ہو سکے۔

۲۔ باوجود صبح وشام کی تلقین کے پاکستان میں اسلامی ماحول قائم نہیں ہو سکا۔ اس ماحول کو قائم کرنے میں وہ سب قوانین بھی ناکام رہے جو وقتاً فوقتاً نافذ کیے جاتے رہے۔ ان دنوں حدود آرڈیننس پر ملک بھر میں جو مباحثہ جاری ہے اس میں جسٹس ناصر اسلم زاہد صاحب کا یہ کہنا قابلِ غور ہے کہ اپنے نفاذ کے بعد سے اب تک حدود آرڈیننس نے انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے نقطۂ نظر سے تو بہت سی کمزوریوں کا مظاہرہ کیا ہی ہے، خود معاشرے کی اصلاح کے نقطۂ نظر سے بھی یہ آرڈیننس لاحاصل ثابت ہوا ہے۔ ایک حدود آرڈیننس پر ہی کیا موقوف ہے، ملک میں مختلف اوقات میں جاری کیے جانے والے اسلامی احکامات اور قوانین خواہ وہ ضیاء الحق کے زمانے میں قائم کردہ صلوٰۃ کمیٹیاں ہوں یا زکوٰۃ اور اوقاف سے متعلق قوانین، یہ سب ہمارے معاشرے کو کسی اچھے اخلاقی قالب میں ڈھالنے میں یکسر ناکام ثابت ہوئے بلکہ ہر آنے والا دن ہماری مجموعی اخلاقی صورتِ حال کو مزید ابتر بنا رہا ہے۔ سرکاری اداروں میں اقربا پروری، بدعنوانی اور رشوت ستانی عام ہے۔ معاشرے میں چھوٹے بڑے جرائم معمول بن چکے ہیں۔ ملک میں کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہیں بچا ہے جو بدعنوانیوں سے محفوظ رہا ہو۔ معاشرے کی اس اخلاقی زبوں حالی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ بہت سی برائیوں کو اب معمول سمجھ کر قبول کر لیا گیا ہے۔

۳۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک فلاحی ریاست پاکستان میں آج تک ظہور پذیر نہیں ہوسکی۔

۴۔ ملک کو سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوسکا اور ملک کی تاریخ کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں رہا جب اس کے وجود کے معرضِ خطر میں ہونے کا ذکر سننے میں نہ آیا ہو۔

۵۔ مذہبی تفرقہ اپنے عروج پر ہے۔ انتہا پسند مذہبی گروہوں کے (جو اپنے اپنے طور پر اسلام کے حقیقی علمبردار ہیں) باہمی تعلقات کی نوعیت یہ ہے کہ بالعموم وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ وہ دنیا کی ہر خرابی اور ہر برائی کی وجہ اپنے مخالف گروہ کے اندر دیکھتے ہیں اور ان کا بس نہیں چلتا کہ دوسرے گروہ یا فرقے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ چنانچہ عبادت گاہوں پر حملے ہوتے ہیں۔ نمازیں پولیس کی نگرانی میں ادا کی جاتی ہیں۔ ماتمی جلوسوں پر شب خون مارا جاتا ہے اور اب مذہبی انتہا پسندی نے خودکش حملوں کی راہ بھی دیکھ لی ہے۔

۶۔ ملک میں موجود مذہبی انتہا پسندی کی فضا اور ہیجان کی کُہر سے نکل کر دیکھیں تو حقائق کی ایک اور دنیا اپنی تکلیف دہ تفصیلات کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ تفصیلات کیا ہیں۔ پاکستان دنیا کے غریب ترین ملکوں میں شامل ہے۔ ملک کے جملہ وسائل ایک محدود طبقے کے قبضے اور تصرف میں ہیں۔ آبادی کی اکثریت پسماندگی اور مفلوک الحالی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ چالیس فیصد کے قریب لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی کا بوجھ اُٹھائے پھر رہے ہیں۔ آزادی کے انسٹھ سال بعد بھی ملک کی شرحِ خواندگی ۵۰ فیصد سے آگے نہیں جا سکی۔ ملک میں بچوں کی محنت و مشقت قانوناً ممنوع ہے مگر عملاً اس کے آثار ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ خواتین معاشرتی جبر کا دُہرا عذاب سہ رہی ہیں۔ وہ سماجی نابرابری اور صنفی امتیاز کے جس بھیانک عذاب سے دوچار ہیں اس سے ان کے نکلنے کی دور دور تک سبیل نظر نہیں آتی۔ اسلام کو عورت کا نجات دہندہ قرار دینے والے، عورتوں کے حقوق کی ہر آواز کو مغرب کی سازش قرار دے کر ان کی ابتلا کو اور گھمبیر کر دیتے ہیں۔ یہ عجیب افسوس ناک واقعہ ہے کہ عورتوں کے خلاف ہونے والے سارے جرائم کی پردہ پوشی کرتے وقت معاشرتی روایات اور مذہبی اخلاقیات کا

نام سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے اور ملک میں شاید خال خال ہی ایسے علما موجود ہوں گے جو ان بے رحمانہ رویوں کی مذمت کرتے ہوں اور یہ کہنے کا حوصلہ رکھتے ہوں کہ عورتیں بھی انسان ہیں اور اُن کے خلاف روا رکھے جانے والے سلوک کو مذہب کی ڈھال فراہم کرنا اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا خود ان کے خلاف کیا جانے والا ظلم۔

۷۔ ملک کی معاشرتی اور اخلاقی صورتِ حال سے لوگ اب اس درجہ بدظن ہو چکے ہیں کہ وہ ایک طرح کی نراجیت اور لاتعلقی کا شکار نظر آتے ہیں۔ جو لوگ وسائل یافتہ ہیں وہ ملک سے باہر جانے میں جائے امان پاتے ہیں۔ جو بے وسیلہ ہیں، وہ یہیں رہ کر جیسے تیسے زندگی کے دن پورے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال کسی لحاظ سے بھی ایک قابلِ رشک یا نارمل صورتِ حال قرار نہیں دی جا سکتی۔

۸۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ نظریاتی بحران جس کو مبینہ طور پر حل کرنے کے لیے متذکرہ بالا تمام اقدامات کیے گئے وہ بحران ہنوز برقرار ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن حلقوں کی طرف سے اصلاح معاشرہ اور اسلامی قدروں کے فروغ کے لیے مذکورہ بالا اقدامات تجویز کیے گئے اور جنھوں نے ان پر عمل درامد میں مختلف ادوار میں حصہ بھی لیا، وہ بھی آج زور و شور کے ساتھ ملک میں نظریاتی بحران کی موجودگی کی دہائی دے رہے ہیں۔ ان سے اگر یہ دریافت کیا جائے کہ اب تک آپ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے نسخوں اور لائحہ عمل پر ہی تو ملک کو چلایا جاتا رہا ہے۔ سو اب آپ ان نسخوں کی ناکامی کا اعتراف کیوں نہیں کرتے اور اگر یہ نسخے کارگر تھے تو آج کی اخلاقی زبوں حالی کی آپ کے پاس کیا توجیہہ ہے۔ اس سوال کا ان کے پاس جواب یہ ہے کہ ماضی کے اقدامات ناکافی تھے یا یہ کہ ان پر مخلصانہ انداز میں عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ اب جہاں تک اسلامی اقدامات کے ناکافی ہونے کا تعلق ہے تو سوال یہ ہے کہ کتنے اقدامات کو کافی تصور کیا جائے گا، اس کا جواب ہر مذہبی حلقے کے پاس الگ ہوگا۔ پھر ان اقدامات پر عمل درآمد کرنے کے لیے اخلاص کی جو شرط ہے، وہ اپنی جگہ درست تو ہے مگر ہمارا کون سا مذہبی حلقہ یا جماعت ہے جو اپنے سوا کسی دوسرے حلقے یا جماعت کے اندر اخلاص کا اعتراف کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تان بالآخر اسی بات پر آ کر ٹوٹتی

ہے کہ اسلامی نظام کے ہر مدعی کے نزدیک اس کا قیام صرف اسی وقت ممکن ہے جب عنانِ اقتدار اُس کے اپنے ہاتھ میں ہو۔

اوپر کی گفتگو کا حاصلِ کلام یہ ہے کہ گزشتہ تقریباً چھ عشروں میں ملک کو جس ڈگر پر اور جن نظریاتی نسخوں پر چلایا گیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ناکامی کو ظاہر کر چکے ہیں۔ بہت اچھا ہو کہ ہم ان تمام اُمور کو غیر جذباتی انداز میں اور حقیقت شناس نظروں سے دیکھیں اور ان کے بارے میں عقلِ سلیم سے فیصلہ کریں۔ مناسب ہوگا کہ یہ دیکھا جائے کہ ملک کے نظریاتی تشخص کو متعین کرنے کی خاطر جس قسم کے دعوے اور اقدامات کیے گئے وہ منطقی اعتبار سے کتنے درست اور حقائق زمانہ سے کتنے مربوط تھے اور یہ کہ پاکستان کو مستقل نظریاتی خلجان کی کیفیت سے نکالنے کے لیے ہمیں کن بنیادی حقائق کا ادراک ہونا چاہیے۔ ان اُمور کا جائزہ لینے کے لیے ناگزیر طور پر ہمیں قیامِ پاکستان کے حقیقی تناظر اور آزادی کے بعد کے سماجی و سیاسی تقاضوں کو سمجھنا ہوگا۔

یہ درست ہے کہ مطالبۂ پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریے پر رکھی گئی تھی۔ مسلم لیگ کی دستاویزات اور قائداعظم کے بیانات اس اَمر پر شاہد ہیں کہ ان کے نزدیک دو قومی نظریہ ایک سیاسی موقف تھا جو مسلمانوں کے حقوق کو یقینی بنانے کے عمل میں ایک خاص مرحلے پر اختیار کیا گیا۔ جس دور میں مطالبۂ پاکستان پیش کیا گیا، یہ قوموں کی حقِ خودارادی کا دور تھا اور قومی اقتدارِ اعلیٰ کا تصور بین الاقوامی سطح پر پذیرائی حاصل کر رہا تھا۔ سو قائداعظم موجود سیاسی تصورات اور سیاسی تشکیلات ہی میں سے ایک تصور اور ایک تشکیل کا سہارا لے رہے تھے۔ ایسا کرنے سے پہلے انہوں نے ہندوستان کی وحدت کے دائرے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کی بازیافت کی حتیٰ الامکان کوشش کی۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر قرار پائے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے جداگانہ انتخابات کے اُس اصول سے بھی دستبردار ہونے کی پیشکش کی جو مسلم لیگ کے قیام کا ایک مقصد تھا۔ سائمن کمیشن کی آمد کے موقع پر انہوں نے چاہا کہ مسلم لیگ اور کانگریس ایک مشترکہ موقف اختیار کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ ۱۹۳۷ء کے بعد جب دو قومی نظریے پر زور دیا جانا شروع ہوا تو اس کے بعد بھی متحدہ ہندوستان کے دائرے میں کسی قسم کی افہام و تفہیم کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش جاری رہی۔ قراردادِ لاہور میں ہندو مسلم مسئلے کا جو حل تجویز کیا گیا وہ ایک ہندوستانی آئین کے ڈھانچے ہی میں رہتے ہوئے پیش کیا گیا تھا۔ کرپس مشن پر لیگ کے ردِعمل اور کیبنٹ مشن

پلان کے حوالے سے لیگ کے ابتدائی فیصلے سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ لیگ اور قائداعظم آخر وقت تک کسی ایسے لائحہ عمل کے متلاشی رہے جو تقسیم کے بغیر مسلمانوں کو سیاسی طور پر تحفظ کی ضمانت فراہم کر سکے۔

دوقومی نظریہ پیش کرتے وقت قائداعظم دراصل سیاسی ارتقا کے ایک خاص مرحلے میں ہندوستان کی ایک اقلیت کی ثقافتی شناخت کو اس کی سیاسی تجسیم یا group formation کا وسیلہ بنا رہے تھے۔ دنیا کی نسلی (ethnic) سیاست میں یہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ایسی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں ثقافتی شناختیں سیاسی گروہ سازی کے لیے استعمال کی گئیں۔

ایسا کرتے وقت قائداعظم نہ تو کسی مذہبی عصبیت سے کام لے رہے تھے اور نہ ہی وہ ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی برتری کا دعویٰ کر رہے تھے۔ ان کا موقف صرف اتنا تھا کہ مسلمان اور ہندو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

> 'I assure you that I have respect for the great Hindu community and all that it stands for. They have their faiths, their philosophy, their great culture; so have the Muslims, but the two are different.... I am fighting for Pakistan because it is the only practical solution for solving the problem, and the other ideal of a united India and a rule based on the parliamentary system of government is a vain dream and an impossiblity.'[1]

(ترجمہ:) 'میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عظیم ہندو کمیونٹی اور جن چیزوں کی وہ علمبردار ہے، اُن کی نسبت میں بڑے احترام کے جذبات رکھتا

ہوں۔ اُن کے اپنے عقائد ہیں، اپنا فلسفہ ہے، اپنی عظیم تہذیب ہے۔ مسلمانوں کے پاس بھی یہ سب کچھ ہے۔ مگر دونوں مختلف ہیں۔۔۔ میں پاکستان کے لیے لڑ رہا ہوں کیونکہ یہی واحد عملی حل ہے مسئلے کا۔ اور دوسرا، متحدہ ہندوستان کا آئیڈیل اور پارلیمانی طرزِ جمہوریت کی بنیاد پر حکومت سازی ایک لاحاصل خواب اور ایک ناممکن شے ہے۔'

قائداعظم مذہبی متاقشوں سے دُور رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کے آغاز میں ہی مسلمان اقلیت کے حقوق کی وکالت کی ذمے داری سنبھال لی تھی مگر 'ایک مذہبی اقلیت کے حقوق کی حمایت' اور 'مذہبی سیاست' میں جو فرق ہے وہ ان کے ہاں واضح تھا۔ قائداعظم نے تحریکِ خلافت میں حصہ لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ:

'Sentimental nonsense and emotions have no place in politics.'[2]

(ترجمہ:) 'سیاست میں رقت آمیز لغویات اور جذباتیت کی کوئی جگہ نہیں۔'

اسی طرح مطالبۂ پاکستان پیش کیے جانے کے بعد ایک موقع پر انہوں نے کہا:

'What are we fighting for. What are we aiming at. It is not theocracy, not for a theocratic state. Religion is there and religion is dear to us. All the worldly goods are nothing to us when we talk of religion; but there are other things which are very vital — our social life, our economic life. But without political power how can you defend your faith and your economic life.'[3]

(ترجمہ) 'ہم کس لیے لڑ رہے ہیں۔ ہمارا ہدف کیا ہے۔ یہ کوئی الوہی مملکت نہیں ہے۔ ہم مذہبی ریاست کے لیے نہیں لڑ رہے۔ ہاں، مذہب

ہے اور مذہب ہمیں عزیز ہے۔ مگر اور بھی چیزیں ہیں جو بہت اہم اور ناگزیر ہیں۔۔۔ ہماری سماجی زندگی ہے، ہماری اقتصادی زندگی ہے۔ مگر سیاسی طاقت کے بغیر آپ اپنے عقیدے اور اقتصادی زندگی کو کس طرح محفوظ بنا سکتے ہیں۔'

۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ہندو لیڈروں کے اس پروپیگنڈے پر سخت تنقید کی کہ مجوزہ مملکتِ پاکستان میں اقلیتیں اُمورِ مملکت سے باہر رکھی جائیں گی۔ انہوں نے پرانے کانگریسی لیڈر اور ایک سابق وزیر داخلہ مسٹر منشی کے الزامات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ پاکستان کے بارے میں یہ افترا سازی کر رہے ہیں کہ:

'The State under the Pakistan scheme would not be a civil government responsible to a compsite legislature consisting of all communities, but a religious State pledged to rule according to the teachings of that religion thus by implication excluding all others not following that religion from a share in the government.'[4]

(ترجمہ) 'پاکستان میں ریاست ایک ایسی سول حکومت کی حامل نہیں ہوگی جو تمام کمیونیٹیز کی نمائندہ مقننہ کے سامنے جوابدہ ہو، بلکہ یہ ایک مذہبی ریاست ہوگی جو اپنے مذہب کی تعلیمات پر چلے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وہ لوگ جو اس مذہب کے پیروکار نہیں ہوں گے، حکومت میں حصے کے حقدار نہیں ہو سکیں گے۔'

قائداعظم نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ:

'Is it not an incitement to the Sikhs and Hindus? Telling them that it would be a

religion State excluding them from all power, is entirely untrue.... They are like brothers to us and would be the citizens for the State.'[5]

(ترجمہ) 'کیا یہ ہندوؤں اور سکھوں کو بہکانے کی کوشش نہیں ہے۔ ان کو یہ بتایا جانا کہ یہ (پاکستان) ایک مذہبی ریاست ہوگی جس میں انہیں حکومت و اقتدار سے الگ رکھا جائے گا، کھلا جھوٹ ہے۔۔۔ وہ (ہندو اور سکھ) ہمارے بھائیوں کی طرح ہیں اور وہ ریاست کے شہری بن کر رہیں گے۔'

پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے بھی قائداعظم کے ذہن میں کوئی جھول نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں 'اسلامی نظام' اور 'اسلامی ریاست' کی اصطلاحیں ضرور استعمال کیں لیکن ایسا کرتے وقت ان کے ذہن میں کسی پاپائیت کا تصور نہیں تھا۔ وہ پاکستان کو ایک جدید مملکت دیکھنا چاہتے تھے۔ اس جدید مملکت کے نظام کے حوالے سے انہوں نے اکثر اپنے خیالات بھی ظاہر کیے۔ جو لوگ قائداعظم کی تقاریر میں 'اسلامی ریاست' کی اصطلاح کو لے کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ویسی ہی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جیسی ہماری مذہبی جماعتوں کے ذہن میں ہے، وہ نہ تو اس بات کا شافی جواب دے سکتے ہیں کہ پھر مذہبی جماعتوں نے تحریکِ پاکستان کا ساتھ کیوں نہیں دیا اور نہ ہی اس بات کا جواب ان کے پاس ہے کہ قائداعظم نے مغربی پارلیمانی جمہوریت اور وفاقی طرزِ حکومت کی جو وکالت کی وہ اسلامی تاریخ سے کیا نسبت رکھتی تھی۔ قائداعظم نے تو مارچ ۱۹۴۸ء میں چٹاگانگ میں ایک تقریر میں پاکستان میں سماجی انصاف کے لیے 'اسلامی سوشلزم' کی اصطلاح بھی استعمال کی۔ اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء کو رائٹر کے نمائندے ڈون کیمپبل (Doon Campbell) کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں قائداعظم نے کہا:

'...the government of Pakistan can only be popular representative and democratic form of government. Its parliament and cabinet

responsible to the parliament will both be finally responsible to the electorate and the people in general without any distinction of caste, creed or sect, who will be the final deciding factor with regard to the policy and programme of the government that may be adopted from time to time.'[6]

(ترجمہ) 'پاکستان کی حکومت صرف ایک عوام کی نمائندہ اور جمہوری حکومت ہی ہوسکتی ہے۔اس کی پارلیمنٹ اور پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ کابینہ دونوں بالآخر رائے دہندگان اور عام شہریوں کے سامنے بغیر کسی ذات، مسلک اور فرقے کے امتیاز کے جوابدہ ہوں گے۔عوام ہی مختلف اوقات میں اختیار کردہ حکومتی پالیسیوں اور منصوبوں کے بارے میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھیں گے۔'

مذکورہ بالا بیان سے بالکل واضح ہے کہ قائداعظم کا 'اسلامی ریاست' کا تصور کیا تھا۔وہ اقتدارِ اعلیٰ کو عوام سے منسوب کرتے ہیں، نا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے۔قائداعظم ایسا اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے مالک ومختار ہونے کا جو اعلان ہے وہ ریاست یا سیاست کے تناظر میں نہیں ہے۔قرآن اور اسلام معاشرہ سازی اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے تعلیمات اور ہدایت فراہم کرتے ہیں۔وہ کسی ریاست کی نقشہ گری نہیں کرتے اور نہ ہی ریاست کا کوئی 'نظام' فراہم کرتے ہیں۔یہ نظام تو معاشرے اور اس میں بسنے والوں کے وضع کرنے کی چیز ہے۔قائداعظم کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اقتدارِ اعلیٰ کا نظریہ ایک سیاسی نظریہ ہے جس کو مغربی سیاسی مفکرین نے وضع کیا ہے۔قائداعظم کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اقتدارِ اعلیٰ کے اس نظریے کو عہدِ وسطیٰ کی مختلف مغربی ریاستوں میں کس طور برتا گیا اور قومی ریاستوں کے وجود میں آنے کے بعد اس کو کس طرح جمہوری ریاستوں کے لیے ناگزیر تصور کیا گیا۔وہ جب 'اسلامی ریاست' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ علماء کی بیان کردہ 'اسلامی ریاست' کی بات نہیں

کرتے بلکہ ایک ایسی 'اسلامی ریاست' کی بات کرتے ہیں جس کا اقتدارِ اعلیٰ شہریوں کے پاس ہوگا جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہوں گے۔ اب علماء اس ریاست کو جو بھی نام دیں، قائداعظم کی 'اسلامی ریاست' تو یہی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ دوقومی نظریہ قیامِ پاکستان کے بعد برمحل اور relevent ہے یا نہیں، اس سلسلے میں ساری بحث اس مفروضے پر اٹھائی گئی ہے کہ گویا نظریے مقصود بالذات ہوتے ہیں، وہ راستہ متعین کرتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمیشہ سے ہوتے ہیں اور ہمیشہ رہتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ سیاسی تصورات، سیاسی تناظر سے اٹھتے ہیں اور سیاسی تناظر بدلنے کے ساتھ ان کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ ان کا ایک خاص وقت میں متعلق یا غیر متعلق ہونا مخصوص تناظر سے منسوب ہوتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد دوقومی نظریے کا تسلسل خود پاکستان میں بھی یہاں کی کسی اقلیت کی جانب سے علیحدہ مملکت کے مطالبے پر منتج ہوسکتا تھا۔ یہ محض مفروضہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سابقہ مشرقی پاکستان جب تک الگ نہیں ہوا تھا، پاکستان میں مجموعی طور پر ہندو ایک معتدبہ اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے اور پھر تعداد کی کیا بات ہے اگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں پہلے مسلمان کی آمد کے ساتھ ہی پاکستان قائم ہو چکا تھا تو خود پاکستان میں کسی ایک ہندو یا عیسائی کی موجودگی کو نظری طور پر ہندوؤں اور عیسائیوں کی علیحدہ مملکتوں کی تخم ریزی کی بنیاد بنایا جاسکتا تھا۔

قائداعظم سے زیادہ اس حقیقت سے کون واقف ہوسکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر میں مذکورہ بالا امکان کا سدباب کرتے ہوئے ایک پاکستانی قوم کا تصور پیش کیا۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا کہ:

> 'All the same, in this division it was impossible to avoid the question of minorities being in one Dominion or the other. Now that was unavoidable. There is no other solution. Now what shall we do? Now, if we want to make this great State of Pakistan happy and

prosperous we should wholly and solely concentrate on the well-being of the people, and especially of the masses and the poor. If you will work in co-operation, forgetting the past, burying the hatchet you are bound to succeed.'[7]

(ترجمہ) 'بایں ہمہ اس تقسیم میں کسی ایک مملکت میں یا دوسری مملکت میں اقلیتوں کا وجود ناگزیر تھا۔ اس سے مفر نہیں تھا۔ اسکا بھی کوئی اور حل نہیں تھا۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ اگر آپ اپنا رویہ تبدیل کر لیں اور مل جل کر اس جذبے سے کام کریں کہ آپ میں سے ہر شخص خواہ وہ اس ملک کا پہلا شہری ہے یا دوسرا یا آخری، سب کے حقوق و مراعات اور فرائض مساوی ہیں، قطع نظر اس سے کہ کس کا کس فرقے سے تعلق ہے اور ماضی میں اس کے آپ کے ساتھ کس نوعیت کے تعلقات تھے اور اس کا رنگ و نسل یا عقیدہ کیا ہے تو آپ جس قدر ترقی کریں گے اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔'

آگے چل کر قائداعظم نے فرمایا کہ:

'We should begin to work in that spirit and in course of time all these angularities of the majority and minority communities... will vanish.... You are free; you are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to any other places of worship in this State of Pakistan. You may belong to any religion or caste or creed — that has nothing to do with the business of the State.'[8]

(ترجمہ) 'ہمیں اس جذبے کے ساتھ کام کرنا شروع کر دینا چاہیے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ اکثریت اور اقلیت، ہندو فرقے اور مسلمان فرقے کے یہ چند در چند زاویے معدوم ہو جائیں گے۔ اب آپ آزاد ہیں، اس مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جائیں، اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ آپ کا کسی مذہب، ذات پات یا عقیدے سے تعلق ہو، کاروبارِ مملکت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔'

قائداعظم نے مزید فرمایا:

'Now, I think we should keep that in front of us as our ideal and you will find that in course of time Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the State.'[9]

(ترجمہ) 'میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا، نہ مسلمان، مسلمان۔ مذہبی اعتبار سے نہیں، کیونکہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔'

قائداعظم کی ۱۱ اگست کی تقریر ان حلقوں کو بہت گراں محسوس ہوتی ہے جو پاکستان کو ایک مذہبی اور فی الواقع مذہبی طبقے کی بالادستی کی حامل ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ اس تقریر میں کیونکہ قائداعظم نے کسی رورعایت کے بغیر ایک ایسے تصورِ ریاست کی نفی کر دی تھی جو مذہبی بنیادوں پر شہریوں میں تخصیص کرتی ہو، لہٰذا ہمارے ملک میں اس تقریر کی اہمیت کو کم کرنے کے

لیے طرح طرح کی تاویلیں کی جاتی رہی ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تقریر تقسیم کے نتیجے میں شروع ہونے والے ہندو مسلم فسادات کے تناظر میں، بھپرے ہوئے جذبات کو کنٹرول کرنے کی غرض سے کی گئی تھی۔ کبھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کا مقصد محض اقلیتوں کے اعتماد کو بحال کرنا تھا۔ ایک خیال یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد کی قائداعظم کی تقاریر کے تناظر میں اس تقریر کو دیکھا جائے تو یہ بقیہ تقاریر اور مواقف سے بہت ہٹی ہوئی نظر آتی ہے اور کیونکہ اس تقریر میں اختیار کردہ موقف نہ تو اس سے پہلے اور نہ ہی اس کے بعد اختیار کیا گیا، لہٰذا اس کو ایک استثنیٰ اور ایک وقتی چیز ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

ہماری دانست میں اس تقریر کو صرف تقسیم ہند کے وقت کے ہیجان انگیز واقعات کے تناظر میں دیکھنا قرین انصاف نہیں ہے۔ یقیناً جزوی طور سے اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کیا جا سکے اور آگ کے شعلوں پر پانی ڈالا جا سکے تاہم اس تقریر کو تمام تر اسی ایک منصد تک محدود کر دینا اس کی گہرائی اور گیرائی سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کی یہ تقریر اپنے مافیہ (content)، اپنے دلائل اور جس تاریخی بصیرت کا اس میں اظہار ہوا ہے، اس کے حوالے سے ایک بہت سوچی سمجھی تقریر نظر آتی ہے۔ اس میں برصغیر بلکہ ہمعصر دنیا کے حوالے سے جناح کی سوچ اور مشاہدے کا نچوڑ سمٹ آیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس میں متحدہ ہندوستان کے اندر انگریزی اقتدار کے قیام کے بعد جس ہندو مسلم سیاسی آویزش کا آغاز ہوا تھا، اُس پر جناح کے طرزِ فکر کا خود ان کے الفاظ میں اظہار ہوا ہے۔ جناح کا یہ طرزِ فکر سیاسی نکتہ آفرینی کی ایک مثال ہے۔ واضح رہے کہ وہ سیاسی تصورات جو مغرب میں روبہ عمل تھے ان کا ہندوستان کے حالات پر انطباق کرنے سے کس قسم کے نتائج نکل سکتے تھے، اپنے سیاسی کیریئر میں جناح ان کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ مثلاً جمہوریت کو اس کی مجرّد شکل میں اگر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں نسلی اور ثقافتی اور لسانی تنوعات یورپ کے کسی ایک ملک کے اندر پائے جانے والے تنوعات سے کہیں زیادہ تھے، اس قسم کا نتیجہ نکل سکتا تھا کہ بعض ثقافتی وحدتیں دوسری ثقافتی وحدتوں کے مقابلے میں محض اپنی عددی برتری کی بنیاد پر سیاسی فوقیت حاصل کر لیتیں اور پھر یہ سیاسی فوقیت ایک مستقل سیاسی اور قانونی حقیقت بن جاتی۔ جناح اس وجہ سے جمہوریت کے مخالف نہیں ہو گئے بلکہ انہوں نے اس احتمال کا سدِ باب کرنے کی خاطر ایک راستہ بھی تجویز کیا

اور یہ راستہ کوئی نیا راستہ بھی نہیں تھا بلکہ دنیا کے بعض دوسرے جمہوری معاشروں میں اس کو پہلے ہی اختیار کیا جا چکا تھا اور وہ راستہ ثقافتی اقلیتوں کے لیے تحفظات کے حصول کا راستہ تھا۔

جناح ہندوستان میں نہ تو کوئی مذہبی جنگ لڑ رہے تھے اور نہ ہی وہ ایک مذہب کے مقابلے میں دوسرے مذہب کی برتری یا کمتری ثابت کرنے کے مشن پر نکلے تھے۔ یہ چیز نہ تو ان کے نظریاتی رجحانات کا حصہ تھی اور نہ ہی ان کے مزاج سے مطابقت رکھتی تھی۔ وہ تو عملی حقائق کی دنیا کے ایک معاملہ فہم انسان کی حیثیت سے ایک سیاسی تنازعے کو حل کرنے کے سیاسی اور قانونی راستے سوچ رہے تھے۔ انہوں نے جب اس سیاسی کشمکش میں اور حقوق اور تحفظات کے حصول کی مہم میں مسلمانوں کو ایک سیاسی وحدت کے قالب میں ڈھلا ہوا دکھانے کے لیے ان کی ثقافتی اور مذہبی شناخت کا سہارا لیا تو گویا انہوں نے ایک سیاسی اقدام ہی کیا جس کو کرنے کے وہ دوسروں کے مقابلے میں شاید زیادہ اہل تھے کیونکہ جدید سیاسی معاشروں کا مطالعہ اور مشاہدہ انہوں نے خاصی چابکدستی کے ساتھ کیا تھا اور ان معاشروں کے کتابی علم پر بھی ان کی خاطر خواہ نظر تھی۔

جناح کی ۱۱/اگست کی تقریر کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ان کے اس سے قبل اور بعد کے بیانات سے ہٹی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کی حیثیت ایک استثناء کی ہے، غلط اور غیر منطقی ہے۔ ان بیانات میں بظاہر نظر آنے والے تضاد کا حل یہ نہیں ہے کہ ایک طرح کے بیانات کو قبول کر کے دوسری طرح کے بیانات کو رَد کر دیا جائے یا ان کی من مانی تعبیر نکالی جائے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ان بیانات میں کوئی مطابقت اور منطقی ربط موجود ہے تو اُس کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ ۱۱/اگست کی تقریر کے حوالے سے بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی باقی ماندہ تقاریر اور بیانات اور پھر زیر بحث تقریر کے درمیان اگر کوئی منطقی ربط اور مطابقت موجود ہے تو اُس کو تلاش کیا جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مطابقت تلاش کی جا سکتی ہے۔ ۱۱/اگست کی تقریر کیونکہ ایک طویل سفر کے اختتام پر کی جانے والی تقریر تھی لہٰذا اس کی روشنی میں پچھلے بیانات کی تشریح کی جانی چاہیے۔ اگر ایسا کریں تو جناح کی مجموعی سوچ کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ وہ متحدہ ہندوستان اور متحدہ قومیت کے بہت بڑے علمبردار تھے مگر پھر انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ متحدہ قومیت اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتی جب تک کہ قوم کا ایک حصہ دوسرے حصے کے مقابلے میں پست و پسماندہ ہو۔ سو انہوں نے اس پچھڑے ہوئے حصے کے لیے حقوق کی بازیافت کی مہم شروع کی۔ اس میں

کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے سیاسی اور قانونی جنگ کو تیز تر کرتے ہوئے اپنے مطالبات میں مزید اضافہ کیا۔ فریق مخالف کی طرف سے کسی مفاہمت پر آمادگی ظاہر نہ کرنے پر انہوں نے قوم اور قومیت کی اصطلاحوں کو استعمال کرنا شروع کیا اور پھر اپنے دور کے مشہور زمانہ تصور یعنی حق خود اختیاری کے نظریئے کا سہارا لیتے ہوئے اپنی بات کو مزید آگے بڑھایا۔ ان تمام مراحل میں انہوں نے مفاہمت کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں کیا بلکہ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن پلان کے مرحلے تک ان کی طرف سے افہام وتفہیم کے راستے کسی نہ کسی صورت میں کھلے رکھے گئے۔ قیامِ پاکستان پر جناح نے اس پورے سیاسی سفر کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستقبل کے امکانات پر غور کیا۔ ۱۱ اگست کی تقریر میں انہوں نے یہی کہا کہ اگر ہمیں پاکستان کو ایک قوم بنانا ہے تو ہمیں ماضی سے سبق سیکھنا چاہیے اور اکثریت اور اقلیت کے زاویوں سے بلند ہو کر تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ایک قومی وحدت میں پرو دینا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں جو چیز متحدہ ہندوستان میں نہیں ہو سکی اس کا خواب انہوں نے پاکستان میں دیکھا اور اس خواب کی تعبیر میں ان کو پاکستان کی تشکیل کا مقصد اور اس کی بقا کا راز مضمر نظر آیا۔ جناح کا اگر کوئی نظریۂ پاکستان تھا تو وہ یہی وسیع المشرب اور کثیر المذاہب نظریۂ پاکستان تھا۔

ہمارے یہاں اسلام کو نظریۂ پاکستان قرار دینے کا آغاز زیادہ مربوط اور منظّم انداز سے جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دوران ہوا جب ان کے وزیر اطلاعات ونشریات جنرل نوابزادہ شیر علی خان نے اس نظریاتی مہم کا آغاز کیا۔ بعدازاں یہ تصور زیادہ سے زیادہ مشتہر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ضیاالحق کے زمانے میں حکومت نے اس کا زیادہ بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ ریاست کی سیاسی واقتصادی، دفاعی اور خارجہ پالیسیاں مرتب کرتے وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھا گیا کہ ان سب کو ایک نظریاتی رنگ اور آہنگ فراہم کیا جائے۔ خاص طور سے تعلیمی نصاب اس نظریے کی تشہیر کا ذریعہ بنا۔ یہاں تک کہ نظریۂ پاکستان اب ایک کلیشے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

کسی ریاست کا ایک نظریے کا مدعی ہونا کوئی ایسی بات نہیں جو پاکستان سے مخصوص ہو۔ سب ہی ریاستیں کسی نہ کسی نظریے کا سہارا لیتی ہیں۔ اشتراکی ریاستیں بھی نظریاتی ریاستیں تھیں اور سرمایہ دار ریاستیں بھی نظریوں سے محروم نہیں ہیں۔ نظریے، سیاسی تشکیل (constructs)

ہوتے ہیں اور ان کو ریاستیں اپنے استحقاق کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ریاستیں، گو کہ معاشرتی ضرورت کے طور پر وجود میں آتی ہیں، مگر کوئی ریاست پورے معاشرے کے مفادات کی یکساں طور پر نمائندگی نہیں کرتی بلکہ ہر ریاست معاشرے کے مخصوص طبقات کو بقیہ معاشرے پر فوقیت دیتی ہے۔ ریاستوں کے قوانین بظاہر یکساں ہونے کے باوجود کسی نہ کسی سطح پر امتیاز کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ ایسا نہ بھی ہو تب بھی قوانین سے سب ہی شہری یکساں طور پر مستفید ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جو چیز ریاستی قوانین کے حوالے سے بیان کی گئی ہے اُسی کا عمل دخل ریاستی پالیسیوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ حقائق اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ریاستیں باوجود اس دعوے کے کہ وہ شہریوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں، عملاً ایسا نہیں ہوتا اور یوں وسیع تر معاشرے اور ریاست کے درمیان ایک طرح کا فاصلہ، ایک طرح کا بُعد موجود رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بُعد کی موجودگی میں ریاست خود کو سب شہریوں کے لیے کس طرح قابلِ قبول بنائے۔ یہاں 'نظریے' کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ 'نظریے' ریاست کو استحقاق فراہم کرتے ہیں۔ سو امریکہ میں امریکی نیشنلزم اور American values کا ذکر ہوتا ہے، برطانیہ میں British nationalism کا دعویٰ کیا جاتا ہے، سیکولر ریاستیں، سیکولرازم کو اپنا نظریہ قرار دیتی ہیں۔

گزشتہ دو ڈھائی سو سال سے، اور خاص طور سے بیسویں صدی کے آغاز کے بعد سے قومی ریاستوں (nation states) کا دور دورہ ہے۔ ان میں سے ہر ریاست اپنے جداگانہ قومی تشخص (nationalism) کی مدعی نظر آتی ہے۔ قومی ریاستوں کے اپنے مسائل اور تضادات بھی ہوتے ہیں۔ اِن ریاستوں میں بھی مختلف قسم کے امتیازات (discriminations) پائے جا سکتے ہیں مثلاً طبقاتی اور صنفی تفریق ان میں بھی موجود ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہے، مگر یہ ریاستیں کم از کم دستوری طور پر شہریوں کی برابری کی علمبردار ضرور ہوتی ہیں اور سیاسی اور جمہوری اعتبار سے ترقی یافتہ قومی ریاستوں نے خواتین کے حقوق اور بعض نمایاں شہری آزادیوں کو یقینی بنانے کے نقطۂ نظر سے کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ ان ریاستوں میں مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف مذاہب کے حامل افراد ایک قوم کے قالب میں ڈھل گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں ایک قومی ریاست اور ایک پاکستانی قوم کیوں تشکیل نہ

پاسکی، پاکستان اپنے لیے ایک قومی نظریہ کیوں تشکیل نہ دے سکا اور اسلام کو نظریۂ پاکستان قرار دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں قومی ریاستیں جن سماجی حالات کا نتیجہ تھیں، وہ حالات ہمارے یہاں موجود نہیں تھے۔ وہ سماجی طبقے جو قومی ریاستیں بناتے ہیں وہ پاکستان میں ناپید تھے یا بہت کمزور تھے۔ دنیا میں قومی ریاستیں اولاً اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کی وساطت سے قائم ہوئیں۔ یہ طبقہ فیوڈل تسلط سے نبرد آزما تھا۔ سو اس نے کسی نہ کسی حد تک جمہور اور عوام کو اپنا حلیف بنا کر نئی طرز کی قوم سازی کی۔ ہمارے یہاں آغاز سے فیوڈل ازم کی کارفرمائی رہی۔ پھر جو بھی مقتدر طبقے ہمارے یہاں تھے خواہ وہ فیوڈل طبقہ ہو یا مختصر سا مقامی سرمایہ دار طبقہ، یہ انگریز کے زمانے سے ریاستی اداروں کی خوشنودی کے مرہونِ منت تھے۔ ان میں اپنی توانائی اور قوت نہیں تھی۔ ریاستی اقتدار پر تصرف سول اور فوجی افسر شاہی کا تھا۔ یہی افسر شاہی آزادی کے بعد سے پاکستان پر حکمرانی کرتی چلی آ رہی ہے۔ موجودہ نظریۂ پاکستان اسی کی بنائی ہوئی آئیڈیالوجی ہے۔

نظریۂ پاکستان یا اسلامی آئیڈیالوجی کو سول و ملٹری بیوروکریسی اپنی بالادستی کو اخلاقی جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر فوجی آمریت کو علماء کے کسی نہ کسی طبقے نے اسلام کی طرف سے ضروری سند اور اخلاقی جواز کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ ایوب خان کو 'اولی الامر' قرار دیا گیا۔ پھر ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخاب کے موقع پر جبکہ ایک طرف اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے ایوب خان تھے اور ان کے مقابلے میں حزبِ اختلاف کی جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو اپنا نمائندہ بنایا تھا، اور یہ مقابلہ صاف طور سے آمریت کے تسلسل اور جمہوریت کی بحالی کے درمیان انتخاب کا مسئلہ تھا، بعض علماء نے عورت کی حکمرانی کی بحث شروع کر دی۔ ان علماء نے یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ ایک اسلامی ریاست میں عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ حکومتِ وقت نے علماء کے اس فیصلے کی خوب تشہیر کی۔ مذہبی حلقوں میں بہت اہم سمجھے جانے والے ایک عالم، مولانا امین احسن اصلاحی کے اس موقع پر لکھے گئے مضامین کو حکومت نے لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا اور ان مضامین پر مشتمل پمفلٹ اور ہینڈ بل جہازوں کے ذریعے گرائے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ پہنچ سکیں۔[۱۰]

پاکستان کے تیسرے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دورِ آمریت میں حکومت نے تو اسلام کا نام بے دریغ طریقے سے استعمال کیا ہی، خود علماء اور مشائخ کے ایک وسیع حلقے نے اُن کو اپنی تائید بھی فراہم کی۔ چنانچہ بڑھ چڑھ کر جنرل ضیاء الحق کی نامزد کردہ 'مجلسِ شوریٰ' میں شامل ہوئے، انہوں نے فوجی آمریت کے اقدامات کے لیے مذہبی تاویلیں تلاش کیں۔ مثلاً ضیاالحق کے مارشل لاء کو اسلامی سند فراہم کرتے ہوئے مولانا محمد مالک کاندھلوی (رکن مجلسِ شوریٰ ۱۹۸۳ء) نے یہ نکتہ آفرینی کی کہ شرعاً مارشل لاء پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ:

> 'اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مارشل لاء اسی چیز کے لیے لایا جاتا ہے جب ایسی حالت ملک میں واقع ہو رہی ہو کہ جس سے ملک کی بقا اور سالمیت خطرے میں پڑ رہی ہو تو یقیناً ان حالات کو دُور کرنے کے لیے اور ان عناصر کی سرکوبی کے لیے مارشل لاء ضروری ہے اور اس پر کوئی اعتراض عقلاً اور شرعاً درست نہیں ہوگا۔ حضرت صدیقؓ کے زمانے میں اس نہج کی بات پیش آئی ہے اس کو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی ایک مارشل لاء ہی تھا۔۔۔ اور پہلا مارشل لاء تھا جس وقت کہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا تو ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اوپر فوج روانہ فرمائی تو معلوم ہوا کہ فوجی قوت کے ساتھ ان کی سرکوبی کی گئی، ان کو اسلام کے خلاف بغاوت سے روکا گیا، اسلام کے خلاف بغاوت ملک کی بغاوت تھی تو اس سے بہتر مثال تاریخ میں نہیں ہو سکتی۔' [11]

جنرل پرویز مشرف پر، جو ملک کی صدارت کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ برّی افواج کے سربراہ بھی ہیں، حزبِ اختلاف کی طرف سے مستقلاً تنقید کی جاتی ہے کہ وہ بیک وقت دو منصب رکھ کر آئین اور جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ صدر کے وردی میں رہنے یا نہ رہنے کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سینیٹ میں ایک عالم دین علامہ عباس کمیلی نے کچھ عرصہ قبل یہ فتویٰ دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوردی حکمران تھے۔ سو جنرل مشرف اگر دو عہدوں پر فائز ہیں تو یہ کوئی غلط بات نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ تو اتباعِ سنت کی

ایک مثال ہے۔

آزادی کے بعد سے اب تک تقریباً چھ عشروں کی طویل مدت میں پاکستانی ریاست کے اقتدار پر فائز سول اور ملٹری بیوروکریسی نے اسلام کے نام پر اپنی حکمرانی کا جواز فراہم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ اس کو ملک کے مختلف حلقوں میں پائی جانے والی محرومیوں اور ناآسودگیوں کو دبانے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ ہماری حکمران اشرافیہ کے پاس ملک کے پیچ در پیچ اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا کوئی ایسا حل موجود نہیں جس سے عوام کی اکثریت کی فلاح اور معاشرے کی ہمہ جہت ترقی کا راستہ وا ہوتا ہو۔ یہ حکمران اشرافیہ جن اقتصادی نسخوں پر انحصار کرتی رہی ہے وہ عوام کی اکثریت کے مفاد کے نقطۂ نظر سے مسائل کے حل کے بجائے ان میں اضافے کا موجب بنتے رہے ہیں۔ ان نسخوں پر عمل درآمد کے نتیجے میں کچھ لوگوں کے ذاتی اور گروہی مفادات تو پورے ہوتے رہے ہیں مگر ایک عام شہری کی بہبود کا سامان نہیں ہوسکا ہے۔ آزادی کے چھ عشروں کے بعد بھی ملک شدید قسم کی طبقاتی تقسیم، صوبائی نابرابری اور علاقائی تضادات کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔ اقتدار کے حلقوں میں خالی خولی لفاظی اور ہوائی قسم کے دعوؤں کی بھرمار تو ہے مگر ملک کی غریب اکثریت کے ساتھ ذہنی و قلبی تعلق اور اس کی بہتری کے لیے کسی کمٹمنٹ کا دُور دُور تک کوئی نشان نہیں۔ دوسری طرف بے یارومددگار اور نیم خواندہ عوام کی اکثریت کو فرقہ پرست مولویوں اور انتہاپسند سیاسی تنظیموں کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے جو ان میں اپنے کارندے تلاش کرتی ہیں، ان کی محرومیوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ نتیجتاً فرقہ پرستی آج جس قدر مضبوط ہوچکی ہے اتنی اس سے پہلے نہیں تھی بلکہ اب تو فرقہ پرست تنظیموں کے پاس جدید ترین ہتھیار، الیکٹرانک مصنوعات اور یہاں تک کہ اپنے ریڈیو اسٹیشن تک ہیں جن کے ذریعے سے نفرت کا پیغام عام کیا جارہا ہے۔

اِدھر گزشتہ سات سال سے ملک اپنی تاریخ کے چوتھے فوجی اقتدار سے گزر رہا ہے۔ یہ چوتھا فوجی اقتدار ماضی کی فوجی آمریتوں سے، اور خاص طور سے جنرل ضیاء الحق کے دور سے اس حد تک مختلف نظر آتا ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے قدامت پسندی اور ذقیانوسی کا لبادہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے لیے جدید اور روشن خیال ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حکومت کے عمائدین اور خود جنرل پرویز مشرف بظاہر ایک لبرل طرزِ زندگی پر کاربند نظر آتے ہیں۔ جنرل مشرف کے اقتدار

میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد سرکاری سطح پر روشن خیال میانہ روی (Enlightened Moderation) کا ذکر زور وشور سے شروع ہوا اور خاص طور سے بین الاقوامی مجلسوں میں جنرل مشرف نے تکرار کے ساتھ اس تصور کا ذکر کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ان کی حکومت ملک کو روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی طرف لے جارہی ہے۔ مگر بغور دیکھا جائے تو ملک کی داخلی پالیسیوں کی حد تک ہمیں کوئی ٹھوس تبدیلی نظر نہیں آتی جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ ہماری پالیسیاں اب ماضی سے مختلف پیرائے میں بنائی جارہی ہیں۔ 'روشن خیال میانہ روی' ایک تصور کے طور پر بھی تشریح طلب ہے اور آج تک کسی نے اس تصور کی کوئی نظری وضاحت پیش نہیں کی۔ اس تصور کو ایک نعرے کے طور پر تو استعمال کیا جارہا ہے مگر اس کے مفہوم اور معنی کو متعین کرنے کے لیے اور اس کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی مضمرات کو واضح کرنے کے لیے آج تک کوئی نقشہ پیش نہیں کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ملک کے بنیادی سیاسی اور اقتصادی تضادات جوں کے توں موجود ہیں۔ ملک میں موجود فیوڈل نظام کا، یہ 'روشن خیال میانہ روی' بال بیکا نہیں کرسکی بلکہ موجودہ حکومت نے آغاز کار ہی میں یہ واضح کردیا تھا کہ اس کا زرعی اصلاحات نافذ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ آج ملک کے بیشتر بڑے جاگیردار اور فیوڈل عناصر حکومت میں شامل ہیں۔ 'روشن خیال میانہ روی' فرقہ پرستی کے جن کو بھی بوتل میں واپس بند نہیں کرسکی۔ چند بنیاد پرست تنظیمیں آج بھی حکومت کی حلیف ہیں۔ علاقائی اور لسانی گروہ بھی ماضی ہی کی طرح بلکہ بعض صورتوں میں ماضی سے بھی زیادہ سرکاری سرپرستی میں کام کررہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک میں ایک پائیدار اور قابلِ اعتبار جمہوری ڈھانچہ ہنوز غیر موجود ہے۔ حکومتِ وقت روشن خیالی کا ذکر جو اس قدر زور وشور سے کرتی ہے تو اس کا سبب بھی ملک کو تبدیل کرنے اور اسے واقعتاً روشن خیال بنانے کے بجائے مغربی طاقتوں کے لیے خود کو قابلِ قبول بنوانے کی خواہش ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں جب سرد جنگ کا دور دورہ تھا، امریکہ اور مغربی یورپ کو ہماری قدامت پسندی اور مذہب سے ہماری وابستگی کارآمد نظر آتی تھی کیونکہ ان کے وسیلے سے وہ ہم کو اشتراکی بلاک کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کبھی ہم مغرب کے ساتھ روحانی پُل تعمیر کرتے تھے، کبھی اپنے ملک کو فرنٹ لائن اسٹیٹ بنواتے تھے اور گیارہ سال تک ہم نے سی آئی اے (CIA) کے پیسے اور اس کی پشت پناہی سے روس کے خلاف وہ جنگ لڑی جس کو 'جہاد' کا نام دیا گیا۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اور خاص طور سے ۲۰۰۱ء میں

ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کے بعد امریکہ اور یورپ کو اب ہماری بنیاد پرستی، انتہا پسندی نظر آنے لگی ہے اور سب بنیاد پرست دہشت گرد قرار پائے ہیں۔ پاکستانی ریاست کے حکمرانوں نے بدلے ہوئے حالات میں اپنا نظریاتی چولا بھی بدل لیا ہے اور اب وہ نئے نعروں اور نئے لبادوں کے ساتھ سامنے آ گئے ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو ان کے ماضی کے اور حال کے کردار میں ایک منطقی ربط ہے۔ ماضی میں بھی وہ مغربی استعمار کے کل پرزے تھے اور اب بھی ان کا کردار کل پرزے کا ہی ہے۔ انہوں نے ماضی میں بھی پاکستان کو ایک تابع محض اور حاشیہ نشیں ریاست (client state) بنوایا تھا اور اب بھی وہ اس ریاست کے لیے یہی تشخص بحال کروائے ہوئے ہے۔ نتیجتاً ملک میں ساٹھ سال سے جاری تضادات بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور ملک کا نظریاتی بحران بھی برقرار ہے۔

پاکستان کا نظریاتی بحران ختم کس طرح ہو؟ اس سوال کا جواب مختصراً یہی ہو سکتا ہے کہ جب تک ملک کے بنیادی، اقتصادی اور سیاسی تضادات حل نہیں ہوتے، صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی۔ فوجی اور سول بیوروکریسی کے مقابلے میں سِول سوسائٹی کی بالادستی، ملک میں بامعنی اور مؤثر زرعی اصلاحات کا نفاذ، صوبوں کو مکمل صوبائی خودمختاری کی فراہمی، فوج اور افسر شاہی کی تعداد میں مؤثر کمی، تعلیم اور صحت کے لیے بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ، ایک غیر وابستہ اور امن کی جویا خارجہ پالیسی، خاص طور سے مغربی بلاک اور امریکہ کی کاسہ لیسی سے اجتناب اور حقیقی اور پائیدار جمہوری اداروں کا قیام ___ یہ وہ ناگزیر تقاضے ہیں جو پاکستان کو اس کی موجودہ روش سے مختلف سمت میں لے جا سکتے ہیں۔ ان تقاضوں کی تکمیل پر ہی ملک ایک جدید اور روشن خیال مملکت بن سکتا ہے اور اسی صورت میں ہمارا نظریاتی بحران بھی اپنے انجام کو پہنچ سکتا ہے۔

حوالہ جات

1) Waheed Ahmad (ed.), *The Nation's Voice*, Vol.VI (Karachi: Quaid-i-Azam Academy, 2002), pp.15-6.

2) M.A.H. Ispahani, *Quaid-e-Azam as I Knew Him* (Karachi: 1966), p.122.

3) Syed Sharifuddin Pirzada (ed.), *Foundations of Pakistan*, Vol.II (Karachi: Royal Book Co., 1990), p.523.

4) Jamil-ud-din Ahmad (ed.), *Speeches and Writings of Mr. Jinnah*, Vol.I (Lahore: Shaikh Mohammad Ashraf, 1968), p.326.

5) *Ibid.*

6) Waheed Ahmad (ed.), *op.cit.*, p.134.

7) Jamil-ud-din Ahmad (ed.), *op.cit.*, pp.402-04.

8) *Ibid.*

9) *Ibid.*

۱۰) ملاحظہ کیجیے: ۱۹۶۴ء کے الیکشن کے موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی کے مضامین مثلاً 'ارکانِ بنیادی جمہوریت سے چند گزارشات'، 'آزادانہ انتخابات'، 'صدارتی انتخابات میں صدر ایوب کی کامیابی' وغیرہ۔ مشمولہ امین احسن اصلاحی، 'مقالاتِ اصلاحی'، جلد دوم (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء)۔

۱۱) روزنامہ 'جنگ'، لاہور، جمعہ میگزین، ۲۶ راگست تا یکم ستمبر ۱۹۸۳ء

❁❁❁❁❁

مزارات کا معاشی پہلو

غافر شہزاد

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویریؒ نے حضرت ابوالحسن نوریؒ کے حوالے سے کیا خوب لکھا ہے۔(1)

''فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو سب کچھ خرچ کر دے اور یہ بھی فرمایا کہ موجودگی کے وقت مضطرب رہے۔''

یہ گیارہویں صدی کا زمانہ ہے جب کشف المحجوب تحریر کی گئی، فقر اور تمنا کے حوالے سے حضرت علی ہجویریؒ نے نہایت تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ اپنی زندگی میں کچھ اس طرح اس کی عملی تفسیر بنے رہے کہ آپ کے بعد آنے والے صوفیاء نے بھی اس کو خوب مقدم جانا اور عملی طور پر اپنایا۔ ہندوستان میں چشتی سلسلہ کی بنیاد رکھنے والے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حوالے سے سیر الاولیاء کا مصنف لکھتا ہے۔ ''جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ خدائے تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے اول سخاوت دریا کی طرح، دوسرے شفقت آفتاب کی طرح تیسرے تواضع زمین کی طرح۔''(2)

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء خصوصاً چشتی شخصی ملکیت کے سخت خلاف رہے اگرچہ ان کی درگاہوں پر سلاطین وقت سے لے کر نہایت غربت میں زندگی گزارنے والوں سے یکساں سلوک کیا جاتا رہا۔ ان درگاہوں پر جو کچھ بھی نذر نیاز کے طور پر پیش کیا جاتا، اسے فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیا بلکہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے بقول اگر شام سورج کے غروب سے پہلے درگاہ پر پیش کئے جانے والے نذرانہ جات تقسیم نہیں کر دیئے جاتے اس کا مطلب یہ ہے کہ صوفی کو اللہ پر توکل نہیں ہے کہ

کل طلوع ہونے والا سورج اس دن کی ضروریات کے لئے سب کچھ ساتھ لے کر آئے گا۔

شیخ نظام الدین اولیاء کسی کو بھی اپنی زندگی میں اس وقت تک مریدی میں نہ لیتے جب تک وہ اپنی کل ملکیت بیچ کر تمام دولت غرباء و مساکین میں تقسیم نہ کر دیتا یہ ایک لازم شرط تھی جس پر آپ نے کبھی سمجھوتہ نہ کیا اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہے ان برسوں میں صرف دو باتوں کی اجازت تھی ایک تو بغیر مانگی ہوئی امداد کو قبول کرنا اور دوسرا کاشت کاری کرنا، ملازمت کسی شکل میں بھی اس عہد کے صوفیاء کے لئے قابل قبول نہ تھی۔

تصوف اور دولت دراصل شروع سے ہی دو ایسے کنارے رہے ہیں جو ریل کی پٹریوں کی طرح باہم کبھی نہیں مل پائے ایک اگر وصل حقیقی کی راہیں متعین کرتا ہے تو دوسرا دنیاوی آسائشوں کے حصول کی جانب دامن دل کھینچتا ہے لہٰذا صوفیاء نے فقر کو اپنایا، یہاں تک کہ فاقہ کشی سے جسم میں عبادت و ریاضت کے لئے بھی توانائی نہ رہتی۔ کئی کئی دنوں تک حلق سے نیچے کچھ نہ اترتا یہاں تک کہ پانی بھی حسب ضرورت پیتے، زائرین جو کچھ بھی بخوشی نذر کرتے سب کچھ غرباء درویشوں اور مساکین میں فوراً تقسیم کر دیتے چشتیوں کے ہاں نہ تو ارتکاز دولت کی جانب دھیان دیا جاتا اور نہ ہی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اناج وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی کی جاتی چشتی صوفیاء اس معاملے میں بہت واضح اور دوٹوک نظریات کے حامل تھے۔

مولانا حسام الدین ملتانی کو جب خواجہ نظام الدین اولیاء نے خلافت عطا کی (3) تو انہوں نے پیش کئے جانے والے نذرانہ جات کی بابت نصیحت چاہی مولانا حسام الدین ملتانی نے فرمایا۔

''جب میرے پاس فتوحات (بغیر مانگے نذرانہ جات) آتی ہیں تو اس میں سے کچھ اپنے فرزندوں پر خرچ کرتا ہوں۔ اور کچھ مسافروں کے لئے رکھتا ہوں۔ اور کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب کئی کئی دن تک کچھ نہیں آتا اس وقت میرے بال بچے مجھے تنگ کرتے ہیں اور مسافر بھی محروم جاتے ہیں کیا میں ایسے موقع پر قرض لے سکتا ہوں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا اگر تم قرض لو گے تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو تم اپنے بال بچوں کے لئے لو گے یا مسافروں کے لئے، یہ مسافر بھی دو قسم کے ہیں یا تو یہ مسافر وہ ہوں گے جو دور دراز سے آتے ہیں یا اسی شہر کے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو دور دراز سے آتے ہیں اگر کچھ قرض حاصل کر لو تو کوئی حرج نہیں اس کے لئے تم معذور سمجھے جاؤ گے جو لوگ شہر سے

آتے ہیں ان کے لئے تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہے سو ہے، رہا بال بچوں کا معاملہ، سو اگر تمہارے پاس فتوحات آئیں تو اس میں سے خرچ کرو اگر کچھ نہ ہو تو قرض لے سکتے ہو، لیکن اگر اسی لین دین کے چکر میں رہو گے تو درویشی کے فرائض کب سرانجام دو گے درویش تو وہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس موجود ہو تو خرچ کرے ورنہ صبر کرے۔ اور نامرادی کے ساتھ بسر کرے۔'' (سیر الاولیاء، صفحہ 414)

اس حکایت سے کئی چیزیں واضح ہوتی ہیں جس سے خانقاہ کے نظام کو چلانے کے لئے مالی ذرائع کے حصول پر روشنی پڑتی ہے فتوح سے حاصل ہونے والی آمدن درویش کے بیوی بچوں پر خرچ کرنا جائز تھا اگر فتوح نہ آ رہی ہو تو وقتی طور پر قرض لے کر بھی گزارا کیا جاتا تھا اور جب فتوح آ جاتی تو لیا ہوا قرضہ واپس کر دیا جاتا اور یوں درگاہ کا معاشی نظام کامیابی سے چلتا رہتا۔

ابتدائی طور پر فتوح کا تصور بغداد اور خراسان میں متعارف ہوا اور جنوبی ایشیا میں پروان چڑھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صوفی اگر کہیں ملازمت کرتا کہ معاشی معاملات کو حل کر سکے تو اسے چند قواعد وضوابط کا پابند رہنا پڑتا اور اپنے کفیل کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتے جبکہ صوفی ازم کی بنیادی روح ہی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے، صوفی کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکائے۔ لہٰذا ماتحت ہونے اور سر جھکانے کے اس عمل نے صوفی کو مزدوری سے دور رکھا اب اس کی دو صورتیں تھیں پہلی یہ کہ خیرات مانگی جائے اور دوسری فتوح کا انتظار کیا جائے۔ اس کے لئے صوفی کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا پڑتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو مدد کے لئے بھیج دیتا تو وہ اللہ کا شکر گزار ہوتا۔ اس ضرورت نے صوفیاء کے اندر اس سوچ کو جنم دیا اور وہ یقین رکھتے تھے کہ امراء کی دولت پر اللہ تعالیٰ نے غرباء اور مساکین کے لئے حق رکھا ہے اور یوں اس مدد معاش کو اپنا حق سمجھتے ہوئے وہ کسی کے زیر بار یا ممنون نہ ہوتے سوائے ذات خداوندی کے۔

فتوح فارسی زبان کا لفظ ہے عربی میں اس کے لئے تحفہ، نذر، عطا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ابونصر السراج لفظ ''تحفہ'' فتوح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (4) اس کا مطلب یہ ہے کہ دسویں صدی کے اخیر تک صوفیاء کی معاشی امداد کے لئے فتوح یا تحفہ ونذر کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ امام بوالقشیر ی نے فتوح کے موضوع پر پانچ حکایات شامل کی ہیں (5) ان پانچ حکایات میں سے تین حکایات میں فتوح قبول کرنے کے بجائے لوٹا دی جاتی ہے ایک حکایت میں فتوح قبول کرنے

پر سزا ملنے کا درس ملتا ہے جبکہ پانچویں حکایت میں فتوح کی تقسیم پر جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

عوارف المعارف(6) میں ایک خانقاہ کی سماجی و مذہبی زندگی اور خانقاہ کے نظام کا فعال طریقے سے کام کرنے کے بارے میں کچھ رہنما اصول دیئے گئے ہیں کہ خانقاہ میں کیسے داخل ہونا ہے، کتنے دن قیام کرنا ہے اور اگر قیام تین دن سے زائد ہے تو خانقاہ پر بوجھ بننے کے بجائے کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہے مگر وہاں فتوح کی تقسیم کے حوالے سے کچھ مذکور نہیں ہے اسی طرح سیر الاولیاء میں امیر خورد جس طرح بیان کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چشتیوں کی خانقاہوں پر ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں فتوح آتی تھی مگر اس اناج اور روپے کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہ رکھا جاتا۔ نہ ہی وصولی اور خرچ کی کوئی رسید بنائی جاتی، نہ ہی کہیں اندراج کیا جاتا بلکہ فتوح کی مناسب تقسیم کا بھی کوئی معیار، پیمانہ یا اصول مقرر نہیں تھا۔ فوائد الفواد میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے سے دو تین حکایات فتوح کے بارے میں ملتی ہیں وگرنہ اس سے زیادہ کہیں ذکر نہیں ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چشتی جماعت خانے میں فتوح کو ذخیرہ کرنے کا کوئی رواج نہ تھا جو کچھ حاصل ہوتا اسے شام تک تقسیم کر دیا جاتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے جماعت خانے میں ہر جمعہ کے روز موجود تمام اناج روپیہ مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا اور آنے والے دنوں کے لئے ذخیرہ اندوزی نہ کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب پاک پتن میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کا 1265ء میں وصال ہوا تو آپ کے گھر میں کئی دن سے فاقہ چل رہا تھا، آپ کی متاع ایک چادر تھی جس سے آدھا جسم ڈھانپا جا سکتا تھا۔ آپ کے کفن کے لئے امیر خورد کی دادی نے سفید چادر پیش کی(7) جبکہ آپ کی قبر کے لئے اینٹیں گھر کی دہلیز سے اکھاڑ کر استعمال کی گئیں(8) یہاں تک کہ زندگی میں ایک مرید نے آپ کے گھر کو پختہ اینٹوں سے تعمیر کر کے دینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر آپ نے سختی سے منع فرما دیا۔ ان باتوں سے چشتیوں کے معاشی و مالی حالات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے مگر اس کے برعکس سہروردیوں کی معاشی حالت ایسی بری نہ تھی۔

چشتی سلسلے کے صوفیاء جس قدر حکمرانوں اور مال و دولت دنیا سے دور بھاگتے تھے سہروردی اتنا ہی خوش دلی سے فتوح قبول کرتے تھے، فتوح میں چشتی زمین کا تحفہ قبول نہ کرتے تھے مگر سہروردیوں نے سینکڑوں ایکڑ اراضی فتوح میں حاکم وقت سے قبول کی وہ عوام الناس میں گھلنے ملنے کو بھی زیادہ پسندیدہ نہ سمجھتے بلکہ ان سے ملنے کے لئے مریدوں کو شاہی دربار کی طرح باقاعدہ

اجازت نامہ لینا پڑتا۔ سہروردی سلسلے کے بانی حضرت بہاء الحق ذکریا ملتانی نے جب انتقال فرمایا تو اپنے پیچھے ہر بیٹے کے لئے سات لاکھ تنکے (چاندی کا سکّہ) ترکے میں چھوڑے جبکہ ہزاروں ایکڑ زرعی اراضی درگاہ کے نام وقف تھی جسے آٹھویں دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو نے اشتمال اراضی کے دوران ہاریوں کو ان کے مالکانہ حقوق دے دیئے۔

چشتی صوفیاء نے فتوح کے حوالے سے کچھ اصول بنا رکھے تھے جن کو انہوں نے آخر دم تک اپنائے رکھا۔ اور اپنے خلفاء کو بھی مسلسل اس کی ترغیب دیتے رہے کہ:

1- فتوح جیسے ہی ملے اسے فوراً تقسیم کر دینا چاہئے۔

2- دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے جماعت خانہ میں جو کچھ موجود ہوتا بروز جمعہ اسے تقسیم کر دیا جاتا اور بچا کے کچھ نہ رکھا جاتا۔

3- شیخ نظام الدین اولیاء کا قول تھا ''سینکڑوں میں قبول کرو اور ایک ایک کر کے تقسیم کرو۔''

فتوح کی تقسیم کے لئے چشتیوں نے یہ طریقہ کار اپنائے رکھا کہ انفرادی ضرورت مندوں میں فتوح تقسیم کر دیتے۔ بھوکوں کو کھانے کے لئے مہیا کرتے اور جماعت خانے میں ہر وقت لنگر موجود رہتا۔ جو صوفیاء بھیک نہ مانگتے تھے اور یاد الٰہی سے فرصت نہ ملتی کہ مزدوری کر سکیں ان کے لئے واحد راستہ فتوح تھا اس سلسلے میں مولانا برہان الدین غریب نے نہایت سخت لہجہ اختیار کیا ہے اور کہا ہے ''صرف وہی شخص فتوح قبول کرنے کا حق رکھتا ہے جس کے بازو اور پاؤں نہ ہوں یا جس نے خود کو ایسا بنا لیا ہو یعنی وہ کوئی کام نہ کرتا ہو۔''

ملفوظات میں فتوح کے قبول کرنے یا فتوح کن لوگوں سے قبول کرنا چاہئے، اس کے بارے میں ہمیں کہیں بھی تفصیلی ذکر نہیں ملتا جیسے صوفیاء کی زندگی میں فتوح کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہ رہا ہو۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ فتوح آ جاتی تو تقسیم ہو جاتی اور اگر نہ آتی تو فاقہ کشی اور صبر و ضبط سے کام لیا جاتا۔ خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے تیس سالہ عرصہ میں فتوح کے حوالے سے کہیں کچھ ذکر نہیں ملتا۔ اس کے قوانین و ضوابط اور معیاروں کے بارے میں بحث نہیں ملتی اور نہ ہی عوارف المعارف یا پھر شیخ شرف الدین منیری کے خطوط میں اس موضوع پر کوئی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ فوائد الفواد میں جب شیخ نظام الدین اولیاء سے فتوح کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں۔ فتوح کو قبول کر لینا چاہئے اور اس ضمن میں ایک حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ ''اگر

کوئی آپ کو بغیر مانگے کچھ دے دے تو اسے قبول کر لینا چاہئے، استعمال کر لینا چاہئے اور بقایا کسی دوسرے کو دے دینا چاہئے۔'' کچھ صوفیاء کے نزدیک رقم کی صورت میں فتوح جائز نہیں ہے، اب اگلا سوال یہ ہے کہ فتوح کن لوگوں سے قبول کرنا چاہئے۔ اس حوالے سے بھی ہمیں ملفوظات یا مکتوبات میں کہیں کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔

جب تک صوفیاء زندہ رہے ان کی خانقاہوں کا نظام چلتا رہا، جماعت خانے آباد رہے، لنگر سے مسافروں اور غرباء کو کھانا ملتا رہا۔ مگر ان کی وفات کے بعد ان کے لواحقین نے ان کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا۔ یہ آستانے جو فقر و استغنا کے مراکز تھے، اب محض دولت سمیٹنے کے ذرائع بن کر رہ گئے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کی وفات کے بعد آپ کو دفن کرنے کے لئے جب نواحی قبرستان میں لے کر گئے تو آپ کے بڑے بیٹے شیخ نظام الدین نے تمام اہل خانہ کو اس بات پر قائل کر لیا کہ اگر شیخ فرید الدین گنج شکر کو باہر قبرستان میں دفن کر دیا تو فاتحہ کے لئے آنے والے باہر سے ہی چلے جائیں گے۔ ایسے حالات میں اہل خانہ کی خبر گیری کون کرے گا(9) لہٰذا فیصلہ یہ ہوا کہ آپ کو اپنے حجرے میں ہی دفن کر دیا جائے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جس روز فرید الدین گنج شکر کو ان کے حجرے میں دفن کیا گیا تو دراصل اس بات کی بنیاد رکھ دی گئی کہ درگاہیں اب ذریعہ آمدن ہیں۔ پروفیسر محمد حبیب نے بجا طور پر لکھا ہے(10) ''دور مغلیہ اور اس کے بعد صوفیاء کے مراکز کا طرۂ امتیاز فقر کے بجائے اوقاف ہو گئے اور ان اوقاف کی ضامن حکومت وقت تھی۔'' جب تک صوفیاء زندہ رہے وہ قرآن و حدیث اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے اور اپنے خلفاء اور عقیدت مندوں کو بھی عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے، ذرا سی کہیں بھول ہو جاتی تو فوراً خود بھی معافی کے خواستگار ہوتے اور اپنے مریدوں کی رہنمائی بھی کرتے رہے۔

سیر الاولیاء میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے کہ آپ نے یکے بعد دیگرے تین بار آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے، ہر بار اثبات میں جواب ملتا مگر آپ پھر عشاء کی نماز پڑھنے لگتے اور یوں تین بار آپ نے آخری لمحات میں نماز عشاء ادا کی، فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ ہر بار نماز کے بعد بے ہوش ہو جاتے۔ جس وقت آپ آخری سانس لے رہے تھے۔ آپ کی زبان پر ''یا حیی و یا قیوم'' کا ورد جاری تھا۔ کچھ دہائیوں تک تو معاملات چلتے رہے مگر اس کے بعد صوفیاء اور ان کے لواحقین کی زیادہ تر توجہ

خانقاہوں سے حاصل ہونے والی آمدن اور بادشاہوں کی وقف کردہ زمینوں سے متعلق ہوگئی۔

صوفیاء نے اپنی زندگیوں میں تو سلاطین وقت سے نذر نیاز یا مدد معاش کچھ ایسے خوشگوار انداز میں نہ لی بلکہ اس سے دور ہی بھاگتے رہے مگر ان صوفیاء کے وصال کے بعد جب بادشاہ مزارات پر حاضری کے لئے آئے تو پہلے پہل مزارات کی تعمیر نو و مرمت کے لئے مالی امداد کا سلسلہ شروع کیا۔ عرس کے موقع پر خصوصی طور پر لنگر پکانے کے لئے بادشاہ کی خصوصی معاونت رہی، رات کے وقت درگاہ میں روشنی کے لئے دیے جلائے جاتے تھے، تیل کے لئے بادشاہ شاہی خزانے سے رقم مختص کر دیتا، اناج کی بوریاں لنگر کے لئے بھجوا دیتا اور جب اس کی کوئی دلی مراد بر آتی تو بادشاہ کی نوازشات اور سخاوت کے دروازے کھول دیئے جاتے، درگاہ کے خدّاموں اور گدّی نشینوں کے لئے بھی مدد معاش کے طور پر کچھ نہ کچھ مقرر کر دیا جاتا۔

عہد مغلیہ میں سب سے زیادہ نذرانہ جات خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر مغل بادشاہوں نے پیش کئے (11)۔ 1567ء میں اکبر نے اپنے زیر تصرف 18 گاؤں سے ملنے والا محصول خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کے لئے مختص کر دیا۔ اس کے بعد نمک کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدن میں سے ایک فیصد درگاہ شریف پر لنگر کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا گیا۔ 75-1574ء کی ایک دستاویز کے شواہد کے مطابق اکبر بادشاہ نے درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ پر جلنے والے لیمپ کے لئے ایک من سالانہ کے حساب سے تیل بھی نذر کیا۔ شاہ جہان کے شاہی فرمان کے مطابق وہ تمام زمین جو خدّام کاشتکاری کے لئے بادشاہ کی جانب سے استعمال کرتے تھے، مرنے کے بعد وہ تمام زمین لواحقین کو دینے کے احکامات جاری ہوئے، اس سے قبل اکبر کے زمانے میں زمین پر کاشت کرنے والا اگر مر جاتا تو لواحقین کے حصے میں صرف آدھی زمین آتی تھی یہ سہولت صرف خواجہ معین الدین چشتی کے خدّام کے لئے تھی۔ 1637 کے فرمان کے مطابق شاہجہان نے اپنے زیر تصرف سترہ گاؤں کی زمین سے حاصل ہونے والی سالانہ آمدن -/15723 روپے اور -/10,057 روپے نقد درگاہ اجمیر شریف کے لئے وقف کر دیئے تاکہ سالانہ عرس کے موقع پر لنگر، روشنی، مصلّے، پھول وغیرہ خریدے جاسکیں اور مؤذن، امام، قاری اور خدّام کو تنخواہ کی ادائیگی کی جاسکے۔ 1717ء میں فرخ سیر نے دو اور گاؤں کی آمدن بھی درگاہ اجمیر شریف کے لئے وقف کر دی جس سے درگاہ کی آمدن میں -/3984 روپے کا اضافہ ہوا۔

یہ تمام رقم گدی نشین اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے استعمال کرنے لگ گئے تو اس کے بعد نذرانہ دینے والوں نے واضح ہدایات دینا شروع کر دیں کہ فلاں اخراجات کی مد میں اتنی اور فلاں اخراجات کی مد میں اتنی رقم خرچ کی جائے۔ انگریزی عہد حکومت میں 1893ء میں نظام آف حیدرآباد نے سرکاری خزانے میں -/12000 روپے سالانہ کے حساب سے جمع کروانا شروع کیا تو واضح ہدایات جاری کیں کہ اس میں سے ایک حصہ متولی کو لنگر کے اخراجات کے لئے دیا جائے تاکہ دیگر ضروریات خوشبویات عطریات صندل وغیرہ پر خرچ کیا جا سکے۔ ایک حصہ دیوان کی ضروریات کے لئے مختص کیا جبکہ تیسرا حصہ خدام کو ان کی ضروریات کے لئے دینے کے احکامات جاری کئے گئے۔ علاوہ ازیں نظام آف حیدرآباد نے مدرسے کے لئے -/1200 روپے ماہانہ اور نقارخانے کے لئے -/600 روپے ماہانہ اخراجات کے لئے مقرر کئے۔

1948ء میں نظام آف حیدرآباد نے ایک ٹرسٹ بھی قائم کیا جس سے حاصل ہونے والی تمام آمدن درگاہ اجمیر شریف کو جاتی تھی۔ 1949ء میں دیوان نے مزار حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے احاطے میں جمع ہونے والے تمام نذرانہ جات کا ٹھیکہ سالانہ بنیاد پر خدام کے حوالے کر دیا اور اس کے لئے خدام سے ایک ہزار روپے سالانہ کی ادائیگی مقرر کی گئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ درگاہوں سے حاصل ہونے والی آمدن میں جہاں اضافہ ہوتا گیا وہاں اس آمدن کے حصہ داروں میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور ان کے لئے حصہ طے کرنے کے لئے بعض اوقات معاملات اس قدر پیچیدہ اور خطرناک نوعیت اختیار کر گئے کہ انصاف کے لئے شاہی فرمان بھی جاری کئے گئے۔ 1584ء کے شاہی فرمان کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ سے حاصل ہونے والی کل آمدن کو 1/2 5 حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جس میں سے علیم عبدالکریم اور اس کے بھائیوں کے لئے 1/2 1 حصہ، شیخ ہاشم کے لئے 1/2 حصہ، شیخ ابراہیم اور اس کے خاندان کے لئے ایک حصہ، شیخ قطبان اور ایک دوسرے دیوان کے لئے ایک ایک حصہ اور شیخ منصور کے لئے 1/2 حصہ مقرر کیا گیا۔ بعدازاں دوبارہ جب پیچیدگی پیدا ہوئی تو جہانگیر نے 1619ء میں کل آمدن کو 1/2 6 حصوں میں تقسیم کر دیا۔

عہد مغلیہ کے بعد جب برطانوی دور میں عدالتیں مقرر کی گئیں تو حقدار اپنا حق وصول کرنے کے لئے عدالتوں سے رجوع کرنے لگے۔ لہٰذا 1929ء کے ایک عدالتی فیصلے کے مطابق سجادہ نشین

علی رسول خان درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے حاصل ہونے والی تمام آمدن کا دعویدار بن گیا۔ 1931ء میں عدالت نے فیصلہ دیا۔ ''درگاہ شریف سے حاصل ہونے والے تمام سونا چاندی کپڑے زیورات کے آدھے حصے کا حق دار ہوگا۔ درگاہ شریف پر چڑھائے گئے تمام جانوروں کا آدھا حصہ دیوان کے لئے ہوگا۔ تاہم دربار شریف سے باہر اور خانقاہ کی حدود کے اندر دیئے جانے والے نذرانہ جات پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔ یہ فیصلہ دونوں کے لئے قابل قبول نہ تھا لہٰذا اس کے خلاف عدالت میں اپیل کی گئی اور فیصلہ ہوا کہ غلّہ سے حاصل ہونے والی تمام آمدن درگاہ کمیٹی کی ملکیت ہوگی۔ دربار شریف سے باہر تمام نذرانہ جات پر خدّام کا حق ہوگا۔ اور درگاہ شریف کے اندر پیش کئے جانے والے تمام نذرانہ جات خدّام اور سجادہ نشین میں برابر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

تحقیقات چشتی (1864ء) کے مصنف نے دربار شریف حضرت بی بی پاک دامناں لاہور اور درگاہ حضرت علی ہجویریؒ سے حاصل ہونے والی آمدن و نذرانہ جات کی تقسیم کا طریقہ کار نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نور احمد چشتی دربار حضرت بی بی پاک دامناں کے بارے میں لکھتے ہیں (12) کہ یہاں پر پہلے چار مجاور تھے جن میں سے ایک لاوارث فوت ہو گیا۔ آج کل تین مجاور ہیں عظیم شاہ، اللہ دین اور محمد بخش۔ چوتھا وارث جو لاوارث فوت ہوا اس کا حصہ عظیم شاہ اور اللہ دین نصف نصف لیتے ہیں۔ سال بھر میں کل اڑتالیس جمعرات آتی ہیں ان میں سے ساڑھے انیس جمعرات کی آمدن اللہ دین لیتا ہے اور ساڑھے انیس جمعرات کی آمدن عظیم شاہ وصول کرتا ہے، بقیہ نو جمعراتوں کی آمدن محمد بخش کو ملتی ہیں۔ اسی طرح ہر مہینے میں سے بارہ دن عظیم شاہ، بارہ دن اللہ دین اور چھ دن محمد بخش چڑھت آمدن لیتا ہے۔ اس طرح قبرستان میں جو میّت دفن ہونے کے واسطے آتی ہے، اس سے ملنے والی آمدن بھی تقسیم ہوتی ہے مثلاً اگر ایک روپیہ ملے تو پانچ آنہ حق گورکنی ہے جبکہ گیارہ آنہ سجادگان میں درج بالا نسبت سے بانٹ لیا جاتا ہے تاہم عرس کے روز نذر و چڑھت مشترک رہتی ہے۔

حضرت بی بی پاک دامناں کے مجاورین نے درگاہ سے حاصل ہونے والی آمدن کی تقسیم دنوں کے حساب سے کر رکھی ہے۔ اب ان دنوں میں جس کی قسمت میں جو کچھ ہوتا ہے مل جاتا ہے۔ یہ تقسیم 1967ء تک چلتی رہی اس کے بعد اوقاف ڈیپارٹمنٹ نے دربار حضرت بی بی پاک دامناں کو اپنے انتظامی کنٹرول میں لے لیا اور یوں یہاں سے حاصل ہونے والی تمام آمدن سنٹرل

اوقاف فنڈ میں جانے لگی۔

1960ء سے درگاہ حضرت علی ہجویریؒ بھی محکمہ اوقاف کے انتظامی کنٹرول میں ہے اور یہاں سے حاصل ہونے والی تمام آمدن محکمہ اوقاف کے سنٹرل اوقاف فنڈ میں جاتی ہے۔ اس سے قبل درگاہ سے حاصل ہونے والی آمدن مجاورین میں تقسیم ہوتی تھی، یہ مجاور حضرت علی ہجویریؒ کے اولین مجاور شیخ ہندی کی اولاد میں سے ہیں جو پہلے رائے راجو کے نام سے پنجاب کا نائب حاکم تھا، مسلمان ہوکر مرید ہوگیا۔ ان کے ہاں بارہ پشتوں تک ایک ہی بیٹا پیدا ہوتا رہا۔ تب تک آمدن کی تقسیم کا کوئی مسئلہ نہ پیدا ہوا۔

اکبر کے عہد میں شیخ لطف اللہ مجاور تھا اس کے بعد ان کی اولاد میں اضافہ ہونے لگا۔ تحقیقات چشتی کے مصنف نور احمد چشتی کے مطابق، درگاہ سے حاصل ہونے والی تمام آمدن مجاورین میں برابر تقسیم ہوتی رہی (13)۔ یعنی جب بھی کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتا تو اس کا حصہ جاری ہوجاتا اور جب بھی کوئی مرجاتا تو اس کا حصہ درگاہ حضرت علی ہجویریؒ سے حاصل ہونے والی آمدن میں سے بند ہوجاتا۔ اسی طرح اگر مجاورین میں کوئی غیر حاضر ہوجاتا یا کسی دوسرے ملک چلا جاتا تب بھی اس کا حصہ بند ہوجاتا اور جب وہ واپس آتا تو اس کا حصہ آمدن میں سے جاری ہوجاتا، یہ دستور کئی صدیوں تک مجاورین کے درمیان جاری رہا۔ یہاں تک کہ 1960ء میں محکمہ اوقاف نے درگاہ علی ہجویریؒ کو اپنے انتظامی کنٹرول میں لے لیا اب ان مجاورین کو یہاں سے حاصل ہونے والی آمدن میں سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اوقاف سے قبل حضرت علی ہجویریؒ کی درگاہ کے احاطے میں ان مجاورین کی نشست گاہیں تھیں جہاں یہ کپڑا بچھا کر بیٹھ جاتے اور اگر کوئی ارادت مند ان کو علیحدہ چڑھاوا کچھ دے جاتا تو یہ تمام ان کا اپنا حصہ ہوتا اور دوسرے کی اس میں شمولیت نہ ہوتی اور جو چڑھاوا خانقاہ معلّٰی پر ہوتا اس میں سب برابر کے حصہ دار ہوتے۔

وہ مزارات جہاں آمدن زیادہ تھی، وہاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گدی نشینوں کی اولادوں میں اضافہ کے سبب حصہ داروں میں اضافہ ہوتا گیا اور یوں فی کس آمدن کی شرح کم ہوتی گئی اس آمدن کی شرح کو بڑھانے کے لئے بیسویں صدی کے نصف تک گدی نشین و متولی مختلف طریقہ کار اختیار کرتے رہے۔ درگاہ شریف پر حاضری دینے والوں کو بڑھ چڑھ کر شیخ کی کرامات بیان کرتے رہے کہ کن کن موقعوں پر کن لوگوں کی شیخ نے کس طرح مدد کی، ان مصدقہ یا

غیر مصدقہ کرامات کے سبب زائرین کے دلوں میں اپنے مسائل کے حل اور امیدوں کے برلانے کی ایک امید سی پیدا ہو جاتی اور یوں زائرین اس امید کی ڈور سے بندھے بار بار درگاہ شریف کی جانب کھنچے چلے آتے۔ جب بھی درگاہ پر حاضری کے لئے آتے حسب استطاعت درگاہ شریف کے لئے کچھ نہ کچھ نذرانہ جات ونقدی کی صورت میں ضرور لے کر آتے۔ گدی نشینوں نے اس مقصد کے لئے مزار شریف کے اردگرد نشست گاہیں بنا رکھی تھیں جہاں وہ باقاعدگی سے بیٹھتے اور زائرین کو فیوض وبرکات سے نوازتے۔

وہ درگاہ جہاں زائرین کی تعداد قدرے کم ہوتی، اس درگاہ سے کسی ایسے بڑے شیخ کی نسبت پیدا کر لی جاتی تاکہ لوگ اس نسبت سے کم آباد درگاہ پر بھی حاضری اور نذرانہ جات کے لئے تشریف لائیں اور یوں اس طرح زائرین کا رخ موڑنے کا یہ ایک موثر طریقہ ثابت ہوتا۔

پاکستان بننے سے پہلے دہلی مغل بادشاہوں کی توجہ کا خاص مرکز رہا، ہندوستان کے سب سے مقبول صوفی سلسلے چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف میں مدفن ہیں جہاں مغل بادشاہوں کی عنایات کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کو جب ہندوستان جانے کا حکم ملا تو وہ لاہور اور ملتان سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے۔ فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ آپ کی ملاقات لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ہوئی جبکہ حضرت علی ہجویریؒ کی درگاہ پر حاضری اور چلہ کشی کا فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے حتیٰ کہ سولہویں صدی میں تحریر کی جانے والی سفینۃ الاولیاء میں بھی داراشکوہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے درگاہ حضرت علی ہجویریؒ پر چلہ کشی کے بارے میں کہیں تحریر نہیں کیا اور نہ ہی کوئی حوالہ دیا۔ یہاں تک وہ لکھتا ہے (14) کہ ''آپ کی قبر اپنی مسجد کے موافق سمت میں ہے۔'' چشتی سلسلہ سے وابستہ صوفیاء کے ملفوظات پر مبنی ایک درجن سے زائد کتب موجود ہیں مگر کہیں بھی گفتگو کے دوران خواجہ معین الدین چشتی، شیخ فریدالدین، شیخ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ نظام الدین اولیاء، نصیرالدین چراغ دہلی، امیر خسرو، غرض کوئی بھی شیخ اس جانب اشارہ نہیں کرتا کہ خواجہ معین الدین چشتی نے مزار حضرت علی ہجویریؒ پر چلہ کشی کی، حالانکہ ان ملفوظات اور تذکرہ جات میں دل کھول کر دیگر سینکڑوں صوفیاء کا ذکر اور ان کی باتیں پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی کے مزار حضرت علی ہجویری پر چلہ کشی کا پہلا حوالہ 1864ء میں تحریر کی جانے والی کتاب تحقیقات چشتیہ

میں ملتا ہے۔نور احمد چشتی لکھتے ہیں(15):

''سن پانسو ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی ان حضرت (علی ہجویری) کی مزار پر آئے اور چلّہ ادا کیا، چنانچہ حضرت کے مزار کے جنوب دیدا اندرون چار دیواری مکان چلّہ اب تک موجود ہے۔''

خواجہ معین الدین چشتی کا سال ولادت 537ھ ہے لہٰذا 500ھ میں خواجہ معین الدین چشتی کا حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر آنا ویسے ہی قابل یقین نہیں ہے۔

نور احمد چشتی مزید لکھتے ہیں(16):''علی مخدوم ہجویریؒ سید حسنی ہیں اور نسب شریف کی اس طرح سے زبانی مجاورین کے ظاہر ہوئی۔''

اس سے ایک بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی چلّہ کشی کے بارے میں نور احمد چشتی کو کسی تاریخی حوالے سے نہیں بلکہ مجاورین کی زبانی معلوم ہوا اور انہوں نے جو کہا نور احمد چشتی نے بغیر تحقیق و تصدیق کئے لکھ دیا۔ داراشکوہ نے پچیس سال کی عمر میں 1639-40ء میں ''سفینۃ الاولیاء'' تالیف کی جس میں حضرت علی ہجویریؒ کے مزار شریف پر خواجہ معین الدین چشتی کی چلّہ کشی کا کہیں مذکور نہیں ہے جبکہ بابا فرید الدین گنج شکر کے چلّہ معکوس کا تذکرہ ہمیں چشتی صوفیاء کے کئی ملفوظات میں مل جاتا ہے۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ درگاہ علی ہجویری پر خواجہ معین الدین چشتی کی چلّہ کشی کی کہانی کا نقطہ آغاز 1639 تا 1864 کے درمیانی سالوں میں کہیں پنہاں ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ درگاہ علی ہجویریؒ پر خواجہ معین الدین چشتیؒ کی چلّہ کشی اور چلّہ گاہ کی اختراع کی ضرورت گدی نشینوں کو کیوں پیش آئی، جواب میں ایک ہی واضح دلیل نظر آتی ہے کہ عہد مغلیہ میں درگاہ اجمیر شریف پر مغل بادشاہوں کی نوازشات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے لہٰذا حضرت علی ہجویری کی درگاہ پر ان کی چلّہ کشی کی کہانی دراصل زائرین اور ان کے نذرانہ جات کا رخ اس جانب موڑنے کی ایک کاوش نظر آتی ہے۔اس برس (2006ء)6رجب المرجب کو حضرت علی ہجویریؒ کے مزار شریف پر واقع چلّہ گاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی نہ صرف غسل کی رسم ادا کی گئی ہے بلکہ گذشتہ دو تین سالوں سے نہایت تزک و احتشام سے خواجہ معین الدین چشتیؒ کا عرس یہاں بھی اجمیر شریف کے متوازی منایا جاتا ہے۔

بالکل انہی بنیادوں پر حضرت عزیز الدین پیر مکّی کے گدی نشینوں نے یہ بات مشہور کر رکھی

۔ہے کہ حضرت عزیز الدین پیر مکّی حضرت علی ہجویریؒ کے مرشد تھے اور آپ کا حکم ہے کہ میری درگاہ پر آنے سے قبل میرے مرشد کی قبر پر حاضری ضروری ہے۔ اور ایسی ہی ایک صورت ہمیں حضرت بی بی پاک دامناں کے مزار پر نظر آتی ہے جہاں مشرقی دیوار پر سنگ مرمر کی ایک سِل کے اوپر یہ لکھا ہوا ہے۔ ''یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت علی ہجویریؒ حاضری کے لئے آیا کرتے تھے۔''

ایسا ہی معاملہ درگاہ حضرت سلطان باہوؒ سے منسوب ہے کہ جہاں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ حضرت سلطان باہوؒ کا حکم ہے کہ میرے مزار پر حاضری سے قبل میرے مائی باپ کے مزار پر حاضری دی جائے، حالانکہ حضرت سلطان باہوؒ کے والدین کے مزارات مبینہ طور پر ملتان میں ہیں، حقیقی صورتحال یہ ہے کہ دو تین پشت پیچھے گدی نشینوں میں درگاہ سے منسوب جائیداد و ذرائع آمدن کی تقسیم ہوئی تو یہ درگاہ حضرت سلطان باہوؒ ایک بھائی کو مل گئی جبکہ مائی باپ کے مزارات و ان سے منسلک سینکڑوں ایکڑ زمین دوسرے بھائی کو مل گئی۔

ان سب کہانیوں کے پیچھے دراصل معیشت کی کہانی چھپی ہوئی ہے یہ ساری کہانیاں زائرین کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور بلانے کے طریقہ کار ہیں، زیادہ زائرین کی حاضری کا مطلب زیادہ آمدن ہے، زیادہ نذرانہ جات ہے اور یہی مطمع نظر ہوتا ہے ان تمام گدی نشینوں کا جو یہ کہانیاں پھیلاتے ہیں۔

1960ء سے پنجاب میں تمام اہم مزارات محکمہ اوقاف کے انتظامی کنٹرول میں ہیں۔ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب کو اختیار حاصل ہے کہ وہ بغیر وجہ بتائے کسی بھی وقف دربار کو محض ایک نوٹیفکیشن جاری کر کے اپنے انتظامی کنٹرول میں لا سکتا ہے۔ ان احکامات کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اوقاف میں جن مدات میں آمدن حاصل کی جاتی ہے ان میں 55 فیصد کے قریب کیش بکس سے حاصل ہونے والی آمدن ہے جبکہ 44 فیصد کے قریب زرعی اراضیات حفظت پاپوش اور گل فروشی کے سالانہ ٹھیکے سے آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ وقف زمینوں پر تعمیر کی جانے والی شہری عمارات سے بھی کرائے کی مد میں آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔ اوقاف ڈیپارٹمنٹ کا سالانہ بجٹ بنتا ہے، سالانہ آڈٹ ہوتا ہے، سالانہ بجٹ میں آمدن کا ایک کثیر حصہ مزارات کی تعمیر نو اور مرمت پر خرچ کیا جاتا ہے۔

محکمہ اوقاف پنجاب نے کیش بکس میں اکٹھی ہونے والی آمدن کو بحفاظت سنٹرل اوقاف

فنڈ میں پہنچانے کے لئے ٹھوس بنیادوں پر چند اقدام کر رکھے ہیں۔ مختلف مزارات پر رکھے ہوئے کیش بکسز کی کشادگی کے لئے پورے سال کا ایک مطبوعہ پروگرام تشکیل دیا گیا ہے۔ ضلعی انتظامیہ پہلے سے آگاہ ہوتی ہے۔ اہم مزارات پر کشادگی کے لئے منیجر/ایڈمنسٹریٹر، خطیب اور بینک آفیسر پر مشتمل تین رکنی کمیٹی بنائی گئی ہے۔ ہر کیش بکس پر تالہ لگا ہوتا ہے جس پر سرکاری سیل لگائی جاتی ہے۔ جمعہ کے روز کہیں بھی کیش بکس کی کشادگی نہیں کی جاتی صرف حضرت علی ہجویریؒ لاہور کے مزار پر 39 کیش بکس رکھے گئے ہیں اور ایک دن چھوڑ کر کیش بکس کی کشادگی کی جاتی ہے، عرس کے ایام میں روزانہ کیش بکس کی کشادگی کی جاتی ہے۔ دور دراز کے ایسے چھوٹے مزارات جہاں آمدن کم ہے، محکمہ اوقاف پنجاب ان کو سالانہ بنیاد پر ٹھیکے پر دے دیتا ہے اسی طرح چند مزارات ایسے ہیں جو سڑک کے کنارے واقع ہیں اور گزرنے والی بسوں اور گاڑیوں میں سے مسافر کرنسی نوٹ نذرانے کے طور پر پھینک دیتے ہیں ایسی صورت میں محکمہ اوقاف نے مزارات کو سالانہ بنیاد پر چلتی ٹریفک کے ٹھیکہ پر دیا ہوا ہے۔

اسی طرح زرعی زمینوں کو بھی ٹھیکے پر دینے کے لئے محکمہ اوقاف نے چند قوانین وضع کر رکھے ہیں۔ زرعی زمینوں کے ٹھیکہ جات سالانہ بنیاد پر دیئے جاتے ہیں اگر پچھلے سال والا شخص اگلے سال کے لئے ٹھیکہ لینا چاہے تو اس کو سہولت دی گئی ہے کہ وہ گذشتہ رقم سے 10 فیصد دوسرے سال کے لئے اور پھر مزید دس فیصد تیسرے سال کے لئے بڑھا کر ٹھیکہ جاری رکھ سکتا ہے۔ نیلامی کے لئے اخبارات اور اشتہارات کے ذریعے وقت، موقع اور جائیداد کی تشہیر کی جاتی ہے۔

محکمہ اوقاف پنجاب کا سال 07-2006ء کے لئے بجٹ 81.88 کروڑ روپے ہے یہ تمام آمدن مزارات پر دیئے جانے والے نذرانہ جات، رقوم، وقف زمینوں کے ٹھیکہ جات اور دوکانات کے کرایہ جات کی صورت میں حاصل ہوتی ہے اس میں حکومتی مالی معاونت شامل نہیں ہوتی۔ تاہم گذشتہ ایک دہائی میں وفاقی حکومت نے 12 کروڑ روپے تعمیر نو مسجد حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اور ڈیڑھ کروڑ روپے مزار بابا بلھے شاہ کی تعمیر نو کے لئے دیئے ہیں جبکہ حکومت پنجاب نے میاں میر سیرت سنٹر و قرآن بورڈ کی عمارت کی تعمیر کے لئے بتیس کروڑ روپے کی جزوی مالی امداد کے لئے تحریری عندیہ دیا ہے۔ اس سے قبل نویں دسویں دہائی میں پنجاب اور وفاقی حکومت کے مالی تعاون سے محکمہ اوقاف اڑتیس کروڑ کا پراجیکٹ داتا دربار کمپلیکس تعمیر کر چکا ہے۔

حوالہ جات

1- حضرت علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' مکتبہ زاویہ لاہور (2002) صفحہ 68

2- امیر خورد ''سیر الاولیاء'' اردو سائنس بورڈ لاہور (1996) صفحہ 128

3- ایضاً۔ صفحہ 414

4- ابونصر السراج ''کتاب اللمع'' گب میموریل سیریز (1914)

5- امام ابوالقشیری ''رسالہ القشیریہ'' مصر (1959)

6- شیخ شہاب الدین سہروردی ''عوارف المعارف'' بیروت (1966)

7- امیر خورد ''سیر الاولیاء'' اردو سائنس بورڈ لاہور (1996) صفحہ 89

8- امیر حسن علاء سجزی ''فوائد الفواد'' محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (2001)

9- امیر خورد ''سیر الاولیاء'' اردو سائنس بورڈ لاہور (1996) صفحہ 91-89

10- خلیق احمد نظامی ''تاریخ مشائخ چشت'' مکتبہ عارفین کراچی (1953) صفحہ 19

11- ڈاکٹر پی ایم کیوری (P. M. Currie) نے اپنی کتاب خواجہ معین الدین چشتی آف اجمیر کے صفحہ 78-174 میں نہایت تفصیل سے ان نذرانہ جات پر بات کی ہے۔

12- نور احمد چشتی ''تحقیقات چشتی'' الفیصل لاہور (2001) صفحہ 162

13- ایضاً۔ صفحہ 172

14- داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء'' نفیس اکیڈمی کراچی (1959) صفحہ 210

15- نور احمد چشتی ''تحقیقات چشتی'' الفیصل لاہور (2001) صفحہ 167

16- ایضاً۔ صفحہ 164

❁❁❁❁❁

قدیمی مسجد و مزار حضرت علی ہجویریؒ: چند معروضات

غافر شہزاد

ہندوستان میں اسلامی تصوف کا اولین حوالہ حضرت علی ہجویریؒ اور ان کی تصنیف کشف المحجوب ہے۔ آپ دسویں صدی کے آغاز میں غزنی (غزنیں) میں پیدا ہوئے اور اپنے مرشد ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کی ہدایت پر لاہور تشریف لائے۔ آپ سے قبل لاہور آنے والے جن اولین مبلغ کا نام تاریخی کتب میں آتا ہے وہ شیخ اسماعیلؒ لاہوری تھے جن کا مزار ہال روڈ پر واقع ہے وہ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ اپنے دو ساتھیوں ابوسعید ہجویری اور احمد حماد سرخسی کے ہمراہ لاہور وارد ہوئے یہ زمانہ سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کا اخیر عہد حکومت تھا۔

ژوکوفسکی کے تصحیح کردہ نسخہ کشف المحجوب کے مطابق آپ کا نام ''الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری'' تھا۔ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ''کنیت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی'' لکھا ہے۔ مزید لکھتا ہے (1) ''آپ غزنی کے رہنے والے تھے جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے آپ کے والد پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر منتقل ہو گئے ان کے والدین کی قبریں پیر علی ہجویریؒ کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل غزنی میں ہیں..... یہ عاجز (داراشکوہ) بھی آپ کے روضہ (لاہور) اور آپ کے والدین اور ماموں کے مزارات (غزنی) پر حاضری دے چکا ہے۔''

لاہور میں آپ کے عرصہ قیام کے بارے میں کم و بیش سبھی متفق ہیں کہ آپ تیس سال کے لگ بھگ لاہور میں قیام پذیر رہے۔ شیخ محمد اکرام مرحوم کے بقول ''فارسی نثر کی سب سے پہلی مذہبی کتاب جو برصغیر پاک و ہند میں پایہ تکمیل کو پہنچی کشف المحجوب ہے۔'' اس سے قبل عربی

زبان میں اسلامی تصوف کے موضوع پر امام ابوالقاسم کا ''رسالہ قشیریہ'' تحریر کیا جا چکا تھا۔ ''تاریخ مشائخ چشت'' میں پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں ''شیخ ہجویریؒ کی اس کتاب نے ایک طرف تو تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا اور دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔'' کشف المحجوب کا اولین انگریزی ترجمہ 1911ء میں پروفیسر رینالڈ نکلسن نے کیا۔

حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں معلومات کا مستند حوالہ خود کشف المحجوب ہی ہے مگر کتاب مذکورہ میں حضرت علی ہجویریؒ نے اپنے بارے میں کوئی خاص تفصیلات نہیں دیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی لاہور آمد، قیام اور وفات کے حوالے سے کہیں سے بھی کوئی مستند معلومات نہیں ملتیں، قیاس آرائیاں البتہ خوب ملتی ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں اول تذکرہ ''فوائد الفواد'' میں ملتا ہے۔ اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' (مطبوعہ 40-1639) میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے بعد تحقیقات چشتی (1864) اور خزینۃ الاصفیاء (1865) میں کئی نئی باتیں اچانک سامنے آتی ہیں جن کا کوئی قدیمی مستند حوالہ دیئے بغیر مولفین تحریر کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہیں سے بہت سی غلط فہمیوں اور مختلف تصورات نے جنم لیا۔ آپ کے وصال سے آٹھ سو سال بعد تحریر کی جانے والی یہ کتابیں کسی طرح بھی قابل اعتبار اور مستند نہیں گردانی جا سکتیں۔ بے شمار محققین نے نہایت دقت نظر سے تحقیق کے بعد آپ کے یوم ولادت، یوم وصال، لاہور آمد وغیرہ کے بارے میں قیاس آرائیاں کی ہیں جو یقیناً قابل تحسین ہیں۔ یہ باتیں کچھ ایسی ہیں کہ جن کا اثر حضرت علی ہجویریؒ کی شخصیت کی تشکیل پر نہیں پڑتا مگر کچھ واقعات اور مفروضے ایسے قائم کر لئے گئے ہیں جن کی سند تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اب اس کی صداقت کے لئے کیا دلیل لائی جا سکتی ہے بذات خود ایک توجہ طلب معاملہ ہے۔ مگر گذشتہ ایک سو سالوں سے حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں لکھنے والے مصنفین و مولفین نے بغیر تحقیق کے ان واقعات کو مسلسل لکھا ہے کہ اب قارئین اور عقیدت مندانِ حضرت علی ہجویریؒ ان کی صداقت کو جھٹلانے کے بارے میں سننے کے لئے تیار نہ ہوں گے اس مضمون کو تحریر کرنے کا مقصد اصل حقائق کو سامنے لانا ہے نہ کہ عقیدت مندان حضرت علی ہجویریؒ کے جذبات کو مجروح کرتا ہے۔ (واللہ علم بالصواب)

حضرت علی ہجویریؒ کی قبر مبارک کے حوالے سے قدیم ترین حوالہ داراشکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء میں ملتا ہے (2) جہاں وہ لکھتا ہے ''آپ کی قبر اپنی مسجد کے موافق سمت میں ہے۔''

مزید داراشکوہ لکھتا ہے ''ہر جمعرات کو آپ کے روضہء اطہر پر ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ہیں۔''

سفینۃ الاولیاء 40-1639 میں تحریر کی گئی، مذکورہ بالا جملوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سترہویں صدی کی چوتھی دہائی میں حضرت علی ہجویریؒ کی قبر پر تعمیرات موجود تھیں، مگر یہ تعمیرات کوئی ایسی قابل ذکر یا شاندار نہیں تھی بلکہ معلوم پڑتا ہے کہ اس وقت دربار شریف پر گنبد بھی نہیں تھا، اس لئے کہ تحقیقات چشتی کا مصنف لکھتا ہے۔(3)

''اور مزار گوہر بار حضرت پیر علی ہجویریؒ کی چبوترہ سنگ مرمر سفید پر واقع ہے اور مزار شریف سنگ مرمر کی حسین پر گلکاری سنگین حنوط ہوئی ہوئی ہے اور مزار کے دو درجہ ہیں ایک تو دو فٹ اونچا، اور پھر ایک فٹ کا اور چبوترہ اور اس پر تعویز اور اس چبوترہ پر ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو واقع ہے یہ پنجرہ چوبی میاں عیوض خان فیل بان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنوایا تھا۔''

سفینۃ الاولیاء کے مطابق آپ کی قبر پر روضہ اطہر موجود تھا جبکہ 1864ء میں تحریر کی جانے والی تحقیقات چشتی ہمیں اطلاع دیتی ہے کہ آپ کی قبر چبوترہ پر تھی اور اس پر ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو رکھا ہوا تھا، چونکہ قرین قیاس ہے کہ آپ کو اپنے حجرہ میں دفن کر دیا گیا تھا لہٰذا ابتداء میں یقینی طور پر آپ کا مزار سطحی نقشہ میں مربع شکل کا رہا ہوگا اور اس پر کوئی گنبد وغیرہ نہ تھا جبکہ بعد ازاں یہ مزار مبارک گر گیا تو آپ کی قبر کے چبوترہ کو ہشت پہلو کر دیا گیا اور پھر اس چبوترہ پر ہشت پہلو چوبی پنجرہ رکھا گیا۔ مگر یہ انیسویں صدی کی ساتویں دہائی کی بات ہے۔ اگر مزار شریف موجود ہوتا تو اس چوبی پنجرہ کا قبر پر رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ لاہور اور اس کے نواح میں اس طرح مزارات کے اندر چوبی پنجرہ کا رواج کبھی نہیں رہا۔ جنوبی پنجاب میں جہاں مزار میں بے شمار قبور ہوتی ہیں، وہاں شیخ کی قبر کو نمایاں امتیاز بخشنے کے لئے چوبی پنجرہ استعمال کیا جاتا ہے جبکہ یہاں مزار شریف کا حجرہ پہلے ہی بہت چھوٹا تھا۔

تحقیقات چشتی کا مصنف گنبد کی تعمیر کے بارے میں مزید لکھتا ہے:(4)

''اور اب 1278ھ میں مسمی نور محمد سادھو نے ایک گنبد بالائے پنجرہ چوبی تعمیر کرایا ہے اور پنجرہ سے لے کر تا عمارت گنبد ڈاکٹر محمد حسین متعینہ میڈیکل کالج نے آئینے چاروں طرف لگوائے ہیں، گنبد چونہ گچ خشتی پختہ، جس کا گنبد اوپر سے سبز ہے، تعمیر ہوا اور اس گنبد کی تاریخیں تعمیر کی شعرائے لاہور نے بہت لکھی ہیں۔''

ان حوالہ جات سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

1- 1278ھ میں پہلی بار گنبد کی تعمیر کی گئی اور شعراء نے اس کی تعمیر کی تاریخیں بیان کیں۔

2- گنبد سے قبل قبر پر صرف پنجرہ چوبی تھا۔

3- گنبد کی تعمیر کے بعد اندرونی جانب آئینے (شیشہ کاری) اور بیرونی جانب رنگ سبز کیا گیا۔

ایسی ہی تفصیلات بسلسلہ تعمیر گنبد و شیشہ کاری بر مزار حضرت علی ہجویری ہمیں ''تاریخ لاہور'' میں کنہیالال ہندی اپنی زبان میں دیتے ہیں۔(5)

''چبوترہ سنگ مرمر کا ہے اور فرش سنگ مرمر کا، قبر بھی ایک ٹکڑا سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ چبوترے کے آٹھوں پہلوؤں پر چوبی پنجرہ ہے پہلے اوپر مزار کے گنبد نہ تھا مگر 1278ھ میں مسمی نور محمد سادھو نے یہ گنبد بنوایا ہے جو اب موجود ہے گنبد مدّ ور نہایت خوبصورت ہے، آٹھوں دہن رکھے گئے ہیں آٹھوں میں نیچے پنجرے اور اوپر آئینے لگا کر بند کر دیئے گئے ہیں جنوبی دروازہ رکھا گیا ہے۔''

مزار شریف حضرت علی ہجویری کے بارے میں قدیم ترین بصری حوالہ ہمیں اگر ایک جانب جان اے سجان کی کتاب (مطبوعہ 1938ء) میں دی گئی ڈاکٹر ایل ای براؤن کی فوٹو گراف میں ملتا ہے(6) تو دوسری جانب کم و بیش اسی زاویئے سے تیار کی گئی استاد میراں بخش مورتاں والے (1844-1877) کی وہ آبی رنگوں کی خوبصورت پینٹنگ ہے جو بالکل اصل معلوم ہوتی ہے ان دونوں حوالوں سے مزار شریف کی بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی کی صورتحال قطعی واضح ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر ای ایل براؤن کی فوٹو گراف میں ہمیں ہشت پہلو مزار کے اندر چوبی پنجرہ واضح نظر آتا ہے جبکہ استاد میراں بخش مورتاں والے کی آبی رنگوں کی پینٹنگ میں چوبی پنجرے پر چڑھایا گیا چاندی کا پرت دکھائی پڑتا ہے جس کے بارے میں ہمیں محمد دین فوق اطلاع دیتے ہیں۔(7)

''آپ کے تعویذ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے جس کو میاں عیوض خان فیل بان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1240ھ میں بنوایا تھا۔''

''حضرت کے چبوترہ کے گرد جو چاندی کا کٹہرہ ہے عرصہ ستائیس سال کا ہوا نواب غلام محبوب سبحانی نے اس کٹہرہ پر چاندی لگوادی تھی۔''(8) (گویا چاندی کا کام کہیں 1887ء میں ہوا تھا)

مذکورہ بالا تصویر اور آبی رنگوں کی پینٹنگ سے درج ذیل معلومات بھی ملتی ہیں۔

1- ہشت پہلو مزار شریف کی بیرونی دیواروں کی سطح پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔

2- ہشت پہلو پلیٹ فارم جس پر چوبی پنجرہ تھا وہ اس ہشت پہلو عمارت کی بیرونی دیواروں سے قدرے اندر کی جانب تھا۔

3- ہشت پہلو عمارت کے آٹھوں در پہلے کھلے تھے، بعدازاں ان میں سنگ مرمر کی جالیاں آویزاں کر کے ان کو بند کر دیا گیا اور یہ یقینی طور پر بیسویں صدی کے نصف کا واقعہ ہے۔

4- ہشت پہلو عمارت کے اوپر گنبد کی بیرونی سطح پہلے سبز رنگ کی تھی، بعدازاں ساتویں دہائی میں اس پر سبز ٹائلیں لگا دی گئیں۔

5- حضرت علی ہجویریؒ کی قبر صحن سے کم و بیش تین فٹ بلند پلیٹ فارم پر تھی جو ہشت پہلو تھا اور آج بھی ویسا ہی ہے۔ صرف ہشت پہلو مزار شریف کے گرد بیس فٹ چوڑی غلام گردش بنا دی گئی ہے۔ جس کی دو حصوں میں توسیع ہوئی ہے پہلے مزار شریف کے گرد دس فٹ چوڑی غلام گردش تمام طرف بنائی گئی بعدازاں مزید دس فٹ چوڑی غلام گردش کی توسیع کر دی گئی۔ یہ تعمیراتی کام ساتویں دہائی میں ہوا۔

حضرت علی ہجویریؒ کی درگاہ کے بارے میں تفصیلات ہمیں تحقیقات چشتی میں ملتی ہیں، اس سے قبل کسی بھی کتاب یا چشتیوں کے ملفوظات میں کہیں بھی اس کی تعمیر و نواحی عمارات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں پڑتا۔ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں صرف آپ کی قبر کا ذکر کرتا ہے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل نے صرف اتنا لکھا ہے ''آپ نے لاہور میں قیام فرمایا اور یہیں آسودہ خاک ہوئے جہاں آپ کے مرقد پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔''

تحقیقات چشتی کا مصنف لکھتا ہے:(9)

''قبل اس کے گرد و نواح اس کے (مزار حضرت علی ہجویریؒ) قبرستان بہت بھاری تھا مگر اب مسمار ہو گیا ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بہت سے مقبرہ جات اور قبور جو گرد و نواح اس کے تھے، مسمار کرا دیئے تو بھی بہت قبور تا ہنوز باقی ہیں۔''

جہاں تک انیسویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے، درگاہ حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں ہمیں جو تفصیلی معلومات تحقیقات چشتی میں ملتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ (10)

1- درگاہ حضرت علی ہجویریؒ تک جانے کے لئے راستہ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کی غربی

جانب واقع قدیمی مسجد کے پیچھے غربی جانب سے گزر کر شمالی جانب جانا تھا اور پھر مسجد کے ایوان کے اختتام پر شرقی جانب مڑ کر سیدھا مزار حضرت علی ہجویریؒ تک پہنچتا تھا۔ اس راستے کی دونوں جانب اور مزار شریف کے صحن میں کئی پلیٹ فارم تھے جو مجاوروں کی نشست گاہیں تھیں جہاں وہ آنے والے عقیدت مندوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔

2- حضرت علی ہجویریؒ کے ہشت پہلو مزار کے نواح میں کئی پختہ قبر و مزارات موجود تھے جن میں سے مزار چوہدری غلام رسول، قبر پختہ محمد خان مہتمم ٹکسال، مزار شیخ امام الدین خان بہادر گورنر کشمیر پختہ قبر شیخ سلیمان مجاور، قبر میر مومن خان نائب ناظم لاہور، قبر سید حضوری شاہ، شیخ ہندی کی قبور زیادہ اہم ہیں۔

3- درگاہ حضرت علی ہجویریؒ کے نواح میں کئی کنویں تھے جو وقف تھے، جہاں سے لوگ ضرورت کے لئے پانی نکالتے رہتے تھے۔ نئی مسجد کی تعمیر کے دوران جب کھدائی کی گئی تو ایسا ہی ایک کنواں نکلا تھا اس کے علاوہ ایک چاہ میاں فضل دین، ایک چاہ میاں صدرالدین کا تھا اور ایک چاہ رنجیت سنگھ نے بنوا کر مجاورین کو دیا۔

درگاہ حضرت علی ہجویریؒ کی نسبت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حوالے سے تین باتیں ایسی زبان زدعام ہیں جن پر تحقیق کی جانی مطلوب ہے۔

1- خواجہ معین الدین چشتیؒ جب ہندوستان آئے تو درگاہ حضرت علی ہجویریؒ کی پائنتی جانب چلّہ کشی کی اور پھر ان کو ہندوستان کی ولایت عطا ہوئی اور فیوض و برکات سے نوازا گیا اس کی یادگار کے طور پر آج بھی مزار شریف کی جنوبی جانب چلّہ گاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ موجود ہے۔

2- حضرت علی ہجویریؒ سے ولایت پانے کے بعد خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کی قبر کی پائنتی جانب کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔ (تحقیقات چشتی میں یہ شعر یوں درج ہے) ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل، ناقصاں را رہنما

کچھ لوگ اس شعر کو یوں بھی پڑھتے ہیں۔ ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

کیا کوئی ایسا تاریخی حوالہ موجود ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ واقعی یہ شعر خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہے اور انہوں نے حضرت علی ہجویریؒ کی قبر کی پائنتی جانب کھڑے ہو کر پڑھا تھا۔

3- تیسری بات حضرت علی ہجویریؒ کی ''گنج بخش'' کے حوالے سے مقبولیت ہے۔ اکثر مولفین کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا شعر کے بعد حضرت علی ہجویریؒ گنج بخش مشہور ہوئے۔ کچھ کہتے ہیں آپ کو اپنی زندگی میں ہی ''گنج بخش'' کے نام سے مقبولیت مل چکی تھی۔

اب ہم باری باری تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں مذکورہ بالا تینوں دعوؤں کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ کس حد تک ان میں سچائی موجود ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حوالے سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مرتب کردہ کتاب ''دلیل العارفین'' ہے جو خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ دلیل العارفین بارہ مجالس پر مشتمل کتاب ہے جس میں درج ذیل چار اہم موضوعات پر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات قلم بند کئے گئے ہیں۔

1- فقر و ثواب کے بارے میں
2- مکتوبات و تسبیح کے بارے میں
3- اوراد و وظائف کے بارے میں
4- سلوک اور اس کے فوائد کے بارے میں

کتاب کی پہلی مجلس نماز اور حرمت مرشد کے بیان کے بارے میں ہے یہ مجلس بغداد میں ہوئی اور یہ وہ پہلا دن تھا جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گیارہویں مجلس کے اختتام پر یہ اطلاع مل جاتی ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ اب اجمیر شریف جانے والے ہیں لہٰذا بارہویں مجلس جو ملک الموت کے بیان کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے وہ اجمیر شریف میں منعقد ہوتی ہے اور یوں ''دلیل العارفین'' کی تکمیل ہو جاتی ہے ان مجالس میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے علاوہ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ اجل شیرازیؒ، شیخ سیف الدینؒ، شیخ داؤد کرمانیؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ، شیخ تاج الدینؒ محمد صفا پانی، شیخ جلال الدینؒ، شیخ محمد احمد چشتیؒ کے علاوہ کئی بزرگ اور صوفیاء موجود رہتے تھے جن کی موجودگی میں خواجہ معین الدین چشتیؒ نے مذکورہ موضوعات پر گفتگو کی۔

نہ صرف ''دلیل العارفین'' بلکہ ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' جیسی چشتی صوفیاء کے

ملفوظات پر مشتمل کسی بھی کتاب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اس چلّہ کشی کا کہیں مذکور نہیں ہے۔ اس طرح سترہویں صدی میں تحریر کی جانے والی داراشکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء میں بھی ہمیں اس چلّہ کشی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں اولین حوالہ تحقیقات چشتی میں ملتا ہے جو 1864ء میں طبع ہوئی۔

نور احمد چشتی لکھتے ہیں (11)۔ ''سن پانسو ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ان حضرت (علی ہجویریؒ) کی مزار پر آئے اور چلّہ ادا کیا چنانچہ حضرت کے مزار کے جنوب دید، اندرون چار دیواری مکان چلّہ اب تک موجود ہے۔''

تحقیقات چشتی میں مصنف لکھتا ہے کہ معلومات مجاورین کے زبانی اس کے علم میں آئیں۔ میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری ''فاتح قلوب'' (مطبوعہ 2004) میں یہاں تک لکھ جاتے ہیں۔ (12)

''حضرت خواجہ جب لاہور تشریف لائے تو وہ دس ماہ حضور داتا گنج بخش کے آستانہ پر مقیم رہے اور آستانہ کے سجادہ نشین و متولی حضرت شیخ عنایت اللہ کو آپ کے میزبان اور مصاحب ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت میراں حسین زنجانیؒ اور حضرت عزیز الدین پیر مکیؒ سے بھی باہم ملاقاتیں رہیں قیام لاہور کے دوران آخری چالیس دن حضرت شیخ ہندی کے حجرہ شریف جو حضرت داتا گنج بخش کے قدموں میں موجود تھا حضرت خواجہ اجمیر نے مزار داتا پر اعتکاف فرمایا۔''

چشتی صوفی چلّہ کو زیادہ پسند نہ کرتے تھے اس لئے جب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے چلّہ معکوس کے لئے اول خواجہ بختیار کاکیؒ سے اجازت طلب کی تو انہوں نے پہلے انکار کر دیا۔ اس وقت چشتی صوفیاء کے ملفوظات پر مشتمل درجنوں کتابیں موجود ہیں مگر کہیں ایک بار بھی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے درگاہ حضرت علی ہجویریؒ پر قیام، اعتکاف یا چلّے کے حوالے سے گواہی نہیں ملتی، ہاں فوائد الفواد میں خواجہ معین الدین چشتی کے لاہور آنے اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ سے ملاقات کے بارے میں ضرور معلوم ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ محمد دین فوق اور دیگر مولفین لکھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی 537ھ میں سنجر میں پیدا ہوئے۔ 580ھ کے قریب یا اس سے پہلے وہ ہندوستان تشریف لائے اس لحاظ سے تو نور احمد چشتی کا یہ کہنا کہ آپ 500ھ میں درگاہ علی ہجویریؒ پر چلّہ کش ہوئے، قابل اعتبار نہیں ٹھہرتا۔ اب اگلی بات اس معروف شعر سے متعلق ہے کہ جسے خزینۃ الاصفیاء اور تحقیقات چشتی کے مصنفین نے خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب کر دیا ہے۔ انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں لکھی جانے والی ان کتب سے قبل ہمیں اس شعر کا کوئی اور حوالہ نہیں ملتا۔

یہ شعر اگر خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہی ہے جو انہوں نے حضرت علی ہجویریؒ کے لئے لکھا تھا تو چشتیوں کے ملفوظات میں کہیں تو اس کا ذکر ہوتا، یہاں تک کہ دارا شکوہ کی سفینۃ الاولیاء میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اور وہ آپ کو حضرت علی ہجویریؒ ہی لکھتا ہے۔ اسی طرح فوائد الفواد کا مصنف بھی آپ کو گنج بخش کے بجائے شیخ علی ہجویری لکھتا ہے۔ یوں لگتا ہے یہ کہانی بھی صاحب خزینۃ الاصفیاء اور صاحب تحقیقات چشتی کی خود ساختہ ہے یا پھر اس کے راوی بھی مجاورین ہیں۔

اس شعر کی تشکیل کیسے ہوئی ہمیں تھوڑا پیچھے جھانکنا پڑے گا۔ سفینۃ الاولیاء کا مولف دارا شکوہ کشف المحجوب کے حوالے سے لکھتا ہے۔(13)

''یہ کتاب درحقیقت ایک کامل رہنما ہے اور کتب تصوف میں ایک مرشد کامل، فارسی زبان میں ایسی کامل کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔''

اسی طرح مولانا متین ہاشمی نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے سے درج کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:(14)

''می فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی
ہجویری است قدس اللہ روحہ، العزیز
اگر کسی را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را
مطالعہ کند اورا پیدا شود من ایں کتاب را
بہ تمام مطالعہ کردہ''

ترجمہ: ''کشف المحجوب حضرت شیخ علی کی تصنیف ہے اگر کسی کا پیر نہ ہو جب وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے پیر کامل مل جائے گا، میں نے اس کتاب کا بتمام و کمال مطالعہ کیا ہے۔''

اب ذرا آیئے دوبارہ اس شعر کا مصرع ثانی دیکھتے ہیں۔

''کاملاں را پیر کامل، ناقصاں را رہنما''

شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور دارا شکوہ کے عہد میں اگر خواجہ معین الدین چشتی سے منسوب یہ شعر اگر موجود ہوتا تو ہر دو شخصیات کو حوالے کے طور پر ترجیحاً اسے پیش کرنا چاہئے تھا۔

مذکورہ بالا صورتحال سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ شعر نہ تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہے اور نہ ہی سترہویں صدی تک اس کا وجود تھا بلکہ اس کے بعد کسی نے دارا شکوہ اور شیخ نظام

الدین اولیاء کے انہی خیالات کو شعر کی شکل میں باندھا اور مصرع اولیٰ کا اضافہ کر دیا۔ جہاں تک حضرت علی ہجویری کے ''گنج بخش'' کے حوالے سے مقبول ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہماری تائید کو حکیم محمد موسیٰ امرتسری موجود ہیں جنہوں نے کشف المحجوب کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے۔(15)

''حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں گنج بخش کہا۔ قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔''

قرین حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کو گنج بخش کا لقب اور مذکورہ بالا شعر دونوں ہی داراشکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء (مطبوعہ 40-1639) کے بعد کا معاملہ ہے وگرنہ داراشکوہ ضرور اس شعر کو درج کرتا اور آپ کو صرف حضرت علی ہجویریؒ کے بجائے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری لکھتا لہٰذا حضرت علی ہجویریؒ کو داتا گنج بخش کے حوالے سے مقبول ہونے کا عرصہ سترہویں صدی کا اخیر یا اٹھارہویں صدی کا کوئی زمانہ سمجھنا چاہئے۔

''کشف الاسرار'' کے صفحہ 5 پر لکھا ہے۔''اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے'' اب محققین کا متفقہ خیال ہے کہ کشف الاسرار حضرت علی ہجویریؒ کی تخلیق نہ ہے بلکہ اسے مغلیہ عہد کے آخری سالوں میں تحریر کر کے حضرت علی ہجویریؒ کے نام منسوب کر دیا گیا۔ اس بات کو اگر تسلیم کر لیا جائے تب بھی آپ کے گنج بخش مشہور ہونے کا زمانہ یہی بنتا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کے کم و بیش سبھی مولفین نے آپ کے ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی مسجد کے درست قبلہ رخ کے تعین کے بارے میں آپ کی کرامت بیان کی ہے۔ اس کرامت کا نقطہ آغاز داراشکوہ کی تالیف ''سفینۃ الاولیاء'' ہے جس میں درج ہے۔(16)

''ایک مسجد تھی جو آپ نے خود تعمیر کرائی تھی جس کا محراب دوسری مساجد کی نسبت جنوب کی طرف جھکا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ اس وقت کے علماء نے اس محراب کے ٹیڑھا ہونے کی بابت اعتراض کیا تھا۔ ایک دن آپ نے سب کو جمع کیا اور امامت فرمائی اور بعد ازاں سب کو خطاب کیا، دیکھو کعبہ کس طرف ہے تمام حجابات درمیان سے اٹھ گئے اور کعبہ مجازی نظر آتا تھا۔'' (صفحہ 210)

''سفینۃ الاولیاء'' کی اشاعت کے بعد تقریباً سبھی اہم مولفین نے بغیر تحقیق کے اس واقعہ کو کم و بیش اسی تفصیل کے ساتھ بار بار لکھا، جس سے چند جزئیات میں اضافہ بھی ہو گیا۔

محمد دین فوق لکھتے ہیں(17) ''یہ مسجد آپ نے اپنی گرہ سے تعمیر کرائی۔''(صفحہ 53)

خزینۃ الاصفیاء کے مولف نے بھی تعمیر مسجد اور قبلہ رخ کے حوالے سے آپ کی کرامت کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ جہاں ان کی خانقاہ تھی وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ایک دن تمام علمائے شہر کو جمع کیا اور خود امام بن کر اس مسجد میں نماز پڑھائی۔''

اب یہاں غلام سرور قادری مزید معلومات مہیا کر دیتے ہیں کہ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو جاتی ہے تب ایک دن علمائے شہر کو اکٹھا کر کے نماز پڑھاتے ہیں اور مزید لکھتے ہیں کہ جہاں ان کی خانقاہ تھی وہاں ایک مسجد کی تعمیر کی۔

جہاں تک مسجد کی تعمیر کا معاملہ ہے، یقیناً انیسویں صدی کی نویں دہائی تک انہی پرانی بنیادوں پر ایک قدیمی مسجد موجود رہی ہے جسے نئی مسجد کی تعمیر کے وقت گرا دیا گیا۔ یہ مسجد آپ کے مزار شریف کے جنوب مغربی سمت میں تھی۔ اب دوسرا معاملہ اس کے درست قبلہ رخ ہونے کا ہے کہ وہ چونکہ شہر کی باقی مساجد کی نسبت قدرے جنوب کی جانب تھا لہٰذا علماء نے اعتراض کیا۔

اب یہاں دو اہم باتیں محل نظر ہیں، جس وقت حضرت علی ہجویریؒ لاہور تشریف لائے اس وقت یہاں شہر میں کافی علماء موجود تھے، لہٰذا یہاں مسلمانوں کی تعداد بھی کافی ہوگی اور اسی نسبت سے یہاں کئی مساجد پہلے سے تعمیر ہوں گی، یاد رکھیے حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور آمد کا زمانہ گیارہویں صدی کا وسط ہے اور آپ سے پہلے شیخ اسماعیل لاہوریؒ اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ جیسے علماء موجود تھے لہٰذا یہ تصور کہ آپ کے ہاتھ پر پہلا مسلمان یہاں کا نائب حکمران رائے راجو تھا جسے آپ نے بیعت کرنے کے بعد شیخ ہندی کا خطاب دیا، یقیناً غلط ٹھہرتا ہے۔

جہاں تک حضرت علی ہجویریؒ کی اس کرامت کا ذکر ہے کہ آپ کے کہنے پر جب حاضرین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سب کو کعبہ اپنی آنکھوں کے سامنے اسی سمت میں نظر آیا، داراشکوہ سے پہلے فوائد الفواد کا مولف بھی ایک اور بزرگ خواجہ حسن افغانی کے حوالے سے ایسا ہی ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔(18)

''ایک دفعہ لوگوں نے ایک جگہ مسجد بنائی خواجہ حسن افغانی وہاں پہنچے انہوں نے عمارت بنانے والوں سے کہا کہ محراب کا رخ یوں ہو، قبلہ اس طرف ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک اشارہ کیا، ایک دانشمند وہاں موجود تھا اس نے بحث شروع کر دی اور کہا کہ نہیں سمت کعبہ دوسری طرف ہے، الغرض ان کے مابین بہت سی باتیں ہوئیں، آخر خواجہ حسن افغانی نے اس دانشمند سے کہا کہ

جس سمت میں کہہ رہا ہوں تم منہ ادھر کرو اور اچھی طرح دیکھو، دانشمند نے منہ اس طرف کیا اور کعبہ کو اسی سمت میں روبرو پایا جس سمت میں خواجہ حسن نے کہا تھا۔''

جہاں تک لاہور میں قبلہ رخ کا معاملہ ہے تو آج کی سائنسی تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ لاہور میں قبلہ رخ جانب مغرب سو فیصد نہیں ہے بلکہ مغرب سے جنوب کی سمت بارہ ڈگری کے فرق کے ساتھ جھکا ہوا ہے۔ چند برس پہلے جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پر نئی مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو قبلہ رخ کا تعین کرتے ہوئے یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی قدیمی مسجد کا قبلہ درست قبلہ سے کم وبیش سولہ ڈگری کے فرق کے ساتھ تھا، نئی مسجد کی تعمیر نے نماز پڑھنے والوں کے لئے ایک نئی الجھن پیدا کر دی ہے کیونکہ لوگ جب مزار شریف سے ملحقہ بارہ دری یا صحن میں نماز پڑھتے ہیں تو قدیمی تعمیرات کے حوالے سے غلط رخ پر قبلہ شریف کا تعین کر لیتے ہیں، اس الجھن کی ایک دوسری وجہ مسجد کے ڈیزائن میں داخلی دروازوں کا رخ بھی ہے جو 45 ڈگری کے زاویئے سے مسجد کے ایوان میں کھلتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علی ہجویریؒ کی خانقاہ پر 1981ء میں جب نئی مسجد کی تعمیر کے لئے درست قبلہ رخ کے تعین کا معاملہ پیش آیا تو اس وقت سروے آف پاکستان ایئر فورس کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں (19)۔ 28 مئی 1981ء کو دونوں محکموں نے آزادانہ طور پر درست قبلہ رخ کا تعین کیا تو نہ صرف دونوں محکموں کے تعین کردہ قبلہ رخ آپس میں نہ ملتے تھے بلکہ یہ قدیمی مسجد اور مزار سے بھی قدرے مختلف تھے سروے آف پاکستان کا تعین کردہ قبلہ رخ درست سمجھا گیا اور یہ بہت ہی معمولی سے فرق کے ساتھ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار شریف کی نسبت سے نکلنے والے قبلہ رخ کے بہت قریب تھا۔ علماء کا بھی یہی اصرار تھا کہ درست قبلہ کا رخ حضرت علی ہجویریؒ کے تعویذ مبارک کی نسبت سے ہونا چاہئے۔ لہٰذا 22 جولائی 1981ء کو درست قبلہ رخ کے تعین کے لئے ایک تلخیص گورنر پنجاب کو بھیج کر منظوری لی گئی۔ یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، چونکہ قدیمی مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام گذشتہ کئی صدیوں سے ہو رہا تھا لہٰذا حضرت علی ہجویریؒ کے زمانے کے طے کردہ قبلہ رخ میں معمولی سا فرق آ جانا کوئی بعید از قیاس نہیں ہے، مگر چونکہ آپ کی قبر اور مزار مبارک کی تعمیر نو و توسیع نسبتاً بہت کم ہوئی ہے لہٰذا وہاں کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا، اس صورتحال سے سائنسی طور پر حضرت علی ہجویریؒ کے تعین کردہ قبلہ رخ کی توثیق ہو جاتی ہے۔

چشتی، سہروردی، قادری اور نقش بندی صوفیاء کے برعکس حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں ہمیں معلومات نہ ہونے کے برابر ملتی ہیں، اس کی وجہ یقیناً ایک تو یہ ہے کہ چونکہ آپ نے کوئی صوفی سلسلہ شروع نہیں کیا اور نہ ہی مذکورہ صوفی سلسلوں کے نمائندگان کی طرح خلافت عطا کی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کئی صدیوں تک آپ کے بارے میں کہیں معلومات نہیں ملتیں، اسی وجہ سے آپ کے بارے میں قیاس آرائیاں زیادہ کی گئیں ہیں، یہ تمام باتیں زیادہ اہم نہیں ہیں، اگر اہمیت ہے تو آپ کی تصنیف کردہ کشف المحجوب کی ہے۔ جو کم وبیش ساڑھے نوسو سال پہلے تحریر کی گئی مگر آج بھی تصوف کے حوالے سے یہ کتاب نہایت جامع اور باکمال ہے۔ اس سے آپ کے بعد آنے والے چشتی، سہروردی اور نقش بندی صوفیاء نے کسب فیض حاصل کیا ہے۔

کشف المحجوب کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں۔(20)

''اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ ''القشیریہ'' ہے۔ موضوع اس کا بھی تصوف ہے۔ دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے برخلاف اس کے مخدوم ہجویریؒ ایک محققانہ ومجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر رد وقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔''

سید ہجویر میں مولانا سید محمد متین ہاشمی لکھتے ہیں(21)۔ حضرت فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب کے صفحات کے صفحات نقل کئے ہیں، مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' کی تالیف میں کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے، حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکتوبات میں کشف المحجوب کی عبارتوں کو نقل کیا ہے، ژوفسکی نے بتایا ہے کہ خواجہ محمد پارساؒ نے اپنی عظیم کتاب فصل الخطاب میں کشف المحجوب سے مدد لی۔ مقدمہ کشف المحجوب میں ژوکوفسکی لکھتا ہے کہ سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ کی تالیف وتدوین میں کشف المحجوب سے بار بار اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔

حوالہ جات

1- داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء''، نفیس اکیڈمی کراچی (1959) صفحہ 210-209

2- ایضاً۔

3- نور احمد چشتی ''تحقیقات چشتی''، الفیصل لاہور (2001) صفحہ 819

4- ایضاً۔

5- کنہیالال ہندی ''تاریخ لاہور''، مجلس ترقی اردو لاہور۔ صفحہ 321

6- جان اے سبحان ''Sufism: Its Saints and Shrines''، لکھنو پبلشنگ ہاؤس (1938)

7- محمد دین فوق ''سوانح حضرت داتا گنج بخش''، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (2002) صفحہ 155

8- ایضاً۔

9- نور احمد چشتی ''تحقیقات چشتی''، الفیصل لاہور (2001) صفحہ 814

10- ایضاً۔

11- ایضاً۔ صفحہ 167

12- محمد سلیم حماد ہجویری قادری ''فاتح قلوب''، ہجویری فاؤنڈیشن لاہور (2004) صفحہ 33

13- داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء''، نفیس اکیڈمی کراچی (1959) صفحہ 210

14- سید محمد متین ہاشمی ''سید ہجویر''، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (1985) صفحہ 159-158

15- حکیم محمد موسیٰ امرتسری مقدمہ کشف المحجوب ترجمہ سید ابوالحسنات قادری۔ صفحہ 24

16- داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء''، نفیس اکیڈمی کراچی (1959) صفحہ 210

17- محمد دین فوق ''سوانح حضرت داتا گنج بخش''، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (2002) صفحہ 53

18- امیر حسن علا سجزی ''فوائد الفواد''، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (2001) صفحہ 51

19- غافر شہزاد ''داتا دربار کمپلیکس تعمیر سے تکمیل تک''، ادراک لاہور (2004) صفحہ 54-53

20- عبدالماجد دریابادی ''تصوف: اسلام''، اعظم گڑھ (1946) صفحہ 54-53

21- سید محمد متین ہاشمی ''سید ہجویر''، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (1985) صفحہ 207-206

❁❁❁❁❁

ہندوازم (ہندومت) کا تاریخی ارتقاء

اشفاق سلیم مرزا

آسمان اور زمین (اولیں دیوتا)

اس سے پہلی قسط میں اس بات کا سرسری ذکر کیا گیا تھا کہ انسان کا اس کائنات کو سمجھنے کا پہلا حوالہ معاشی اور ذاتی تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ آسمان اور زمین کو جنسی علامات کے طور پر بھی دیکھا گیا۔ یعنی آسمان اور زمین کا پہلا احاطہ تذکیر اور تانیث کے طور پر کیا گیا۔ اس طرح کہ آسمان کو مذکر اور زمین کو مونث قرار دیا گیا۔ یہ نہ صرف ویدی دیومالا میں ہوا۔ بلکہ غیر آریائی دیومالاؤں میں بھی اکثر جگہ ایسا ہی نظر آتا ہے۔ میکس مُلر (Max Muller) کہتا ہے کہ میری نظر میں انیسویں صدی کی سب سے اہم دریافت سنسکرت کا ڈیوس پتار (Dyaus Pitar) یونان کا زوس پیٹر (Zeus Pater) لاطینی کا جوپیٹر (Jupitar) اور نورس [1] کا ٹیر (Tyr) ہے۔ اس کے نزدیک آسمانی باپ کے یہ حوالے آریائی زبانوں میں مشترک ہیں۔ (Martin, 1988.25)

جبکہ دوسری طرف قدیم ترین دیومالاؤں میں زمین کو زرخیزی کی علامت اور پیداوار کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آریاؤں سے پہلے وادی سندھ میں بھی دھرتی ماتا کی پوجا کی جاتی تھی۔

یونانی دیومالا میں بھی زمین کو ''دیوتاؤں کی ماں اور ستاروں بھرے آسمان کی بیوی کہا گیا ہے۔'' (ایسکائیلس) [2] (Aschylus Danaides 41st Fragmend)۔ اِس میں ایفرودیتی [3] کہتی ہے۔ ''مقدس آسمان زمین کی طرف پیار بھری نگاہ ڈالتا ہے۔ اور زمین جنسی ملاپ کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ گیلے آسمان سے برستی ہوئی بارش زمین کو حاملہ کر دیتی ہے۔ جو پھر

فانی انسانوں کی بھیڑوں کے لئے اناج پیدا کرتی ہے اور ڈیمیٹر (Demeter) کی بقاء کے لئے بھی۔ اِس ملاپ سے جو بارش ہوتی ہے وہ جنگلوں میں نباتات کی افزائش کا باعث بھی ہے۔ ان تمام کاموں میں میرا (ایفرودیتی) بھی اہم کردار ہے۔''

قدیم مصری ادب اور دیومالا میں آسمان کو سب سے زیادہ بلند مقام دیا گیا ہے۔ بعدازاں آسمان پر سب سے روشن ستارے سورج کو عظیم دیوتا مان لیا گیا۔ اُسے ''را'' کہا گیا۔

عظیم دیوتا کے مقام پر براجمان اس دیوتا کو کائنات کا خالق اور زندگی کو پیدا کرنے والا کہا گیا۔(Shorter 1981.4)

ابن حنیف کا کہنا ہے کہ ''مصر کے تمام کائناتی دیوتاؤں میں سب سے پہلا مقتدر دیوتا غالباً وہ تھا جو نور اور آسمان کا دیوتا تھا یہ یقیناً سورج دیوتا تھا جسے مصر والے را اور آتن کے نام سے پکارتے بلکہ ''آتن'' تو سورج دیوتا ''را'' سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل وہ پورے آسمان کی تجسیم تھا'' (حنیف 1992.19)۔ یہاں ابنِ حنیف نے ''را'' اور آتن کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی سانس میں ساتھ ساتھ بیان کر دیا۔ جبکہ را اور آتن دو مختلف ادوار کے دیوتا ہیں۔ جس میں ''را'' پہلے آتا ہے اور ''آتن'' بعد میں متعارف ہوا۔

را دیوتا چونکہ پہلے مصریوں میں مقبول تھا۔ اس لئے فرعون اِخناتون نے ''قرصِ خورشید'' کی صورت میں آتن کو متعارف کروایا۔ اس کے متعارف ہونے کے بعد باقی سب دیوتاؤں کی پرستش حکماً بند کر دی گئی اور پرانی روش پر چلنے والے پجاریوں کو مندروں سے نکال دیا گیا۔ اور آتن کے علاوہ کسی دوسرے دیوتا کی پرستش کی اجازت نہ دی گئی۔ واحدانیت پر قائم مذاہب اور قدیم دیومالائی مذاہب کے خدا اور دیوتاؤں میں یہ فرق ہے کہ توحیدی خدا ''واحدہ ھولا شریک'' ہے یعنی وہ نہ تو کسی سے جنا گیا اور نہ ہی اس نے کسی کو جنا۔ لیکن ویدی دیومالا میں جہاں ڈیوس اور پرتھوی نے دوسرے دیوتاؤں کو جنم دیا۔ وہاں یونانی دیومالا میں زوس اور ھیرا سے بھی دیوی دیوتا پیدا ہوئے۔ اسی طرح مصری را نے اپنے ساتھ ہی جنسی ملاپ سے اپنے منہ سے دیوتا شو اور دیوی ٹیفنت کو پیدا کیا جو بالترتیب ہوا اور گیلے پن کی تجسیم تھے۔ ان سے دو بچے پیدا ہوئے۔ جیب اور نُٹ پھر ان سے اوسی رس، آئسس، سَت اور نیفتھیس پیدا ہوئے۔

-(Geb, Nut, Osiris, Isis, Set, Nephthys)

لیکن آسمانی دیوتا آمُن کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔ انیسویں خاندان کی ایک دستاویز یہ بتاتی ہے کہ آمُن سب سے عظیم ہے۔ وہ آسمانوں اور زمینوں پر حکومت کرتا ہے۔

آمُن، رے اور پتاح تینوں ایک ہیں۔ خالق کے طور پر وہ آمن۔ آتم، ھَر اختی ہے وہ تمام کائنات کا خالق ہے۔ اُس نے اپنے منہ سے کہا تو تمام انسان، دیوتا تمام چھوٹے اور بڑے چوپائے، پرندے اور چمکنے والی اشیاء وجود میں آ گئیں۔ (Wilson, 1951.233,229) کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ آمن اور ''را'' ایک ہی ہیں۔

اسی طرح سمیریوں کے ہاں ''اَن'' آسمانی دیوتا تھا۔ لیکن یہ ایک تکوین تھی۔ جس میں اَن آسمانی، اِن لل زمینی اور اِنکی پانی کا دیوتا ہے یا پھر مادرِ عظیم نِن ہُرسگ ہے جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ''اَن'' کے معنی ہیں آسمان۔

اِن مثالوں سے یہ واضح کرنا تھا کہ سب سے پہلے جن دیوتاؤں کی شہادتیں ملتی ہیں۔ اُن میں سے سب سے بڑے دیوتا کا تعلق عموماً آسمان سے ہی تھا اور اُس کا مسکن بھی آسمان ہی تھا دیومالاؤں کے بعد اِس بات کا تسلسل توحیدی اور الہامی مذاہب میں بھی ملتا ہے اور اِس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن توحیدی مذاہب میں خدا سے افزائش نسل کو منسوب نہیں کیا گیا۔

ویدی (Vedic) دیوی، دیوتاؤں کی تقسیم

دوسرے خطوں کی دیومالاؤں کی طرح ویدی دیوسنگت (Pantheon) میں اپنے دو مخصوص کاموں کے حوالے سے آریاؤں نے دیوتاؤں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ آسمان اور زمین گو عمومی حالات میں اس گروہی تقسیم سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اس جوڑے (Pair) کے جنسی ملاپ کو بھی سب نعمتوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ آسمان زمین کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں اور بارش کے ذریعے اُس میں بیج (Fertilize) ڈالتا ہے اور زمین انسانوں کو اُن اشیاء سے مالا مال کر دیتی ہے۔ جن کا تعلق اُس کی بقا سے ہے۔ زمین زندگی کے تسلسل کی ضامن ہے۔ اِن کے بعد جن دیوتاؤں نے اِن سے جنم لیا۔ یا مظاہر قدرت کے روپ میں دیوتاؤں میں تجسیم ہوئے اُن سے بھی آریاؤں نے خوراک کی رسد اور افزائش نسل کے لئے التجائیں کیں۔ اولیں مذاہب کی زیادہ تر مناجات، دعاؤں اور قربانیوں کے گرد مرتکز ہیں۔

خوراک کی اِس رسد کی طلب اور اُس کا نظم ونسق نہ صرف زندہ انسانوں کے لئے تھا بلکہ اُن آباواجداد کے لئے بھی تھا۔ جو اِس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اِس لئے اِن قدیم مذاہب یا دیومالائی ادب میں وہی دیوتا اہم ہیں جن کے ذمہ خود انسانوں نے خوراک مہیا کرنے اور انسان کی جسمانی ضرورتیں پورا کرنے کے کام لگائے ہوئے تھے۔ یہ دیوتا یا تو اُن کی ضرورتیں پوری کرتے تھے یا پھر اُن سے اِس بات کی توقع کی جاتی تھی۔ بعدازاں دشمن کے مال مویشی پر قبضہ کرنا بھی اُن کے ذمے لگا دیا گیا۔ اس لحاظ سے ویدی ''دیوسنگت'' اِس کی بہترین مثال ہے کیونکہ ڈھور ڈنگر اور مویشی ایک چرواہی سماج (Pastorol) کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک وہ جاری رہتا ہے اُن پر قبضہ ایک سماجی ریت ہوتا ہے۔ مختلف عالموں نے دیوتاؤں کی مختلف گروہوں میں تقسیم کی ہے۔ لیکن میں اُن کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کروں گا۔ یہ تقسیم انسانی حوالے سے ہے۔ کیونکہ مختلف دیوتا انسان کے لئے مختلف کام کرتے ہیں۔

1- بالواسطہ

2- بلاواسطہ

انسان نے چونکہ دیوتاؤں کو اپنے روپ میں ڈھالا۔ اِس لئے اُنہوں نے مختلف مظاہر فطرت کو ذی روح بنا دیا اور بعدازاں وہی دیوتا کا روپ اختیار کر گیا۔ اولیں مذاہب کی اِس شکل کو مظاہری روحیت یا نسمیت (Animism) کا نام دیا گیا۔ ویدی مذہب کے اولیں دیوتا یہی روپ دھارے ہوئے تھے اِس بات کی وضاحت کہ انسان نے ہی اپنے دیوتاؤں اور خداؤں کو جنم دیا جرمن فلسفی فیورباخ (1804-1812) نے اپنی کتاب (Essence of Christonity) میں کی ہے ''توحیدی حوالے سے جب ہم خدا سے اخلاقی صفات منسوب کرتے ہیں۔ تو وہ انسان کے اپنے جوہر کی لامتناہیت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔'' اِس طرح الٰہی جوہر انسانی جوہر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے ''خدا بطور خدا، جو کہ متناہی شے نہیں ہے۔ نہ انسان ہے اور نہ ہی مادی طور پر مشروط ہے اور نہ ہی کوئی وقوعہ ہے بلکہ انسانی فکر کا پرتو ہے (Feuerbach 1889.35) اِسی طرح ویدی دور کے آریاؤں نے مظاہرات قدرت کو ذی روح یا ذی حیات بنا کر دیوتا کا درجہ دے دیا۔

اوسنر (Usner) نے دیوتاؤں کی اِس شکل پذیری کو مانتے ہوئے اُن کی تقسیم ایک دوسرے انداز سے کی ہے وہ اُنہیں (Personal gods) ذاتی دیوتاؤں اور خصوصی دیوتاؤں

(Special gods) میں تقسیم کرتا ہے۔ ذاتی دیوتا تو ہر قبیلے سے علیحدہ علیحدہ منسوب ہوتے ہیں جبکہ خصوصی دیوتا اُن کے بعد کا مرحلہ میں۔ خصوصی دیوتاؤں کے مرحلے میں کسی وقوعے، چیز یا خصوصیت کا جو نام ہوتا ہے وہی نام دیوتا کو دے دیا جاتا ہے جیسے (ڈیوس۔ آسمان)، (اگنی۔ آگ)، (سوریا۔ سورج)، (اوشا۔ صبح)، (وات۔ ہوا)۔ لیکن اُس کا یہ بھی کہنا ہے کہ تخصیصی دیوتا اپنے مخصوص دائرہ کار سے باہر نکل کر بھی دوسرے دیوتا کے دائرہ کار میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ یہ صورت تبدیل ہوتی رہتی ہے (Griswold-1923.81)

اوسنر نے اِس بات کی وضاحت نہیں کی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ مظاہرات قدرت کی سرِیت نے جہاں دیوسنگتوں کے نظام کو جنم دیا۔ وہاں مظاہرات قدرت کے وقوف اور اُن پر قابو پانے کے عمل نے دیوتاؤں کے دائرہ کار میں تبدیلیاں بھی کیں۔ جیسے جیسے انسانوں نے مظاہرات قدرت کو اپنی خواہش کے مطابق تصرف میں لانا شروع کیا بہت سے دیوتا معدوم ہوتے گئے۔ اور اُن کی جگہ نئے دیوتا آتے گئے اور پرانے پس پردہ چلے گئے۔ یا پھر اُن کی تعداد میں کمی آتی گئی یا پھر کثر الٰہیت (Polytheism) سے توحید (Monotheism) کی طرف چلے گئے۔ لیکن یوں بھی ہوا کہ ایک بڑے دیوتا کے ساتھ ساتھ چھوٹے دیوتا بھی موجود رہے۔ اور ایک دیوسنگت میں یہ تمیز ہمیشہ برقرار رہی کہ سب سے بڑا کون ہے۔ جیسا کہ یونانی دیومالا میں عرصہ دراز تک زوس کے اعلیٰ مرتبے کو ایک خاص مقام حاصل رہا۔ لیکن ہندوستان میں اِس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ ایک زمانے میں جو مقام ڈیوس کو حاصل رہا وہ مقام کبھی ورون یا پھر اِندر کے پاس چلا گیا۔ یا بعدازاں ویدی دور گزرنے کے بعد وہ برہما کو مل گیا۔ اور اِس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

لیکن یاد رہے کہ اُس کا تعلق براہِ راست اِس بات سے تھا کہ کوئی معاشرہ اقتصادی اور سماجی حوالے سے کس سطح پر کھڑا ہے۔

اب جو اوپر تقسیم انسانی حوالے سے بالواسطہ اور بلاواسطہ دیوتاؤں میں کی گئی ہے۔ اُن میں ڈیوس، پرتھوی، اِندر مورپا، اوشا، اسون اور ایسے سارے دیوتا جو اجتماعی طور پر انسانوں کی فلاح کرتے ہیں بلاواسطہ میں آتے ہیں۔ جبکہ ایسے تمام دیوتا جو ذاتی حوالے سے روزمرہ کی زندگی کے انفرادی حوالوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور ذاتی رابطوں میں رہتے ہیں وہ بالواسطہ کی فہرست میں شامل ہے۔ جیسے اگنی اور برھسپتی۔ لیکن اِن کا روپ بدلتا رہتا ہے۔ ایک زمانے میں برھسپتی

(Brihaspati) کو دیوتاؤں اور انسانوں کے مابین رابطے کا کام سونپا گیا۔ بعدازاں پھر اُسے دیوتاؤں کا باپ بھی کہا گیا۔ اور کسی جگہ خاندانی پروہت کہا گیا۔ اور ایک جگہ اُسے کندن کی طرح چمکنے والا کہا گیا اور رعد جیسی صدا سے تعبیر کیا گیا جو کہ اِندر کی خصوصیات ہیں۔

گو دیو سنگت ایک خاندانی نظام کے عکس پر ترتیب دیا گیا تھا۔ پھر بھی اُس میں ہستی اعلیٰ پدرسری نظام کی غمازی کرتی تھی۔ یعنی ہستی اعلیٰ کو ہمیشہ باپ کی شکل میں پیش کیا گیا۔ لیکن اس باپ یا لارڈ کی اختیاری حیثیت توحیدی نہیں تھی۔ وہ دوسرے کئی ایک دیوتاؤں کے ساتھ مل کر سارے نظام کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اور ہر کوئی ویدی دیو سنگت میں اپنے فعل میں آزاد تھا۔ لیکن اِن سب باتوں کے باوجود اس کی بھی ایک نفی کہیں نہ کہیں موجود رہتی۔ دیو مالا میں اِس کی ایک مثال ادیتی (Aditi) ہے۔ میکس مُلر کہتا ہے کہ ''ادیتی'' کا ماخذ ''دیتی'' ہے جو کہ پھر ''DA'' دا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''حد میں رکھنا'' چونکہ انگریزی زبان کی طرح سنسکرت میں بھی الف لگانے سے وہی لفظ متضاد معنی دینے لگتا ہے۔ جہاں دیتی حد بندی کو ظاہر کرتی ہے یعنی محدود وہاں ادیتی ''غیر محدود'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اُس کے نزدیک یہ ویدی عہد کی قدیم ترین دیوی ہے۔ (Muller-1878.219.)

مندرجہ بالا پیراؤں میں جو مباحث شروع کی گئی ہیں۔ اُس کی ایک واضح مثال رگ وید کے پہلے منڈل (کتاب) کی پہلی مناجات سے دی جا سکتی ہے۔ جہاں اگنی کے حضور دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ اور جہاں اُس سے دولت میں اضافہ کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے وہاں اس اتھ ساتھ اُسے باپ کہہ کر بھی مخاطب کیا جا رہا ہے۔

> Through Agni man obtaineth wealth, Plenty Waxing day by day, Most rich in heroes, glorious. (Rv. 1.1.3)

ترجمہ: ''اگنی کے ذریعے آدمی دولت حاصل کرتا ہے۔ سورماؤں میں سے رئیس ترین، شاندار۔''

پھر کہا جاتا ہے۔

"Be to us easy of approach, even as a father to

his son: Agni be with us for our weal."

(Rv:1.1.9)

ترجمہ: ''ہم سے ملنے کی راہ آسان کردے۔ جیسا کہ ایک باپ اپنے بیٹے کے لئے کرتا ہے اگنی ہماری فلاح کے لئے ہمارے ساتھ رہے۔''

ہندوستان میں مختلف ادوار میں جو دیوسنگتیں متعارف کی گئیں وہ مختلف ادوار کی اقتصادی اور سماجی نشوونما کے حوالے سے تھیں۔ اِس لئے اولیں ویدی دور کی دیوسنگت بعد میں آنے والی دیوسنگتوں سے نہ صرف اہمیت بلکہ اپنے دائرہ کار میں بھی مختلف تھیں۔

یعنی ماقبل تاریخ یعنی ہندیورپیائی قبائل کے جدا ہونے اور مختلف خطوں میں آباد ہونے سے پہلے تھے جو دیوتا معتبر تھے وہ بعدازاں یادداشتوں سے گم ہو گئے جیسے ڈیوس کی جگہ اِندر یا پھر بعدازاں اِندر کی جگہ برہما نے لے لی۔ دیوتاؤں کے درمیان یہ فرق فی زمانہ نہیں تھا بلکہ کیفیاتی طور بھی اُن میں بنیادی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ ہم یہاں یہ بتانے کی کوشش کررہے ہیں کہ دیوتاؤں کی شکل پذیری گو انسانی ضرورتوں کے مطابق تھی۔ اور مذہبی ادب کا ایک بڑا حصہ اِسی کے لئے وقف ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ سمجھ میں آنے والے کائناتی حوالوں کے لئے اور کچھ اخلاقی حد بندیوں کے لئے بھی مختص ہے۔

ویدی سنگت کے دیوتا اور انسانی فلاح

جیسا کے پہلے کہا جاچکا ہے کہ چاروں ویدوں کی زیادہ تر مناجات انسان کی اپنی فلاح اور قربانیوں کے طور طریقوں پر مبنی ہے۔ اور ہر دیوتا کی توجہ قربانیوں کے ذریعے اِس طرف مبذول کی جاتی ہے کہ وہ ویدی دور کے انسانوں کے لئے کیا کچھ کرسکتا ہے۔ اِن دعاؤں کے ذریعے جو کچھ مانگا جاتا ہے۔ اُس سے نہ صرف اُس سماج کی اقتصادی اور سماجی بنت کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ آریاؤں کے حلیفوں اور حریفوں کی بھی نشان دہی ہوجاتی ہے۔

اگنی

رگ وید میں اِندر کے بعد سب سے زیادہ مناجات جس دیوتا کے لئے وقف کی گئی ہیں وہ اگنی ہے اب دیکھتے ہیں کہ وہ ویدی انسان کے حوالے سے کس طرح اہم ہے اور اُس سے کیا کچھ

مانگا جاسکتا ہے۔لیکن اِس سے پہلے یہ ضروری کہ ہم اگنی کا پوراوقوف حاصل کرلیں۔جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اگنی ماقبل ازتاریخ کا دیوتا ہے۔اگنی کولاطینی زبان میں (Ignis) یعنی آگ کہا جاتا ہے اورلتھوی (Lithunian) میں (Ugni) کہ بھی یہی معنی ہیں۔گرس ولڈ کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ اُس وقت سے مروج ہے جبکہ ہندیورپیائی آریائی قبائل جدانہیں ہوئے۔(1923.152) وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ موسمِ سرما کی طویل راتوں میں چولہے کی آگ گھر میں مرکزی حیثیت کی حامل ہو گی۔اِس لئے مذہبی رسومات بھی اِس کے گردمرتکز ہوگئیں۔

اگنی کے متبادل لفظ انگریزی زبان میں (Ignite) ہے۔جون آئیٹو کا کہنا ہے کہ" egni or ogni" سے مشتق ہے۔جوکہ قدیم ہندیورپیائی زبان کے الفاظ ہے۔اُس سے Ignire بنا جس کے معنی تھے آگ جلانا اوراُسے پھر Ignite بنا۔

قدیم اساطیری کہانیوں یا دیومالاؤں میں جدید تحریروں جیسا ربط نہیں پایا جاتا۔ بلکہ دیوسنگتوں (Pantheons) اور دیوجاتکوں (Theogonies) میں دیوتاؤں کی عملداری انتہائی بے ربط ہے۔کہیں ایک دیوتا اپنے علاقے اوردائرہ کار میں کام کرتا ہوادوسرے کا کام کرنا شروع کردیتا ہے۔اورکہیں کئی ایک دیوتاؤں کوایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کردیا جاتا ہے۔

رگ وید عمومی طور پر اِس کائنات کوتین حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔یعنی آسمان، درمیانی فضا، اورزمین اِس طرح دیوتاؤں کی تقسیم بھی اِس پر منطبق کی گئی ہے۔لیکن اگنی تواِن تینوں منطقوں میں روبہ عمل نظرآتا ہے وہ زمین پرقربان گاہ کی آگ یا گھریلو چولہے کی شکل میں نظرآتا ہے تو فضا میں بجلی کی چمک یعنی برق کی شکل میں اورآسمان میں سورج کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔لیکن یہی خصوصیات بعدازاں دوسرے دیوتاؤں سے بھی منسوب کردی جاتی ہیں۔اِس طرح اگنی کا کردار سہ پہلو ہے۔

> Three folds are those, the highest, true and lovely, The births of this god Agni, close enveloped within the infinite has he come hither, The Shinning, gleaming and resplendent Aryan. (R.V.IV.1.7)

اِس حوالے سے اگنی کے تین سر، تین مسکن، زبانیں، مقامات جسم اور آگ جلانے کی چھپٹیاں ہیں۔

Three are thy powers, O Agni, three thy stations, three are thy tongues, yea, many child of order!

Three bodies hast thou which the Gods delight in: with these protect our humns with care unceasing.

سیال اگنی کی ایک تصویر پیش کی جارہی ہے۔ جو مندرجہ بالا مناجات میں جو کہا گیا ہے۔ اُس کی تصویر کشی کرتی ہے۔ اگنی کی شکل وصورت کے بارے میں تخصیص کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اُس کی عمومی شبیہہ پیش کی جارہی ہے۔

اگنی

چونکہ رگ وید میں دیوتاؤں کے بارے جو کچھ مختلف مناجاتوں میں کہا گیا ہے۔ وہ بہت الجھاؤ پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح اگنی کو کسی جگہ دیوس کا بیٹا کہا گیا ہے اور کسی جگہ دو لکڑیوں جن کو رگڑ

کر آگ پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی اولاد کہا گیا ہے یعنی اَرَنی کا بیٹا۔ اِس طرح کہیں اُسے انسانی نسل کو مشروط کرنے والا کہا گیا ہے تو کہیں خدا اور انسانوں کے درمیان پیغام رساں یا پھر رابطہ کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ قدیم دیومالاؤں میں اس کا کردار اوستائی دیوتا عطار (Atar) کے بہت قریب ہے۔ ڈیوس کی طرح عطار اھورا مزدا کا بیٹا ہے۔ لیسنا میں اُسے گھر کا مالک کہا گیا ہے جیسے اگنی کو گرہ پتی (Grihapati) کہا گیا ہے۔

اگنی کا کردار بطور آگ اور قربانی کے وقت بہت اہم ہے۔ آگ نے انسان کی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور یونانی دیومالا میں انسان کو جب پرومیتھیس نے آگ سے روشناس کروایا تھا تو زوس نے اُسے چٹان پر لٹکوا دیا تھا اور گدھ اُس کا جگر کھاتے رہتے تھے۔

آگ کی دریافت سے پہلے یا اُس کے گوشت کو بھوننے کے استعمال سے پہلے آگ کے بغیر قربانی کا رواج تھا۔ اور زیادہ تر قربانی کا گوشت کھلے میدانوں میں دیوتاؤں کی نذر کے لئے رکھ دیا جاتا تھا۔ لیکن بعد ازاں قربانی کے ویدی عبادات میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ پجاریوں کا ایک بڑا طبقہ انہی رسومات سے منسلک ہو کر رہ گیا۔ اگنی کی بھڑکانے اور اُس کی خوراک کے لئے گھی ڈالا جاتا تھا۔

"O Agni magnified with gheee, on lightest car bring near gods: Thou art a hotar manu made."
(Rv.1.13.4)

یہاں گھی سے اگنی کی عظمت کو دوبالا کیا گیا ہے۔ اور وہ دیوتاؤں کو انسانوں کے قریب لاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسانوں کو سب سے زیادہ بھاتا ہے اور اگنی کے اس عمل کی وجہ سے اُس کا عمل دخل ہندوستان کی تاریخ کے مختلف ادوار میں اہم رہا۔ کیونکہ آگ نے انسان کی زندگی کو بہتر بنانے میں جو کردار ادا کیا ویسا کردار کم دیوتاؤں نے ادا کیا ہوگا۔

اگنی کو ناف زمین بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ قربان گاہ میں آگ جس گڑھے میں جلائی جاتی تھی اُس کی شکل ناف جیسی ہوتی تھی۔

Navel of earth and head of heaven, he has become the steward of the two worlds.

قربانی کی رسم میں اگنی کا کردار سب سے اہم ہے۔ قربانیوں کی رسم میں عظیم پروھت کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ گناہ وسزا کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ وہ گو آسمان سے آیا ہے۔ لیکن اُس کی زیادہ تر وابستگیاں زمین کے ساتھ ہیں۔

اگنی کے زمینی حوالے سے اور بہت سے کردار ہیں جو بالآخر انسانی فلاح پر منتج ہوتے ہیں یعنی ایک تو وہ اندھیرے کو دور بھگاتا ہے۔ بیماریوں کو دور کرتا ہے اور بدروحوں، آسیبوں اور جادو کے اثرات سے دور رکھتا ہے۔ بلکہ دشمنوں کو بھی قریب نہیں آنے دیتا۔ بے شمار مناجات اِس کردار کو نمایاں کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں ایک چرواہی سماج (Pastoral Society) سے وابستہ تھیں اور جہاں مظاہرات قدرت کا ایک نہ سمجھ آنے والا جمِ غفیر آس پاس منڈلاتا رہتا تھا۔ انسان کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔ ابھی تک ڈرتا ہے اور اس اندھیرے میں جادوٹونے، دشمنوں کے حملے اور اَن دیکھی بالاؤں کا ڈر تھا۔ جس کا توڑ انسان کے پاس اُس وقت اگنی تھا۔

O Agni God, Whose wealth is light
Beaming with radiance like the Sun
Blodly thou dost the darkness Slay

(R.V.VIII.43,32)

Swahowed by darkness was the world and At Agni's birth the light became apparent.

(X.88.2)

دوسری طرف انسان کی بستیوں اور اُن کے گھروں کے اندر اگنی کی موجودگی دوستی کا پیغام دیتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ گھر کا کوئی بزرگ ہو۔ انسانوں کا اُس سے تخاطب قربت کا پتہ دیتا ہے۔

Thee, Agni, men do make their father through rites. A brother through sacrifice, O thou of shining form Thou dost become a son to him who worship thee, Asa kind friend thou dost

protect from all attack. (R.V.11.1,9.)

ترجمہ: رسومات کے ذریعے اے اگنی لوگ تجھے اپنا باپ بنا لیتے ہیں اور قربانی کے ذریعے اور چمکتی ہوئی صورت والے کو اپنا بھائی بنا لیتے ہیں اور جو تیری پوجا کرتا ہے تو اُس کا بیٹا بن جاتا ہے اور ایک مہربان دوست کی طرح تو سب کی حفاظت کرتا ہے۔

تشریحات

(1) نورس

جرمن زبانوں کی سکینڈے نیویا کی شاخ کو نورس ''Norse'' کہا جاتا ہے۔ جس میں مغربی سکینڈے نیویا کی ناروی زبان، آئس لینڈک اور Faroese زبانیں اور بولیاں شامل ہے۔ سکینڈے نیویا میں شمال مغربی یورپ کے ممالک میں سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آئس لینڈ اور فن لینڈ انسانی اور جغرافیائی وحدت کے حوالے سے اِس نام سے منسوب ہیں۔ فیرویز جزیرہ Faroe میں بولی جاتی ہے۔

(2) ایسکائلیس (525BC-456BC)

AESCHYLUS ایسکائلیس جسے یونانی میں ایسخولوس AISCHULOS کہتے ہیں عظیم المیہ ڈرامہ نگار تھا۔ وہ ایتھنز کے قریب ایلیوسس Eleusis میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق یونان کی اشرافیہ سے تھا۔ اُس نے ایران کے خلاف جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ اُس کی وجہ شہرت اُس کے مشہور ڈرامے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُس نے کل نوے کے قریب ڈرامے لکھے جس میں سے کل سات آج موجود ہیں۔ اُس کے مشہور ڈرامے Prometheus Bound نے پرومیتھیس کی کرداری عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ سنا یہ گیا ہے کہ اِس نے اِس سیریز کے دو کھیل اور بھی لکھے تھے جو آج کل ناپید ہے۔ شیلے نے پھر Prometheus Unbound لکھا تھا۔ اس کے مشہور ڈراموں میں Suppliants، Persians، Seven against Thebes، Agamennon بھی شامل ہیں۔

(3)الیفرودیتی(Aphrodite)

محبت کی یونانی دیوی جسے ھومرز وس اور ڈائیون کی بیٹی قرار دیتا ہے۔رومی اُسے وینس کہتے ہیں۔عربی میں اُسے زھرہ کہا جاتا ہے اور ایرانی اُسے ناھید کہتے ہیں۔ھیوئڈ کے نزدیک وہ جھاگ سے پیدا ہوئی۔بعض اُسے مشرق سے منسوب کرتے ہیں اور وہ سمیری دیوعشرت کے قریب سمجھی جاتی ہے۔

(4)نسمیت(Animism)

قدیم زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مظاہرات قدرت بھی ذی حیات ہیں۔اِس کو اصطلاحی نام Animism یعنی نسمیت دیا گیا ہے۔

کتابیات

1. Matin, E.Q., *Gods of India.* Indological Book House Delhi, 1988.
2. Boomfield, M., *The Religion of Veda.* Putnam's Sons, New York, 1908.
3. Griswold, H.D., *The Religion of The Rigvedia.* Humphery Milford, Oxford, 1923.
4. Griffith, R.J.H.(translated), *The Hymns of The Rigveda.* Motilal Banarsidass, Delhi, 1976.
5. Harvery, P., *The Oxford Companion to Classical Literature.* Oxford, 1984.
6. Shorter, A.W., *The Egyption Gods,* Routledge. Kegan Paul, London, 1981.
7. Wilson, J.A., *The Burden of Egypt,* University of Chicago Press, Chicago 1981.
8. Muller, F.M., *Origin and Growth of Religion.* N.Y. 1878.
9. Feuerbach, L. *The Essence of Christanity.* Prometheus Books, N. Y. 1989.
10. Copleston, F., *A History of Philosophy* Vol. VII, Search Press London 1963.
11. Hanif, I., (1992) مصر کا قدیم ادب جلد دوم، بیکن بکس ملتان

❁❁❁❁❁

ہندوستان کی طبعی تشکیل اور فطری ماحول

عرفان حبیب/ترجمہ: پروفیسر طفیل ڈھانہ

ہندوستان کی ارضی تشکیل

تاریخ جو کہ ماضی کی داستان ہے۔ لازمی طور پر عملی تبدیلیوں کی کہانی بیان کرتی ہے۔ ہم اپنے ماحول میں وقوع پذیر تبدیلیوں کا مشاہدہ مسلسل کرتے رہتے ہیں۔ طویل تاریخی ادوار میں نہ صرف انسانی طرز زندگی اور انداز فکر بدل جاتا ہے۔ بلکہ زبان، عقائد اور رسوم و رواج میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل چارلس ڈارون نے بیان کیا کہ تمام زندہ انواع (بشمول انسان) تبدیلی اور ارتقا کے عمل سے گذری ہیں جو کہ لاکھوں برس طویل عرصہ پر محیط عمل ہے۔ ڈارون سے پہلے یہ حقیقت ثابت ہو چکی تھی کہ سطح زمین لاتعداد نوعیت کی تبدیلیوں کے عمل سے گذری ہے۔ البتہ اس ضمن میں ہمیں کروڑوں اور اربوں برس کی ارتقائی عمل داری کو زیر غور لانا ہوگا۔

ہماری زمین 4600 ملین برس قبل تشکیل ہوئی۔ تابکاری کے ذریعے سے ہمیں معلوم ہوا کہ زمین پر قدیم ترین چٹانوں کی عمر 4,030 ملین برس ہے۔ لہٰذا ان کو ہم آرکی زمانے میں (4000-2500 Mya) شمار کرتے ہیں (گراف 1.1، جیالوجیکل سکیل کے مطابق، صفحہ 18) جس میں الجی اور بکٹیریا کی شکل میں قدیم ترین حیات کا ظہور ہوا۔ مختلف جہتوں میں حیاتیاتی ارتقا کے ساتھ سطح زمین، جس کو ہم ''ٹرسٹ'' کا نام دیتے ہیں، مسلسل تبدیلیوں کے عمل میں رہی۔ ایک نظریہ کی رو سے زمین کے حجم میں اضافہ ہوتا رہا (کثافت میں کمی کے باعث) لہٰذا زمین کے ابتدائی قطر میں دو تہائی اضافہ ہو چکا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ 4 ارب برسوں میں،

جب سے کرہ ارض پر زندگی موجود ہے، زمین کی سطح کا رقبہ مسلسل بڑھتا رہا ہے۔ ہمیں ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ زمین کے براعظم، جو اب ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں، باہم جڑے ہوئے تھے۔ اس نتیجے پر پہنچنے میں یہ حقیقت ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ مختلف براعظموں پر قدیم چٹانوں کی موجودہ مقناطیسی نوعیت صرف اسی صورت ممکن ہوسکتی ہے کہ یہ خطے ماضی میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

جغرافیائی ساختوں کی بنیاد پر ایسا قدیم ترین ملاپ (جیسا کہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں) براعظمی تحرک کے نظریہ کی رو سے بیان کیا گیا تھا۔ اس نظریہ کی رو سے ہمارا ہندوستان کرہ ارض کے جنوب میں واقع ''گوندوانا لینڈ'' نامی عظیم براعظم کا حصہ تھا۔ گوندوانا لینڈ (جو کہ وسطی ہندوستان میں گوندوانا چٹانوں کے نام پر ہے) کے بارے میں رائے ہے کہ ہندوستان، آسٹریلیا، انٹارکٹیکا، افریقہ اور جنوبی امریکہ پر مشتمل تھا۔ یہ حقیقت کہ ہندوستان اسی عظیم براعظم کا حصہ تھا فاسلز (جانداروں کی چٹانوں میں محفوظ باقیات) کی دریافتوں سے بھی واضح ہوتی ہے۔ قدیم دور میں ایسی انواع جو مشترک علاقوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان کے دریافت ہونے والے فاسلز اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ مثالیت جو کہ ہندوستان اور دیگر خطوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا خاتمہ جوراسک عہد کے اختتام (144 ملین برس قبل) پر ہوتا ہے۔ جب اندازے کے مطابق عظیم براعظم کے مختلف خطے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے لگے۔ وہ خطہ جو بعد میں ہندوستان کہلایا شمال کی جانب بڑھتا ہوا دوسرے عظیم براعظم یوریشیا کے ساتھ جاملا (جس میں یورپ اور ایشیا کے خطے شامل ہیں)۔ ایوولین عہد (37 سے 58 ملین برس قبل) کے دوران ہندوستان یوریشیا کے ساتھ منسلک ہوگیا۔

نقشہ 1.1

اس بڑے تحریکی عمل کے پیچھے زیر آب سمندری سطح زمین میں پیدا ہونے والے پھیلاؤ کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ زیر آب سمندری سطح زمین پر پائے جانے والے نشیب و فراز کا مطالعہ نشاندہی کرتا ہے کہ تہہ سمندر کا دباؤ خشکی کی جانب مسلسل جاری رہا ہے۔ یہ عمل ٹیکٹانک پلیٹوں کی تشکیل کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔ حالیہ صورت حالات کے مطابق ہندوستان، آسٹریلیا اور بحر ہند

انڈین پلیٹ پر واقع ہیں۔ جو کہ مغرب میں افریقی پلیٹ اور شمال میں یوریشیا پلیٹ پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ یہ پلیٹیں ایک زیریں نرم سطح پر قائم دکھائی دیتی ہیں۔ جو کہ استھنو تہہ کہلاتی ہے۔ اس تہہ پر کوئی پلیٹ پھسل سکتی ہے اگر وہ دوسری پلیٹوں کی گرفت میں نہیں ہے۔ پلیٹوں کے درمیان رگڑ نے کے باعث مزاحمت کے علاوہ ایک دوسری کی جانب بڑھنے والی حرکت جو کہ مختلف پلیٹوں کے درمیان فاصلے پیدا کرنے والی حرکت سے متوازن ہوتی ہے، مسلسل جغرافیائی تبدیلی لانے والی قوتیں ہیں جس کے نتیجہ میں ٹکراتی ہوئی پلیٹوں کی زمین فالٹ لائن پر نیچے دب جاتی ہے یا اوپر کی جانب ابھر آتی ہے۔

نقشہ 1.2

چونکہ تبدیلی کی مختلف لہروں کے دوران زمین کی ساختوں اور سمندری حدود میں مسلسل ردو بدل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے یہ مشکل ہوگا کہ اس خاص وقت کا صحیح تعین کیا جا سکے، جب ہمارا ہندوستان اس زمین پر موجودہ طبعی شکل وصورت میں نمودار ہوگیا۔ لیکن پیلی ذواک زمانے میں (248 ملین برس قبل) دکن اور پینسلولہ ہندوستان کی طبعی شکل وصورت کم وبیش ایسی ہی تھی، جیسی کہ دور حاضر میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کی بنیاد ایسی چٹانوں پر استوار ہے جو آرکی دور میں تشکیل ہوتی تھیں۔ اس طرح انڈین پینسلولہ دنیا کے قدیم ترین اور مضبوط ترین خطوں میں ایک ہے۔ حقیقت میں اس کا اروالی پہاڑی سلسلہ، جو کہ شمالی پہاڑوں کے ساتھ عمودی نوعیت میں جڑا ہوا ہے، دنیا کے قدیم ترین پہاڑی سلسلوں میں ایک ہے، جو ابھی تک محفوظ بچے ہوئے ہیں۔ ابتدائی دکن چٹانوں میں فاسلز موجود نہیں ہیں۔ لیکن گوندوانا چٹانیں، جن کا تعلق کاربنی فورس زمانے سے ہے (286 سے 320 ملین برس قبل) خشکی پر رہنے والے جانداروں کے فاسلز کے حامل ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 300 ملین برس قبل تک گوندوانا ایسا خطہ ارض تھا جو سطح سمندر سے بلند تھا۔ زیریں کریٹسائی عہد کے اختتام سے پہلے یعنی 98 ملین برس قبل کی گوندوانا چٹانوں میں ڈائنوسارس یعنی عظیم الجثہ چھپکلیوں کے فاسلز بنائے جاتے ہیں۔ ہمالیہ اور سالٹ رینج کی چٹانوں میں پائے جانے والی سمندری حیات کے فاسلز کیمبری زمانے (750 ملین برس قبل) تک قدیم ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ چٹانیں سمندر کی تہہ دار چٹانیں ہیں اور جہاں اب ہمالہ کھڑا ہے

وہاں کبھی سمندر موجزن تھا۔ ممکن ہے کہ یہ سمندر بحرۂ پتھنی کا ایک حصہ ہو۔ جس کے بارے میں ماہرین ارضیات کہتے ہیں کہ بحراوقیانوس سے چین تک پھیلا ہوا تھا۔ جوراسک دور کے اختتام تک (65 ملین برس قبل) سمندری حیات کے فاسلز ہمالیہ کی چٹانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مغربی راجستھان اور کچھ میں پائے جانے والے فاسلز کا تعلق جوراسک دور کی سمندری حیات سے ہے (144-213 ملین برس قبل) جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ مذکورہ علاقے سمندر میں شامل تھے۔ کریٹسائی دور کے دوران (65-144 ملین برس قبل) شمال مغربی دکن اور گجرات میں بڑے پیمانے پر آتش فشانی کی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ جن کے باعث لاوا اور راکھ کی تہوں پر مشتمل۔ دکنی پنجرہ وجود میں آیا۔ جو کہ تقریباً 5 لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ ٹرنٹری زمانے کے آغاز (65 ملین برس قبل) اور خاص طور سے ایوولین دور میں ہمالیہ نے سر اٹھانا شروع کیا۔ ایک تحریکی ابھار جو مائیوسین (5 سے 25 ملین برس قبل) میں بھی جاری رہا۔ یہ مائیوسین دور ہے۔ جس میں قدیم ترین بن مانسوں کا ظہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمالیہ اور متعلقہ پہاڑی سلسلے انڈین اور یورینس پلیٹوں کے مخالف سمتوں میں دباؤ کے باعث شدید تہہ داری کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ ہمالیہ سے چٹانیں اور پتھریلی مٹی دریاؤں اور برفانی تودوں کے ساتھ بہتی ہوئی ہمالیہ کے قدموں میں جمع ہوتی رہی۔ جس کے نتیجہ میں سوالک پہاڑیوں کی تشکیل ہوتی۔ یہ ثانوی پہاڑیوں کی تشکیل کا عمل ہے جو تقریباً 10 لاکھ برس قبل تک جاری رہا۔ اسی دوران میں ہمالیہ سے پتھریلی مٹی کا بہاؤ سوالک پہاڑیوں سے نیچے تک جاری رہا۔ لہٰذا پلاسٹوسین دور میں (1000 برس سے 1.8 ملین برس قبل) بحرۂ پتھی جس کی گہرائی 2000 سے 6000 میٹر تک تھی مٹی سے بھر گیا اور اس میں سندھ اور گنگا، برہم پتر جیسے عظیم دریا نمودار ہوئے۔

1.2 ظہور آدم کے دور سے ہندوستان کی طبعی خصوصیات

قدیم ترین انسان (ہوموہبلس یا ہوموار یکٹس) کا ظہور سالٹ رینج (پاکستان) اور سوالک (انڈیا) میں تقریباً 20 لاکھ برس قبل پلاسٹوسین دور کے آغاز سے کچھ پہلے ہوا۔ اگرچہ اس دور کے ہندوستان کی طبعی خصوصیات کم وبیش اسی نوعیت کی تھیں جیسی کہ دور حاضر میں دکھائی دیتی ہیں۔ مگر تبدیلی کا عمل جاری رہا ہے۔ جیسا کہ سوالک میں چٹانوں کی تشکیل اور کتنی مزید تبدیلیاں جو

پلاسٹوسین عہد میں جاری رہیں۔ یہ درست ہے کہ ہندوستان کے علاوہ دنیا کے دیگر خطے متعدد بار شدید برفانی حملوں کے باعث بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ جو کہ 20 لاکھ پر محیط پلاسٹوسین عہد کی خاص بات تھی۔ برفانی دور میں شمالی یورپ اور ایشیا برف کے نیچے دب گئے اور گلیشیر (برفانی تودے جو گھاٹیوں، کھایوں اور وادیوں میں پھسلتے ہیں) اپنے حجم میں بڑے سے بڑے ہوتے گئے۔ اس دور میں برفانی چادر ہمالیہ سے نیچے 1800 فٹ سطح سمندر سے بلندی تک آن پہنچی۔ جو کہ اب سطح سمندر سے 4000 فٹ بلندی تک محدود ہے۔ ہمالیہ کے برفانی تودوں نے دریاؤں کے سروں کو منجمد کر دیا اور 1400 فٹ سطح سمندر سے بلندی تک نیچے پہنچ گئے۔ ان حدود کا تعین ہم مٹی اور چٹانوں سے کرتے ہیں جو برفانی تودوں کے ساتھ بہتی ہوئیں نیچے تک آ گئیں۔ اس کے علاوہ یہاں گلیشیر کے ایسے آثار بھی ملتے ہیں جو کہ زمین کی لمبی ساخت میں آنے والی تبدیلی کا باعث ہوتے۔ گلیشیر کی قوت نے کہیں تو راستے میں آنے والے چٹان توڑ ڈالی اور کہیں گہری کھائی بنادی۔ یہ برفانی دور میں انڈیا اور دیگر خطوں میں ایک بڑی تبدیلی یوں واقع ہوئی کہ سمندروں میں پانی کی سطح بہت نیچے تک چلی گئی۔

وجہ ظاہر ہے کہ پانی کی بڑی مقدار برف کی صورت میں شمالی مغربی یورپ اور شمالی امریکہ پر جم کر رہ گئے۔ پلاسٹوسین کے اختتام پر آخری برفانی دور میں سمندری پانی کا لیول آج کی اوسط سطح کی نسبت 100 سے 150 میٹر تک نیچے چلا گیا تھا۔ یوں سمندری پانی کا لیول نیچے گرنے سے گلف آف کچھ اور گلف آف کیمبے کی جگہ خشکی کے خطے نمودار ہو گئے۔ آرم برج کے اردگرد نمودار ہونے والی گول پٹی کے ذریعے سری لنکا کا رابطہ جنوبی ہندوستان کے ساتھ قائم ہو گیا۔ شمالی، وسطی اور جنوبی انڈیمان جزائر والا جزیرے کی شکل اختیار کر گئے۔ ایسے زمینی رابطوں کے ذریعے جانوروں کو ان علاقوں میں داخل ہونے کا موقع ملا جو آج مختلف جزیروں کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ہجرت کرنے والے جانوروں میں انسان نما اور ہماری صنف کے ابتدائی نمائندے بھی شامل تھے۔ البتہ برفانی ادوار کے درمیانی مرحلوں میں متعدد بار جب گرمی واپس لوٹ آتی تو رابطہ پلوں کے ذریعے استوار راستے منقطع ہو گئے۔ سمندر اپنے پہلے مقام پر واپس آ گیا۔ جیسا کہ موجودہ عہد، جس کا ہولوسین کہا جاتا ہے، کے آغاز پر 10,000 برس قبل واقع ہوا۔ برفانی ادوار کے آخری درمیانی وقفوں میں صرف بڑے دریاؤں کے ڈیلٹا میں، جہاں سمندر زیادہ آگے نہیں بڑھ

پایا۔ کچھ درمیانی وقفوں میں خاص طور سے گرمی کی شدت کے باعث سمندری پانی کا لیول موجودہ سطح سے بھی زیادہ بلند ہوا۔ کورل چٹانوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ایک بار 1,20,000 برس قبل سمندر کی سطح زیادہ بلند ہوئی اور دوسری بار 30,000 برس قبل ایسا واقع ہوا۔ ہولوسین میں، جو کہ درحقیقت ایک درمیانی وقفہ ہے، 5000 برس قبل سمندر کی سطح موجودہ لیول سے 3 میٹر بلند ہوئی۔ ایسے حالات میں ان آف کچھ سمندری پانی کو جمع کرنے والا موسمی ذخیرہ بن گیا ہوگا۔ پلاسٹوسین میں برفانی تہوں اور سمندری ساحلوں میں تبدیلیوں کے باوجود، ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے تین بڑے خطے ایسے ہیں، جو غیر متبدل رہے۔ یہ خطے آج تک اسی عرض بلد اور طول بلد پر ماضی کی طرح واقع ہیں۔ درج ذیل ہیں۔

1- جنوبی یا ساحلی بلاک، جس نے عرصہ دراز پہلے یہ شکل اختیار کر لی تھی۔ جس میں آج تک موجود ہے۔ اس کا مغربی کنارہ بلند ہے اور سطح مرتفع مشرق کی جانب ڈھلتی ہے۔

2- شمالی میدان جو کہ ہمالیہ سے بہہ کر نیچے اترتے والے مٹی سے تشکیل ہوتے ہیں۔ اراولی سلسلہ کوہ جو شمال مشرق کی جانب بڑھتا ہے۔ میدانوں کو فطری طور سے سندھ وادی اور گنگا وادی میں تقسیم کرتا ہے۔

3- ہمالیہ، جو اپنے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ پورے شمال پر پھیلا ہوا ہے۔ مشرق اور مغرب میں سمندر کے اندر تک اتر جاتا ہے۔

پھر بھی پلاسٹوسین کے آغاز (1.8 ملین برس قبل) اور برفانی ادوار سے قبل کے ہندوستان کا طبعی نقشہ ہوسکتا ہے اس سے بہت مختلف ہو جیسا کہ آج ہمارے سامنے ہے۔ ایک رائے یہ تو ہوسکتا ہے شمالی میدانوں میں بہنے والے دریاؤں کے راستے بہت مختلف ہوں۔ درحقیقت اس رائے کے حق میں ایسے دلائل دیئے گئے تھے کہ دو بڑے دریائی نظاموں یعنی سندھ اور برہم پترا کی بجائے صرف ایک دریائی نظام شمال میں موجود تھا۔ جو انڈو برہم یا سوالک دریا کہلاتا تھا اور ہمالیہ کے ساتھ مشرق سے مغرب کی جانب بڑھتے ہوئے جنوب کی طرف مڑ کر بحرہ عرب میں جا گرتا تھا۔ اب یہ رائے درست تسلیم نہیں کی جاتی۔ مگر ایک بات یقینی ہے کہ کبھی دریائے جمنا کا پانی سندھ میں گرتا تھا یا دریائے ستلج جمنا میں شامل ہوتا تھا۔ اس رائے کے حق میں سادہ ترین گواہی ڈولفن کی انواع ہیں۔ جو کہ دریائے سندھ اور گنگا میں ایک جیسی ہیں۔ اس کا صرف یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ

گذشتہ 10 لاکھ برس کے دوران سندھ اور گنگا دریا آبی رابطے کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ کیونکہ دریائے سندھ سے گنگا یا اس کے برخلاف ڈولفن کی منتقلی صرف بڑے آبی رابطے کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتی تھی۔

ہم جس جیولوجیکل عہد میں جی رہے ہیں۔ اس کو ہولوسین عہد کہا جاتا ہے۔ اس کا آغاز 10000 برس قبل ہوا۔ جب پلاسٹوسین عہد کے آخری برفانی دور کا خاتمہ ہوگیا۔ اس دور میں ہندوستان کی طبعی خصوصیات بالکل مستقل رہی ہیں (نقشہ 1.3)۔ کیونکہ ساحل سمندر اور دریائی کناروں پر اوسط سطح سمندر سے بلند طبعی ساختیات کا پتہ دینے والی خصوصیات میں انتہائی معمولی نوعیت کا تغیر دکھائی دیتا ہے۔ اگر ہم انسانی کاوشوں کو شمار نہ کریں، جن کے ذریعے ڈیموں اور بندوں کے ذریعے دریائی پانیوں کو آبپاشی کے لئے استعمال کرنے کے طریقے اختیار کئے گئے اور یوں آبی راستے بنانے کے لئے چٹانوں کو توڑا گیا، تو ہم دیکھتے ہیں کہ کرہ ارض پر اہم تبدیلیوں کا فطری ذریعہ زلزلے ہی رہتے ہیں۔ جس کی بڑی وجہ ایک دوسری سے ٹکرانے والی ٹیکٹا نک پلیٹوں کا مخالف سمتوں میں دباؤ ہے۔ کیونکہ اس عمل میں انتہائی درجے کی مزاحمتی قوت پیدا ہوتی ہے۔ ہمالیہ ایسی فالٹ لائنوں کے سنگم پر کھڑا ہے اور ٹیکٹا نک پلیٹوں کی مخالف سمتوں میں حرکت، جس نے ہمالیہ کو جنم دیا ہے، ممکن ہے کہ ابھی تک جاری ہو۔ آسام میں 1847 کے زلزلے نے پہاڑیوں کا مقام، حتیٰ کہ بلندیوں کو بھی متاثر کیا۔ اس علاقے میں 1950 کے زلزلے نے بھی ایسے ہی اثرات مرتب کئے۔ 1819 میں گجرات میں سب کچھ اس طرح متاثر ہوا۔ کچھ کا ایک حصہ نیچے دب گیا۔ جس میں سمندر کا پانی داخل ہوگیا۔ دوسری جانب 3 سے 5.5 میٹر اونچا بند بن گیا۔ جس کو آلہ بند کہا جاتا ہے جو 80 میٹر طویل ہے۔ 2001 میں آنے والے حالیہ زلزلے نے بھی اس علاقے کی سطح زمین کے مختلف حصوں کو متاثر کیا ہے۔

ہولوسین میں ساحلی پٹیوں پر نمایاں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ 10,000 ہزار برس پہلے اس عہد کے آغاز پر یعنی (8000 ق م میں) سمندر کی سطح موجودہ سطح کی نسبت اندازاً 100 میٹر نیچے تھی۔ آخری برفانی دور کی برفانی تہوں کے پگھلنے سے 5000 قبل مسیح میں سطح سمندر بلند ہوکر اس درجے تک پہنچ گئی۔ جہاں حالیہ دور میں موجود ہے۔ جبکہ اس کے بعد وقوع پذیر ردوبدل میں سطح سمندر میں تبدیلی کا رجحان نیچے کی طرف رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ممبئی جزیرہ کے مشرق میں پانی کی کم

سے کم سطح سے 4 میٹر نیچے تک درخت نمودار ہو گئے۔ اور دوارکا کے نزدیک شوراسٹر کے شمال مغربی ساحلی سرے پر زیر آباد انسانی آبادی کے قدیم آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے تشکیل پانے والا ڈیلٹا آگے سمندر کی جانب بڑھتا رہا ہے۔ مگر یہ عمل کسی باقاعدہ طریقے سے وقوع پذیر نہیں ہوا۔ جہاں بڑے دریا سمندر میں گرتے ہیں۔ وہاں زمین سمندر کی طرف بڑھتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے مقامات جہاں پہلے مٹی جمع ہوتی تھی وہاں سمندر اوپر زمین پر چڑھ آتا ہے۔ گنگا برہم پتر کے بنگلہ دیشی ڈیلٹا میں مشکل ہی سے ایسا ہوتا ہے کہ جو جزیرے ایک برس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دوسرے برس تک قائم رہ سکیں۔ نتیجہ کے طور پر بڑے دریاؤں کے ڈیلٹا کا سمندری کنارہ بھی اس رفتار سے آگے نہیں بڑھتا جیسا کہ کچھ اہم نقشہ نویسوں کا خیال ہے (مثال کے طور پر شوارٹ برگ) کے دہانے پر نقارو اور کونج سر جیسے سندھی تہذیب کے مقامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ گذشتہ 4000 برس میں دریائے سندھ کا ڈیلٹا 40 تا 60 کلومیٹر سے زیادہ آگے نہیں بڑھا۔ لیکن درحقیقت سندھ ڈیلٹا کا ایڈوانس اس سے بھی کم ہو سکتا ہے۔

جہاں تک دریاؤں کا تعلق ہے۔ پہاڑوں اور پہاڑی وادیوں میں ان کے راستے مخصوص حدود تک متعین رہے ہیں۔ ہندوستان کے شمالی میدانوں میں بھی دریائی راستوں میں تبدیلی ہولوسین عہد کے دوران، نسبتاً محدود نوعیت کی رہی ہے۔ دریائے سندھ کا راستہ مشرقی سالٹ رینج اور مغربی کوہ سلیمان کے درمیان متعین رہا ہے۔ اسی طرح گنگا اور جمنا اپنے بالائی علاقے میں مضافاتی میدانوں سے اس قدر گہرائی پر بہتے ہیں کہ ہم یقین کی حد تک کہہ سکتے ہیں۔ گذشتہ 10000 برس میں کسی اور راستے پر نہیں گئے ہوں گے۔ جس پر آج تک چل رہے ہیں۔ عام خیال ہے کہ دریا اپنے کناروں کے اندر بہتے ہیں اور بہاؤ کا راستہ ایک دم تبدیل نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہمیں دریائی نالوں، ندیوں اور دوسرے ضمنی شاخوں کی سمتوں سے واضح ہوتا ہے۔

اس کے باوجود سندھ اور گنگا کے میدانوں میں گذشتہ ہزار برس کے دوران کچھ دریاؤں نے اپنا راستہ ڈرامائی انداز سے تبدیل کیا ہے۔ دریائے راوی ملتان کے مشرق سے گذرتا تھا۔ لیکن سولہویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے یہ دریا ملتان کے شمال میں سیدھا دریائے چناب میں داخل ہو گیا۔ یہی صورت آج تک قائم ہے۔ دریائے بیاس ستلج میں داخل ہوا اور پھر اس سے علیحدہ ہو کر شمال کی جانب جا نکلا۔ سترہویں صدی میں اس نے یہ راستہ بھی چھوڑ دیا۔ بہار میں دریائے کوزی

اپنے راستے بدلنے میں بدنامی کی حد تک مشہور ہے۔ اٹھارہویں صدی میں بنگال کا دریائے ٹسٹا گنگا کو چھوڑ کر سیدھا برہم پتر میں داخل ہو گیا۔ جبکہ برہم پتر نے اپنا ابتدائی مشرقی بل ختم کر دیا (جس کا نام باقی ہے) اور اب یہ جنوب کی طرف سے گنگا میں داخل ہوتا ہے۔

دکن کے ساحلی علاقے میں، دریا عام طور سے تنگ مرتفعاتی وادیوں سے گذرتے ہیں۔ لہٰذا ساحل کے قرب و جوار میں ہی ایسا ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے راستے تبدیل کر سکیں۔ دریائے کولیری اپنے مستقل راستے پر چلتا ہوا، تروکی راپلی کے نزدیک دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ آجکل ان میں کلرون بڑی شاخ ہے۔ لیکن ابتدائی طور پر دوسری شاخ، جس کے لئے آج بھی اصلی دریا کا نام استعمال ہوتا ہے، غالباً دریا کا ابتدائی بڑا راستہ تھی۔

1.3 موسم

ہم دیکھ چکے ہیں کہ تقریباً 20 لاکھ برس قبل میں پلاسٹوسین عہد کے آغاز سے کچھ پہلے، جب براعظمی پلیٹوں کی سرکائیت رک گئی اور ہندوستان کے عام طبعی خدوخال واضح ہو گئے تھے، ہندوستان کرہ ارض کے اسی جغرافیائی مقام پر موجود تھا، جہاں آج واقع ہے۔ عرض بلد وہ متوازی خطوط ہیں جو زمین کے قطب جنوبی اور قطب شمالی کے درمیان حصے کو متوازی تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں خط استوا طویل ترین خط ہے (جو کہ 0° عرض بلد پر واقع ہے) قطب شمالی اور قطب جنوبی خط استوا سے 90° پر شمال اور جنوب میں دو مقام ہیں۔ چونکہ کوئی بھی خط جو کہ خط استوا کے نزدیک ہے سورج کی زیادہ روشنی حاصل کرتا ہے۔ لیکن برابر حجم کا خطہ جو کہ قطبین کے زیادہ تر نزدیک ہے کم مقدار میں روشنی حاصل کر پاتا ہے۔ اس لئے کم درجہ عرض بلد پر واقع ممالک خط استوا کے نزدیک ہونے کے باعث ان ممالک کی نسبت زیادہ گرم علاقے ہیں۔ جو کہ بلند عرض بلد پر شمالی یا جنوبی قطب کے نزدیک واقع ہیں۔ ہندوستان کا بڑا خطہ 8° عرض بلد شمال سے 37° عرض بلد شمال سے کچھ اوپر تک واقع ہے۔ یہ علاقہ زیریں عرض بلد میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کا موسم بنیادی طور پر گرم ہے (ٹرایکل)۔

یہی وجہ ہے کہ پلاسٹوسین عہد کے برفانی مرحلوں میں برفانی چادر اور گلیشیر ہمالیہ تک محدود رہے۔ امکان ہے کہ ان حالات کے باعث ابتدائی انسانی نسل کے لئے آسانی پیدا ہو گئی کہ وہ

ہندوستان کو اپنی رہائش کے لئے منتخب کر لے۔ دوسرا سبب جو کسی علاقائی خطے کے مخصوص درجہ حرارت کے ضمن میں اہم ہوتا ہے۔ وہ اضافی بلندی ہے۔ جس کی پیمائش اوسط سطح سمندر کی نسبت سے کی جاتی ہے (جس کا مطلب ہوتا ہے کہ سطح سمندر سے اتنے میٹر بلندی) بلندی جتنی زیادہ ہوتی ہے۔ ہوائی کثافت میں کمی کے باعث درجہ حرارت بھی اسی نسبت سے کم ہوتا ہے۔ ہمالیہ اور متعلقہ کوہ قراقرم کا متوازی سلسلہ دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے ہیں۔ لہٰذا قطبین کے علاوہ، ان پر دنیا کی سب سے بڑی اور مستقل برفانی تہہ پائی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے ان پہاڑی سلسلوں کا موسم سرد (Alpine) ہے۔ جنوبی ساحلی بلاک میں بھی بلند پہاڑیوں اور اونچی سطح مرتفع پر، زیریں میدانوں کی نسبت، موسم بہت معتدل نوعیت کا ہے۔ ارضیاتی تبدیلیوں کے اہم حالات اور واقعات جو ہمالیہ کو بلند کرنے کا باعث ہوئے، بڑی حد تک ہندوستان کو گرم خطہ بنانے کا ذریعہ بھی ثابت ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمالیہ کی بلندی شمال کی ٹھنڈی ہواؤں کے جنوب کی جانب راستے میں دیوار ثابت ہوتی ہے۔ امریکہ اور گنگا وادی کے میدانوں کا تقابلی جائزہ، جو کہ ایک ہی عرض بلد پر واقع ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ ہمالیہ کی بلند دیوار کے باعث ہندوستانی میدانوں کا درجہ حرارت 1.5 سے 3 ڈگری سینٹی گریڈ تک زیادہ ہے۔ جنوبی ساحلی خطہ، جس کا بڑا حصہ دونوں اطراف میں ساحل سمندر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مغرب میں بحیرہ عرب اور مشرق میں خلیج بنگال واقع ہے۔ یہ صورت حال دکن کا موسم معتدل بنانے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ زمین کے برعکس سمندر کے گرم اور ٹھنڈا ہونے کی رفتار کم ہوتی ہے۔ لہٰذا ساحلی علاقوں کے درجہ حرارت میں نشیب و فراز کی نوعیت ان علاقوں کی نسبت کم ہوتی ہے۔ جو کہ ساحل سے دور واقع ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب ارضی خطے کا درجہ حرارت بلند ہوتا ہے۔ تو نتیجہ میں ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سمندر کی جانب سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ جو ساحلی خطے کا موسم معتدل بنا دیتی ہیں۔ اس طرح سے ساحلی علاقوں کا موسم کبھی اس قدر شدید نہیں ہوتا، جس سے شمالی ہندوستان میں واسطہ پڑتا ہے۔

درجہ حرارت کے علاوہ موسمیات سے متعلق دوسرا اہم عنصر بارش یا پھر برف باری ہے جو کہ بارش، کہر، برفباری، یالہ باری اور دھند وغیرہ کے ذریعے پانی کے تمام ذخائر کی تشکیل کا ذریعہ بنتی ہے۔

ہندوستان میں بارشوں کے سلسلے کا تعین درجہ حرارت سے ہوتا ہے، جو کہ ارضی خطے، بحیرہ عرب اور بحیرہ بنگال پر تشکیل پاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمالیہ اور پہاڑی سلسلے جو ہندوستان کی دونوں اطراف میں یعنی مشرق اور مغرب میں، شمال سے جنوب کی جانب پھیلے ہوئے ہیں، ہواؤں کے پھیلاؤ کو پورے خطے تک جانے سے روکتے ہیں۔ لہٰذا جب موسم گرما میں ہندوستان کے شمالی میدان اور دکن پینسلولہ گرمی سے تپ جاتے ہیں تو ایشیا کی ہوائیں اس خطے میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ البتہ آبی بخارات کی حامل، ٹھنڈی جنوب مشرقی ہوائیں جو کہ مون سون کہلاتی ہیں، بحیرہ عرب اور خلیج بنگال سے ہندوستان کی طرف چلتی ہیں۔ خلیج بنگال سے اٹھنے والی مون سون ہوائیں مشرقی پہاڑوں اور ہمالیہ کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر واپس مغرب کی جانب لوٹتی ہیں اور پورے میدانی علاقے تک جاتی ہیں۔ مغرب کی جانب بڑھتے ہوئے ان ہواؤں کی قوت میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے شمال مغربی علاقوں میں بارشوں کی مقدار بہت کم رہ جاتی ہے۔ بارشوں میں ایسی کمی ہی سندھ اور راجستھان میں صحرائے تھر کا باعث ہے۔ موسم سرما میں ہواؤں کی سمت الٹ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اب ہوائیں ٹھنڈے میدانوں سے سمندر کی جانب چلتی ہیں (مون سون کی واپسی)۔ ان ہواؤں کے باعث مقامی نوعیت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ میدانی علاقوں سے اٹھنے والے آبی بخارات ان محدود بارشوں کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسم سرما کے اختتام پر ہلکی پھلکی بارش ہوتی ہے۔ البتہ یہ صورت حال ساحلی آندھرا پردیش، تامل ناڈو اور شمالی و مشرقی سری لنکا پر صادق نہیں آتی۔ جہاں آبی بخارات سے لدی ہوئی سرمائی مون سون خلیج بنگال سے آتی ہے۔ (نقشہ 1.4)۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ بلند پہاڑی رکاوٹیں پلاسٹوسین عہد کے آغاز سے بہت پہلے نمودار ہوگئی تھیں، اس میں شک وشبہ کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے کہ مون سون کا سلسلہ، جو کہ آج ہمارے سامنے ہے، لازمی طور پر کم از کم 20 لاکھ برس قبل شروع ہوا ہوگا۔ برفانی ادوار کے دوران، جبکہ سمندر پیچھے ہٹا بارشوں میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی ہوگی۔ جبکہ برفانی ادوار کے درمیانی وقفوں کے دوران بارشوں میں اضافہ ہوا ہوگا۔ جیسا کہ ہولوسین دور میں واقع ہوا ہے۔ جس میں ہم خود جی رہے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک بحث یہ بھی ہے کہ آیا ہولوسین دور کے دوران بارشوں کی مقدار میں کمی

واقع ہوتی ہے۔ راجستھان جھیل کے پیندے کے مطالعے کی بنیاد پر یہ مفروضہ پیش کیا گیا کہ اس دور میں خشک اور آبی مرحلے آتے ہیں۔ جو ایک یا دو اور اس سے بھی طویل دورانیوں پر محیط تھے۔ لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ ایسے مشاہدات سالانہ مون سون کی مقدار میں کمی بیشی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ یہ درست محسوس ہوتا ہے کہ گذشتہ دو سے تین ہزار برس کے دوران بارشوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔ جس کی وجہ جنگلات کی کٹائی اور فطری نباتات کی قیمت پر زیر کاشت رقبہ میں اضافہ ہے۔ اس نوعیت کی تبدیلی کی بڑی وجہ فطرت میں انسان کی مداخلت ہے۔ کیونکہ اس طرح پودوں کو مستقل طور پر ختم کر دینے کا عمل زیر زمین پانی جمع رکھنے کی صلاحیت بہت کم کر دیتا ہے۔ ورنتیجہ کے طور پر مقامی نوعیت کی بارشوں کا سلسلہ متاثر ہوتا ہے۔

1.4 قدرتی نباتات اور جنگلی حیات

کرہ ارض پر زندگی کا جنم 2500 سے 4000 برس قبل کے درمیانی عرصے میں، آرکی دور کے دوران قدیم ترین الجی اور بکٹیریا کی شکل میں ہوا۔ کیمبری دور تک (570 ملین برس قبل میں جس کا آغاز ہوا) سمندری حیات کا ارتقا نمودار ہو چکا تھا اور زمین پر قدیم ترین پودوں اور حشرات کے مجرات سلورین چٹانوں میں ملتے ہیں، جن کی عمر 408-438 ملین برس بیان کی جاتی ہے۔ لیکن یہ پودے انتہائی سادہ نوعیت کے تھے۔ فرن اور موسز پودوں کی اصناف بھی ڈیوونین عہد (360 تا 408 ملین قبل) میں نمودار ہوئیں اور لیول دار پودے زیریں کریٹیسائی عہد (جس کا آغاز 144 ملین برس قبل ہوا) میں نمودار ہوئے۔ ہندوستان میں گونڈوانا کی زیریں چٹانوں میں فرن کی مجرات پائی جاتی ہیں۔ جبکہ بالائی چٹانوں میں کونی فر پودوں کے فاسلز پائے جاتے ہیں۔ جبکہ قدیم ترین گھاسیں 38 تا 55 ملین برس قبل کے درمیانی عرصہ میں نمودار ہوئیں، جو کہ ایوسین عہد کہلاتا ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ پلاسٹوسین دور کے آغاز تک (1.8 ملین برس قبل) درختوں، جھاڑیوں، جڑی بوٹیوں اور گھاسوں کی شکل میں کرہ ارض پر قدرتی نباتات کی نشوونما اس قدر ہو چکی تھی، جیسا کہ ہم آج مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ خصوصی طور پر ماہرانہ تجزیہ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ پودوں کی متعدد انواع منظر سے غائب ہو چکی ہیں۔

پلاسٹوسین دور کے دوران، جس میں برفانی ادوار اور درمیانی مراحل مسلسل اور متبادل طور پر

سرگرم رہے ہیں، قدرتی نباتات کی خصوصیات میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ برفانی ادوار کے دوران ہمالیہ کے بہت سارے علاقے پر برف جم جاتی تھی لہٰذا میدانوں و ساحلی جزیرہ نما ہندوستان پر بہت خشک موسم کا غلبہ ہو جاتا ہوگا ایسے حالات میں پانی کی شدید کمی کے باعث سوکھے کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ امکان ہوسکتا ہے کہ ریت کی متحرک پہاڑیاں، جو کہ اب صرف راجستھان کے شمال مغربی حصہ اور مضافات تک محدود ہیں، برفانی دور میں بہت آگے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جو مغربی اروالی کے سامنے اور جے پور سے آگے ہریانہ میں کافی اندر تک موجود تھیں۔ جہاں آج تک ان کے ٹھوس تودے موجود ہیں۔ برفانی ادوار کے گذشتہ درمیانی مراحل میں، جس طرح کہ ہموسین دور میں دکھائی دیتا ہے، قدرتی نباتات نے صحرا سے کافی علاقے واپس حاصل کر لئے۔ اسی طرح نباتات ہمالیہ کی برفانی چادر کے علاقوں تک واپس پہنچ گئے۔ جب انسان نے جنگلات کاٹ کر یا زمین صاف کر کے کاشتکاری کا آغاز کیا اور چراگاہوں کو اپنے مویشیوں کے لئے وقف کیا۔ اس سے پہلے کرہ ارض پر نباتات کی جو حقیقی نوعیت تھی۔ اس کو قدرتی نباتات کا نام دیا جاتا ہے۔ عام الفاظ میں تنوع اور کثافت کے ضمن میں پودوں کا یہ غلاف، قدرتی حالات میں، جیسا کہ مثال کے طور پر 10000 برس قبل ہموسین کی تفاوتوں کا مظہر ہونا چاہئے تھا۔ پودوں کا یہ غلاف زیادہ بارش کے علاقوں میں زیادہ گھنا اور زیادہ متنوع ہوگا۔ بنگال اور اڑیسہ کے ساحلی علاقوں میں جنگل سدا بہار نمدار نوعیت کا تھا۔ دوسرے علاقوں میں، جہاں بارش کی مقدار اور نمی کم تھی، موسمی جنگلات اگے ہوں گے۔ جن کے پتے سال میں ایک بار موسم کے اعتبار سے گر جاتے ہیں۔ یہ رائے اکثر سامنے آتی ہے کہ محفوظ جنگلات اور بے آباد خطوں کی نباتات کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے ہم ابتدائی نوعیت کی قدرتی نباتات کی صحیح تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ایسے اکثر نباتاتی نمونے حیاتیاتی انحطاط کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب قدرتی نباتات میں انسانی مداخلت کے باعث تبدیلیوں کا سلسلہ ہے (جو کہ درختوں کی کٹائی اور جنگلات و دیگر نباتات کو جلانے سے وقوع پذیر ہوتی ہے) یا پھر مویشی چرانے کا کام ہے (جس سے گھاس اور پتوں کا خاتمہ ہوتا ہے)۔ دوسرے الفاظ میں قدرتی نباتات نقشوں میں ایک بڑا حصہ جو کہ اتر پردیش کے زیادہ تر علاقے اور مغربی بہار میں خشک استوائی جنگلات کی صورت میں نظر آیا ہے، ماضی میں شاید یہ علاقہ ان موسمی نمدار جنگلات سے علیحدہ کوئی شناخت نہ رکھتا تھا، جو کہ اب نباتاتی نقشوں میں

شمال، مشرق اور جنوب کی جانب کچھ علاقوں تک محدود نظر آتا ہے۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ایسے علاقے جہاں قدرتی نباتاتی غلاف پایا جاتا تھا، وہاں سطح زمین میں زیادہ مقدار میں پانی جمع رکھنے کی صلاحیت کے باعث زیادہ مقدار میں بارش ہوا کرتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں جنگل مزید نمدار اور گھنا ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بلوچستان جیسے خطے بھی بارشی علاقے رہے ہوں گے۔ نہروں کے کناروں اور آبی گڑھوں کے پشتوں پر کھڑے پرانے درخت، یہ سب جواب مکمل سوکھ چکا ہے، اس رائے کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ یہ امکان بھی نظر آتا ہے کہ کاشتکاری اور مویشیوں کے چرنے کے ذریعے قدرتی نباتات پر منفی اثرات اور بربادی کے آغاز سے پہلے، وہ علاقے جہاں اب دور فاصلوں پر بکھرے درختوں کے حامل کانٹے دار استوائی جنگلات بچ پائے ہیں۔ وہاں کم از کم خشک موسمی جنگل پایا جاتا تھا۔ ایسے جنگلات وادی سندھ کے زیادہ تر حصے اور مغربی گھاٹوں کے قریب ترین مشرقی علاقوں پر مشتمل وسیع خشک علاقے پر کبھی چھائے رہے ہوں گے۔ شاید اسی وجہ سے ہمیں یہ وضاحت ملتی ہے کہ ہاتھی کیوں کر وادی سندھ میں آزادی کے ساتھ پھرا کرتے تھے۔ چونکہ ان کی باقیات نا صرف سندھ میں ثقافتی مقامات سے مل چکی ہیں۔ بلکہ 5000 قبل مسیح سے قدیم ایسی باقیات کوئٹہ کے جنوب میں واقع درہ بولان کے زیریں میدانوں میں مہر گڑھ کے مقام پر بھی پائی گئی ہیں۔

یوں، ہولوسین دور کے دوران، جب حالیہ نوعیت کا موسم تشکیل پا گیا تھا، ہندوستان میں انسانی نسل کو خاصے گھنے جنگل سے واسطہ پڑا ہوگا۔ جس میں وادی سندھ، تھر اور پینسلولہ کی وسطی بیلٹ شامل نہ تھی۔ ان علاقوں میں بھی خشکی کی نوعیت خاص طور سے بہت کم درجے کی تھی۔ مختلف جیولوجیکل ادوار کے دوران ہندوستان میں پائے جانے والے جانوروں کے بارے میں فاسلز ہمیں بڑی حد تک آگاہی فراہم کر چکی ہیں۔ دنیا کے دیگر خطوں کی طرح ہندوستان بھی ڈائنوسارس یا دیوہیکل چھپکلیوں کا مسکن رہا ہے۔ جن میں کچھ ایسے بھی شامل تھے جو دنیا کی حیاتیاتی تاریخ میں سب سے بڑے جانور قرار پاتے ہیں۔ ڈائنوسارس 248 ملین برس قبل ٹریسک دور میں نمودار ہوئے اور 65 ملین برس قبل کریٹیسائی دور کے اختتام تک ناپید ہو گئے۔ ہندوستان کی گونڈوانا چٹانوں میں خاص طور پر ڈائنوسارس کے فاسلز ملے ہیں۔ ڈائنوسارس پوری دنیا سے مکمل طور پر کیوں ناپید ہو گئے۔ یہ ایک راز بنا ہوا ہے اور ان کے ہمہ گیر زوال کی تشریح پیش کرنے کے

لئے کئی ایک نظریات سامنے ہیں۔ جن میں یہ نظریہ بھی شامل ہے، جس کی رو سے ایک چٹان خلا سے گری اور زمین کے ساتھ ٹکرا گئی تھی۔ ڈائنوسارس کی معدومیت سے بھی پہلے پرندوں اور ممالیہ کی قدیم ترین انواع، جو راسک دور کے دوران جنم لے چکی تھیں جس کا آغاز 213 ملین برس قبل میں ہوا۔ لیکن ممالیہ جن میں آخر کار خونخوار قوی درندے پیدا ہوئے، ڈائنوسارس کی بربادی میں شاید بہت کم کردار کے حامل تھے۔

وقت کے ساتھ ممالیہ کی انواع میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا مشاہدہ ہندوستان میں کیا جا سکتا ہے۔ جہاں لیٹ ٹرنتری اور پلاسٹوسین عہد میں ہاتھی کی 17 انواع پائی جاتی تھیں۔ جو کہ اب معدوم ہو چکی ہیں۔ ہندوستان میں ہاتھی کی صرف ایک صنف زندہ بچی ہے۔ جو کہ انڈین ہاتھی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور صنف بچ پائی ہے۔ جس کو افریقن ہاتھی کہا جاتا ہے۔ گینڈا جو اب صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ پلاسٹوسین عہد کے دوران یہ نسل وادی گنگا اور نرمدا وادی دونوں جگہوں پر پایا جاتا تھا۔ یہاں جنگلی گھوڑوں کی انواع بھی پائی جاتی تھیں۔ جو کہ اب تک ناپید ہو چکی ہیں۔ دور حاضر میں سب سے بڑا پرندہ، شترمرغ بھی 8000 برس قبل اور اس سے پیشتر ہندوستان میں پایا جاتا تھا۔

قدیم دور میں مختلف انواع کی ناپیدگی کی بڑی وجہ ماحولیاتی تبدیلیاں تھیں۔ پلاسٹوسین عہد کے دوران میں آگے بڑھتی اور واپس لوٹتی برفانی تہوں نے جانوروں کی انواع کے خلاف خوفناک کھیل کھیلا ہوگا۔ بڑے پیمانے کی آتش فشانی اور ٹیکٹا نک سرگرمیوں کے باعث بھی قدیم دور کی جاندار انواع پر نقصان دہ اثرات مرتب ہوئے ہوں گے۔ لیکن حیاتیاتی ساخت کے اعتبار سے جدید انسان کی پیدائش سے خاص طور سے جدید حجری انقلاب کے بعد (دیکھیں باب 3) انسان بذات خود اور ایسے جانور جن کو انسان نے پالتو بنایا، بیشمار قدرتی انواع کی ناپیدگی کی اہم ترین وجہ بن چکے ہیں۔ کاشتکاری اور چراگاہوں میں اضافہ سے اس نسبت سے جنگلی حیات کے فطری ماحول میں کمی یا تباہی واقع ہوئی ہے۔ کبھی شیر ہندوستان میں جنگل کا بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ اب اس کے وجود کو بچانے کے لئے چند ایک شیر سوراشٹرا کے محفوظ گھر میں پالے جا رہے ہیں۔ شکاری لیپرڈ یا چیتا اب دنیا میں کہیں وجود نہیں رکھتا۔ اس کی آبادیاں پکڑے جانے (یہ قید میں تولید نہیں کرتے) اور گولی کا نشانہ بننے کے باعث، آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق

1903ء میں ٹائیگر حملوں کے باعث 866 لوگ ہلاک ہوئے۔ حالانکہ اس وقت ٹائیگروں کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی تھی۔ اب یہ بھی واضح طور پر ناپیدگی کے خطرے سے دوچار نسل ہے۔ گینڈا جس کے فطری ٹھکانے پورے ہندوستان پر پھیلے ہوئے تھے ختم ہو چکا ہے۔ یہ صرف شمال مغربی ہندوستان میں اپنی بقا کا تحفظ کر رہا ہے۔ اس طرح ہاتھی کی وسیع سلطنت بھی سکڑ کر جنگل کے چند محدود علاقوں تک مختصر ہوگئی ہے۔ پالتو جانوروں کو تحفظ اور ترقی دینے کے ضمن میں انسان نے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں۔ ان میں گائے، بکری، بھیڑ، سور، گھوڑا، مرغی، بلی اور کتا وغیرہ شامل ہیں۔

ان جانوروں کی زندگی اور تعداد انسان کی ان ضرورتوں سے وابستہ ہے جو وہ جانوروں کی پیداوار اور پالتو جانوروں کے کام سے حاصل کرتا ہے۔ درحقیقت انسان جانوروں کی پوری فطری سلطنت پر خاطر خواہ کنٹرول حاصل کر چکا ہے۔ فطرت کو بڑے پیمانے پر زوال سے دوچار کرنے کے باعث جن خطرات کا امکان (پودوں اور حیوانات کے حوالہ سے) خود انسانی نسل کو ہو سکتا ہے۔ اب ان کا احساس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ فطرت کے پاس جو کچھ بھی اصلی حالت میں بچا ہے۔ اس کو محفوظ بنانا ہماری کوششوں کا اہم حصہ ہونا چاہئے۔

Note 1-1

جیولوجیکل ادوار

جیولوجی وہ سائنس ہے جس میں زمین کی طبعی خصوصیات کو زیر مطالعے لایا جاتا ہے۔ اس میں زمین کی بیرونی سطح یعنی کوسٹ کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا آغاز ان مشاہدات سے ہوا جن کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ میلے میدان کس طرح تشکیل ہوئے۔ ان میں سلٹ اور چٹانوں کے ٹکڑے کس طرح جمع ہو گئے۔ اس کا مقصد یہ معلوم کرنا بھی تھا کہ چٹانوں میں مختلف ساختیاتی تہیں کس طرح وجود میں آتی ہیں۔ البیرونی نے ہندوستان پر اپنی عظیم تصنیف (1035AD) میں ایسے مشاہدات کی بنیاد پر صاف کیا ہے کہ ہندوستان کی جگہ کبھی ایک سمندر موجود تھا۔ جو کہ دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے درجہ بدرجہ ہوتا رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن انداز میں جیولوجی کے بارے میں جدید تحقیق سامنے آچکی ہے۔ جس کی رو سے کہا جاتا ہے کہ مختلف چٹانیں زمین کی

کرسٹ میں انتہائی تلشیں اور دباؤ کے زیر اثر تشکیل ہوئی ہیں۔اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف نوعیت کی چٹانیں مختلف ادوار میں نمودار ہوئی ہیں۔ دو مفروضوں کی بنیاد پر ہم چٹانوں کی تشکیل کرنے والی مختلف نمیوں کی ترتیب کا تعین کر سکتے ہیں۔

1- عمومی اعتبار سے سمجھا جاتا ہے کہ چٹان کی زیریں تہہ یا سٹریٹم کو بالائی تہہ سے پہلے تشکیل ہونا چاہئے (ہم اس اصول میں استثنیٰ پر غور کریں گے)

2- ایسی چٹانیں جن میں ایک جیسے فاسلز، یعنی جانداروں کی باقیات پائے جاتے ہیں۔ان کے بارے میں غالب امکان یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی دور میں تشکیل ہوئیں۔ جبکہ ایسی چٹانیں جن میں زیادہ ترقی یافتہ جانداروں کی فاسلز ملتی ہیں۔ان کی تشکیل بعد کے زمانے میں ہوتی۔

ان دونوں میں پہلا اصول اس وقت استعمال ہوتا ہے۔ جب تہوں کی ترتیب افقی ہوتی ہے اور اس میں کسی نوعیت کی اکھاڑ پچھاڑ کا دخل موجود نہیں ہوتا ہے۔ جیسا ہمیں جزیرہ نما ہندوستان کے زیادہ تر حصے میں دکھائی دیتا ہے۔لیکن یہ ترتیب جو تہوں میں دکھائی دیتی ہے۔ایک مخصوص علاقے یا مقام کے حوالہ سے ہی درست ہو سکتی ہے۔ہم ایک علاقے کی ایسی معلومات کو دوسرے علاقے میں پائی جانے والی چٹانوں میں تہوں کی ترتیب سے نسبت نہیں دے سکتے۔اس کے علاوہ ایسے علاقے جہاں کافی اکھاڑ پچھاڑ وقوع پذیر ہوتی ہے یا چٹانوں کے پتھر اور کنکریاں دریاؤں اور برفانی تودوں کے ذریعے ایک سے دوسری جگہ تک منتقل ہو گئے ہیں اور جہاں اوپر والی تہہ پہلی تہہ کے نیچے چلی گئی ہو۔وہاں تہوں کی درست ترتیب کا تعین مشکل ہو جاتا ہے۔

فاسلز ہماری یہ دونوں مشکلات حل کرتی ہیں۔ پاکستان کے علاقے سالٹ رینج کی تہہ میں پائی جانے والی بنیادی چٹانوں میں ٹرائیلو بائٹ یا ناپید سمندری کیکڑوں کے ایسے مجرات ملتے ہیں۔ جو کہ یورپ میں پائی جانے والی کیمبری دور کی ابتدائی چٹانوں (505 تا 570 ملین برس قبل) میں پائے جانے والے جانداروں کی فاسلز سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ یوں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ سالٹ رینج میں ایسی فاسلز کی حامل تہوں کا تعلق کیمبری دور سے ہے۔لہٰذا بیشک ٹیکٹانک اکھاڑ پچھاڑ اور چٹانوں کے ٹوٹے حصوں کی اتھل پتھل تہوں کی ابتدائی تربیت کو پیچیدہ سوال بنا دیتی ہے۔اس کے باوجود ہم فاسلز کی بنیاد پر نئی اور پرانی تہوں کی پہچان کر سکتے ہیں۔

جیولوجیکل سکیل پر زمانوں کی بنیادی درجہ بندی سب سے پہلے یورپ میں کی گئی۔ جس میں زمانوں کو بڑے ادوار اور ادوار کو عہدوں میں خاص ترتیب کے ساتھ شامل کیا گیا۔ ہندوستان میں انہی بنیادوں پر چٹانوں اور چٹانوں کی تہوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا آغاز جن ''نظاموں'' کے ذریعے ہوا۔ ان کے لئے دھروار، کڈاپیا، وندھیان جیسے نام استعمال ہوئے۔ ان کو پھر ایک منظم ترتیب میں لایا گیا۔ عہد جس کو ادوار میں تقسیم کیا گیا۔ اس کو ویدک (قدیم ترین اور عالمی نام کاری میں آرکی کا متبادل) جیسا خوبصورت نام دیا گیا۔ پیورانا، درواڑی اور آریائی زمانے اس ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس میں پلاسٹوسین کا آغاز آخری دور کے اختتام پر ہوتا ہے۔ لیکن مختلف جیولوجیکل ادوار کی ایک دوسرے سے نسبت کو سمجھنے کی خاطر آسانی کے لئے واحد نوعیت کی بین الاقوامی درجہ بندی بہت اہم ہے۔ اس لئے ہندوستان سمیت پوری دنیا میں ہر جگہ یورپ کی وضع کردہ ابتدائی سکیم ہی اختیار کی جاتی ہے۔ جس میں اصلاح اور تبدیلی بھی شامل ہوتی رہتی ہے۔ اس سکیم میں (دیکھیں ٹیبل 1.1) درجہ بندی کی بنیاد بڑی حد تک ایسے ٹھوس نامیاتی اور حیاتیاتی حقائق پر استوار ہوئی ہے۔ جو فاسلز کی شکل میں چٹانوں میں محفوظ پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ دیگر ذریعے بھی زیر غور آ چکے ہیں۔ پلاسٹوسین جو کہ آخری، لیکن اور دور ہے۔ اس کی خاص پہچان یہ ہے کہ اس میں انسان (homo)، گھوڑے (equus)، گائے (bos) اور ہاتھی (elephas) جیسی انواع کا ارتقائی ظہور ہوا۔ مقناطیسی قطبین میں وقوع پذیر تبدیلیوں کے مطالعے سے ہمیں یہ آگاہی ملتی ہے کہ 1.9 یا 1.8 ملین برس قبل میں مقناطیسی قطبی تقسیم میں ایک نارمل تبدیلی وقوع پذیر ہوئی (اس کو آلہ وائی مظہر کہا جاتا ہے) اور اگرچہ اس تبدیلی کے اثرات ایسی انواع پر کچھ زیادہ نہیں تھے جو کہ اس زمانے تک ارتقا کے مخصوص مرحلہ میں داخل ہو چکی تھیں، یہ زمانہ عام طور پر پلاسٹوسین کے آغاز کی نشاندہی کرنے والا سنگ میں سمجھا جاتا ہے۔

طبعی سائنسوں میں ترقی کے سبب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ہم ارضیاتی تبدیلیوں کے اوقات کا تعین مطلق اصطلاحوں میں کر سکیں۔ جو معقول حد تک درست ہو۔ پوٹاشیم۔ آرگون (K-Ar) طریقہ کار اس حوالہ سے ایک بہت بڑی کامیابی تھی، جس کی مدد سے 3000 تا 100,000 برس تک چٹانوں کی عمر کا صحیح تعین کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قدیم مقناطیسی نوعیت کا مطالعہ، جس میں مقناطیسی تعین کے مختلف مراحل کا تجزیہ کیا جاتا ہے، ہمیں چٹانوں کی عمر معلوم کرنے کے لائق بناتا

ہے۔(ان دونوں طریقوں کے بارے میں آپ دیکھیں باب 2 میں نوٹ 2.1)۔منطقی نتیجہ کے طور پر جیولوجیکل زمانے جو کہ ٹیبل 1.1 میں دکھائے گئے ہیں، اب ایسے نظام الاوقات کے حامل ہیں جن پر یقینی طور پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

البتہ متعدد معاملات ابھی تک ایسے ہیں جو حل طلب ہیں۔ پلاسٹوسین کی سٹینڈرڈ تقسیم جس کی بنیاد چار یا پانچ بار بڑے پیمانے کی برفباری یا برفانی ادوار اور وقفوں یا برفانی ادوار کے درمیانی مرحلوں کے مفروضے پر قائم تھی۔اب یہ رائے مسترد ہو چکی ہے اور اب پلاسٹوسین میں برفباری و درمیانی وقفوں کی بہت بڑی تعداد کا نظریہ درست سمجھا جاتا ہے۔جس میں مختلف مراحل کے دوران برفباری کی شدت مختلف نوعیت کی حامل رہی ہوگی۔ایسی تبدیلیوں کے کیا اسباب تھے۔یہ بھی زیر بحث موضوع ہے۔اس حوالہ سے ایک قدیمی رائے میں دوبارہ سے دلچسپی بڑھ رہی ہے۔جس کی رو سے قرار دیا جا چکا ہے کہ برفباری کے مراحل زمین تک پہنچنے والی سورج کی روشنی میں تغیرات کی نوعیت پر مبنی تھے۔

ان تغیرات کی وجہ سورج کے گرد زمین کے گردشی مدار میں معمولی نوعیت کی تبدیلی اور زمین کے محور کا آگے کی جانب جھکاؤ تھا۔البتہ اس کے علاوہ دوسرے اسباب جیسا کہ براعظمی سرکاہٹ کے سمندری لہروں پر مرتب ہونے والے اثرات کو بھی اہم قرار دیا جا رہا ہے۔

❁❁❁❁❁

تحقیق کے نئے زاویئے

عزت کے نام پر قتل کیوں؟

ڈاکٹر مبارک علی

آج کل جس اخبار کو اٹھائیں اس میں اس قسم کی خبریں ہوتی ہیں کہ ''کاروکاری'' کے جرم میں عورتوں کو قتل کر دیا گیا، یا عزت کے نام پر انہیں مار ڈالا گیا۔ اس بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ عزت کے نام پر قتل کا سلسلہ بہت پرانا ہے، مگر اب میڈیا کی وجہ سے یہ لوگوں کے سامنے آ گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر کیوں عورتوں کے قتل اس قدر بڑی تعداد میں ہو رہے ہیں؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے اس سے پہلے سماج کی روایات اور رسم و رواج ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ عورت اپنے حق کی بات کرے، مردوں کی بالادستی کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔

مگر اب وقت کے ساتھ سماج میں تبدیلی آ رہی ہے۔ عورتوں میں اپنے حقوق کا احساس بڑھ رہا ہے، عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر تعلیم بھی حاصل کر رہی ہے، کام کاج میں بھی مصروف ہے اور نوجوان لڑکیاں، تعلیمی اداروں، کام کی جگہوں، یا محلوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور دوستیاں ہوتی ہیں، اس لئے جب ایک لڑکی اپنی پسند کی شادی کرتی ہے تو اسے قبیلہ یا خاندان والے رسم و رواج کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبیلہ یا خاندان میں لڑکی کو ملکیت سمجھا جاتا ہے اور اسے قبائلی یا خاندانی مفادات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ماحول میں لڑکی کی اپنی کوئی ذات نہیں ہوتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ہے، وہ قبیلہ، برادری یا خاندان کے فیصلوں پر عمل

کرتی ہے۔ اب اگر وہ اپنی ذاتی رائے پر عمل کرے، اور ذاتی آزادی کی خواہش کرے تو یہ ایک طرح سے بغاوت تصور کی جاتی ہے، اور باغیوں کی طرح اسے بھی سخت سزا دی جاتی ہے۔

لیکن عزت، اور کاروکاری کا تعلق صرف رسم و رواج ہی سے نہیں، ان رسم و رواج، اور روایات کی جڑیں سماج کے پدری نظام میں ہیں۔ اس لئے ہم ''عورتوں کی تاریخ'' میں مورخین ان جڑوں اور بنیادوں کو تلاش کر رہے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں یہ رسم و رواج پیدا ہوئے، اور یہ ختم بھی اس وقت ہوں گے کہ جب سماج کا پورا ڈھانچہ بدلے گا۔

حال ہی میں اس موضوع پر طاہرہ ایس خان نے ''عزت کے قتل سے اور آگے'' 2006 Beyond Homan Killing میں اس موضوع پر وضاحت سے بحث کی ہے۔

عورتوں کی تاریخ اب تک نظروں سے اوجھل تھی، اور اگر ہمیں ان کے بارے میں ذکر ملتا تھا تو اس وقت سے کہ جب پدرانہ نظام غالب آ چکا تھا، اور عورت کا سماجی رتبہ اس قدر گر چکا تھا کہ وہ تاریخ سے تقریباً غائب ہوگئی تھی۔ اگر تاریخ میں عورتوں کا ذکر آتا تھا تو بطور ''شیے'' کے چند عورتیں جو تاریخ میں مشہور ہوئیں تو اس لئے نہیں کہ وہ عورتیں تھیں، بلکہ اس لئے کہ ان میں ''مردانہ خصوصیات'' تھیں۔ جیسے رضیہ سلطانہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مردوں کی طرح گھڑسواری کرتی تھی، ہتھیار رکھتی تھی، اور پردہ توڑ کر باہر آ گئی تھی۔ جنگ کرنا، گھڑسواری، ہتھیار بند ہونا، اور بہادری کا مظاہرہ کرنا، یہ سب مردانہ خصوصیات ہوتی تھیں۔ عورتیں صنف نازک تھیں، وہ محنت و مشقت و سختیوں سے دور رہتی تھیں۔ یہ تھا وہ تصور کہ جو عورت کا تھا۔

لیکن اب مورخ اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ پدرانہ نظام ہمیشہ سے نہیں تھا۔ تہذیب کے ابتدائی دور میں، یعنی شکاری زمانہ میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں تھا، دونوں ہی شکار کرتے تھے، غذا جمع کرتے تھے، اور برابر کے ساتھ رہتے تھے۔

عورت و مرد کے کاموں میں فرق زراعتی معاشرے میں پیدا ہوا، جیسے کہ مرد کے کاموں میں ہل چلانا اور کھیتی باڑی کرنا تھا، جب کہ عورت مویشیوں کی دیکھ بھال کرتی تھی، اور کھانا پکاتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ فرق بڑھتا گیا۔ زراعتی معاشرہ میں چونکہ کام کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے یہ سوچا گیا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنا چاہیں۔ اب عورت برادری یا قبیلہ کی

ملکیت بن گئی کہ جس کا کام بچے پیدا کرنا، اوران کی پرورش کرنا تھا۔

اینگلز نے لکھا ہے کہ جب نجی جائیداد کا ادارہ وجود میں آیا، اور وراثت کا تصور ابھرا تو اب عورت کے لئے یہ لازمی ہو گیا کہ وہ وارث پیدا کرے، اور یہ وارث صاحب جائیداد کا ہو، اس سے عصمت وعفت اور پاک بازی کے خیالات نے جنم لیا کہ عورت کو کسی دوسرے مرد سے جنسی تعلقات قائم نہیں کرنا چاہئیں۔

لیکن پدرانہ نظام اور اس کے تسلط کے کئی پہلو ہیں۔ جہاں ایک طرف یہ عورت کو پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی عصمت وعفت اور پاکبازی کو محفوظ رکھے، اور جائیداد کے لئے جائز وارث پیدا کرے، وہیں کئی قبائل اور برادریوں میں اس کا دوسرا پہلو بھی ہے۔

مثلاً ہندوستان میں، قدیم اور عہد وسطی میں عورت کے لئے ضروری تھا کہ وہ شادی کے بعد لڑکا پیدا کرے، کیونکہ لڑکا نہ صرف خاندانی سلسلہ کو آگے بڑھاتا ہے بلکہ باپ کے مرنے پر اس کی چتا کو آگ بھی لگاتا ہے۔ اب اگر شوہر و بیوی کے تعلقات سے لڑکا پیدا نہیں ہوتا تھا تو، شوہر بیوی کو جازت دیتا تھا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے جنسی تعلق پیدا کر کے لڑکا پیدا کرے، یہ رسم ''نیوگ'' کہلاتی تھی۔ یہاں لڑکے کی خاطر عورت کی عزت یا عصمت کو قربان کر دیا جاتا تھا۔

شادی سے پہلے کسی مرد سے جنسی تعلقات رکھنا بھی پدرانہ نظام کے تحت ایک جرم ہے۔ یکن نائیجیریا میں، کچھ قبیلوں میں یہ رواج تھا، اور شاید اب بھی ہے کہ لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے جنسی تعلقات رکھتے تھے تا کہ یہ دیکھا جائے کہ لڑکی بانجھ تو نہیں ہے، اگر وہ حاملہ ہو جاتی تھی تو اس سے شادی کر لی جاتی تھی، ورنہ نہیں۔

اس طرح افریقہ کے کچھ قبیلوں میں اگر عورت کو اغوا کر لیا جاتا تھا، یا جنگ کے نتیجہ میں پکڑ کر لیجایا جاتا تھا، تو اس صورت میں اگر وہ کچھ عرصہ بعد واپس قبیلہ میں آتی تھی اور اس کے دوسرے مردوں کے تعلق سے بچے بھی ہوتے تھے تو اس کا شوہر اسے قبول کر لیتا تھا، اس کی دلیل یہ ہوتی تھی کہ عورت کھیت کی طرح ہے اگر میں نے اس میں بیج نہیں ڈالے، اور کسی اور نے ڈال کر فصل پیدا کر دی تو اس میں کیا حرج ہے۔

اسکیمو قبائل میں یہ رواج تھا کہ اچھے سماجی تعلقات کے لئے وہ اپنی بیویوں کا تبادلہ کیا کرتے تھے اور اسے قطعی معیوب نہیں سمجھتے تھے۔

یہ تاریخی شواہد، ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ چونکہ پدرانہ نظام میں عورت قبیلہ، برادری، اور خاندان کی ملکیت ہو جاتی ہے، اس لئے اگر وہ رسم ورواج، اور روایات کی خلاف ورزی کرتی ہے تو سزا دینا یا قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اسی ملکیت کے تصور کی وجہ سے عورت کو مرد اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے، سیاسی یا سماجی فوائد کے لئے اس کی شادی کرتا ہے، اسے فروخت کرتا ہے، اور عزت کے نام پر اسے گھر کی چار دیواری میں مقید رکھتا ہے۔

طاہرہ خان نے اپنی کتاب میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے کہ عزت کے نام پر قتل، اور کاروکاری کی رسومات کو قانون کے ذریعہ ختم نہیں کیا جا سکتا ہے، جب کہ سماج کے رویوں، اور تصورات کو نہیں بدلا جائے اور جب تک پدرانہ نظام کو نہیں ختم کیا جائے، اس وقت تک یہ روایات مقدس رہیں گی۔

موجودہ دور میں تشدد کی وارداتیں، اس لئے بھی بڑھ گئی ہیں کہ اب گاؤں اور دیہات سے لوگ شہروں میں آ رہے ہیں، جہاں انہیں ایک دوسری قسم کی روایات سے سابقہ پڑ رہا ہے، جب ان دو میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں سماج میں کنفیوژن اور افراتفری پیدا ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلے گا کہ جب تک تبدیلی مکمل نہیں ہو جاتی ہے۔

دوسری جانب گلوبل قوتیں ہیں کہ جو سماج کو بدل رہی ہیں، کیا ان کے نتائج مثبت ہوں گے یا منفی؟ اس پر کہنا مشکل ہے، لیکن ایک یقینی بات ہے کہ سماج ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہے گا اور تبدیل ضرور ہوگا۔

❁❁❁❁❁

تاریخ کے بنیادی مأخذ

مآثر عالمگیری

مصنف: محمد ساقی مستعد خاں
ترجمہ: مولوی محمد فدا علی طالبؔ

ماہنامہ **بدلتی دنیا** کراچی

ایڈیٹر: یاسین شیخ

اسسٹنٹ ایڈیٹر: میاں آفتاب احمد کم ذات

رابطہ آفس: 513 یونی شاپنگ سینٹر عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی

جلوس عالمگیری کا تیسواں سال

1097ھ/1687ء

اس دوران میں رمضان کا مقدس مہینہ آیا، اور تمام اشخاص کے لئے عموماً اور بادشاہ حق پرست کے لئے خصوصاً نشاط جاوید کے دروازے کھل گئے بادشاہ دین ودولت نے خیر خواہاں ملک کو ہر قسم کی نوازش سے سرفراز فرمایا، نوازش خاں کو قلعہ مندسور کی فوج داری وقلعہ داری کی خدمت عطا ہوئی، سہراب خاں کو جیغہ ،مرصع عطا ہوا، سرفراز خاں وداؤد خاں خلعت ملازمت کے عطیہ سے سرفراز ہوئے۔

محمد شریف داروغہ جائے نماز خانہ کے تغیر سے ابوالخیر ولد شیخ نظام اس خدمت پر مامور فرمایا گیا، محمد مومن خویش ایرج خاں رضی الدین کے انتقال کی وجہ سے جو حسن علی خاں ناظم صوبہ دار کا نائب تھا، اور سپاہ سے گفتگو فوت ہو گیا تھا خدمت نیابت پر فائز ہوا۔

15- شوال کو جہاں پناہ نے قلیچ خاں کو ترکش کمان کے عطیہ سے سرفراز فرما کر مورچال پر متعین کیا، کمال الدین خاں ولد دلیر خاں کے زخم مندمل ہو گئے خان مذکور حضور شاہی میں حاضر ہو کر خلعت وشمشیر وعطائے سراکی (پیراکی) کے عطیات سے مسرت اندوز ہوا، اعتضاد خاں احمد نگر سے آستانہ ءوالا پر حاضر ہوا، راجہ بھیم سنگھ حسب الحکم اجمیر سے بارگاہ والا میں حاضر ہوا۔

قلعہ ءدمدمہ کا محاصرہ

25- تاریخ حضرت قبلہ ءعالم دمدمہ کو جو کنگرہ قلعہ کے برابر پہنچ گیا تھا لیکن آثار فتح ظاہر نہ ہوتے تھے ملاحظہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے، سواری مبارک کے ساتھ ہائے ہوئے کے نعرے بلند تھے اور قلعہ سے برابر بانگ وتفنگ سر ہو رہے تھے، توپ کے گولے سراقدس کے اوپر

سے گزر رہے تھے، لیکن جہاں پناہ کا تخت رواں برابر جارہا تھا، میر عبدالکریم نے اپنی تیزی طبع سے اس وقت تاریخ فتح کا مصرعہ موزوں کیا اور اس کو کاغذ کے ایک پرچہ پر سیسے کے قلم سے لکھ کر ملاحظہ والا میں پیش کیا، مصرعہ مذکور یہ تھا۔۔۔ ''فتح بیجاپور زودی میشود'' قبلہء عالم نے مصرعہ مذکور کو ملاحظہ فرما کر کہا کہ خدا ایسا ہی کرے، خدا کا شکر ہے کہ حصار مذکور اسی ہفتہ میں فتح ہو گیا۔

جلال چیلہ نے مورچال کی خدمت بخوبی انجام دی تھی قبلہء عالم نے چیلہ مذکور کو بتاریخ 3-ذی قعدہ سربراہ خاں کا خطاب مرمت فرمایا، شاہی فوج نے بے حد مستعدی و دلیری کے ساتھ حریف کا مقابلہ کیا اور تقریباً دو ماہ محاصرہ برابر جاری رہا۔

والی بیجاپور کا معافی نامہ

سکندر عادل اور اس کے بہی خواہوں نے عالم گیری سپاہ کی جرأت و استقلال و نیز شاہی سامان جنگ کی کثرت دیکھ کر اپنے انجام پر غور کیا چونکہ والی بیجاپور کی حیات مستعار باقی تھی اور نیز یہ کہ توفیق و سعادت نے بھی اس کی رہبری کی والی و امراء نے عفو تقصیر کی درخواست کی اور ظل سبحانی کے سایہ عاطفت میں پناہ گزیں ہونے کا معروضہ پیش کیا۔

چوتھی ذی قعدہ کو حصار مذکور فتح ہوا اور اہالی ملک بادشاہ دیں پناہ کی رعایا میں شامل ہوئے جس ملک میں عرصہ سے شعائر اسلام گمنام ہو چکے تھے خدا کے فضل سے اس سرزمین میں جاء الحق و زھق الباطل کا غلغلہ بلند ہوا، بادشاہ خطا بخش کو سکندر عادل کے عذرات پسند آئے افضال شاہی اس کے سر پر سایہ فگن ہوا، اور سکندر جیسا شدید مجرم بادشاہی غضب سے جو نمونہ قہر الٰہی ہے محفوظ و مامون ہو کر لطف و کرم سے فیض اندوز اور نجات دارین کا مستحق قرار پایا، والی بیجاپور اپنی خوش نصیبی سے بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا، قبلہء دین و دولت نے والی مذکور کو خنجر مرصع با علاقہ مروارید و آویزۂ زمرد قیمتی تیرہ ہزار و کلغی مرصع و عصائے مرصع مرحمت فرمائے۔

ان انعام و عطیات کے علاوہ فرمان مبارک صادر ہوا کہ سکندر خاں کے قیام کے لئے کلاں بار میں خیمہ نصب کیا جائے اور ضروریات زندگی کے لئے تمام سامان مہیا کئے جائیں عبدالرؤف و شرزہ ملازمت والا میں حاضر ہو کر خلعت و شمشیر و خنجر مرصع با علاقہ مروارید و اسپ با ساز طلا و فیل با ساز نقرہ کے انعام و عطیہ سے سرفراز ہوئے، ان عطیات کے علاوہ عبدالرؤف کو دلیر خاں اور

شرزہ کور ستم خاں کے خطابات مرحمت ہوئے، اور ہر امیر شش ہزاری شش ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔

مہابت خاں وشریف الملک ومختار خاں وسرفراز خاں کو فیل اور قلیچ خاں کو خنجر واسپ اور لطف اللہ خاں وغضنفر خاں کو علم وطوغ وصف شکن خاں کو نقارہ وہمت خاں کو شمشیر باساز مرصع کے عطیات مرحمت ہوئے۔

قمر الدین خاں کو خنجر مرصع عطا ہوا خدیو خدام نواز نے جمدۃ الملک اسد خاں کو مسند مربع عطا فرمائی خواجہ وفادار وغہ سکہ بیج خانہ ومسند وتکیہ گاہ زربفت وسوزنی چکن دوز گیا تھا۔

ملازم مذکور کا قصور معاف ہوا اور ایک ہزار روپے بطور انعام مرحمت ہوئے۔

حسن علی خاں کی وفات

حسن علی خاں عالم گیر شاہی نے طویل وشدید علالت کے بعد وفات پائی یہ امیر شجاعت و مردنگی راست گفتاری ونمک حلالی میں بے نظیر وشہرۂ آفاق تھا خان مرحوم کے ہر دو فرزند محمد مقیم و خیر اللہ کو خلعت عطا ہوئے اور ہر دو برادر قید غم سے آزاد فرمائے گئے، مرحوم حسن علی خاں کے بجائے مہابت خاں صوبہ دار برار مقرر فرمایا گیا، قبلہء عالم نے مہابت خاں کو خلعت وزرہ وخود و راک تلوار وغیرہ کے عطیات سے سرفراز فرمایا۔

محمد صادق کو نیابت عطا ہوئی اور یہ امیر بھی عطیہء خلعت سے بہرہ اندوز ہوا۔

گیارہ تاریخ دولت خاں واقع رسول پور سے کوچ کر کے قبلہء عالم نے اس تالاب کے کنارہ جو دروازہ علی پور کے مقابل واقع ہے قیام فرمایا اور سوار ہو کر قلعہ ارک کے عمارات وفصیل شہر پناہ کی سیر فرمائی۔

9- ذی قعدہ کو اشرف خاں میر بخشی نے وفات پائی اور بجائے اس کے روح اللہ خاں بخشی گری اول کے عہدہ پر فائز ہوا، روح اللہ خاں کی جگہ پر بہرہ مند خاں بخشی دوم مقرر ہوا اور بہرہ مند خاں کے تغیر سے کامگار خاں داروغہء غسل خانہ اور بجائے کامگار خاں کے قاسم خاں میر توزک اول کے خدمات پر فائز ہوئے، اشرف خاں کے برادر زادوں، یعنی محمد حسین ومحمد باقر کو ماتمی خلعت مرحمت ہوئے۔

قبلہء دین و دولت نے شب ہفدہم کو سکندر عادل کو اپنے حضور میں طلب فرما کر سرپیچ الماس اور تین بیڑے پان کے مرحمت فرمائے، روح اللہ خاں دارالظفر بیجاپور و نیز دیگر امراء صوبجات کی خدمت نظامت پر مامور ہوا۔

قبلہء عالم نے خان مذکور کے منصب میں ہزاری ذات وسوار کا اضافہ فرما کر امیر مذکور کو پنج ہزاری چہار ہزار سوار کا منصب دار قرار دیا، عزیز اللہ خاں کو قلعہ داری، محمد رفیع کو دیوانی، سعادت خاں کو بخشی گری و واقعہ نگاری، سید ابراہیم کو کوتوالی و فوجداری حاجی مقیم کو داروغگی توپ خانہ، زین العابدین و محمد جعفر کو داروغگی وامانت داغ و تصحیحہ، ابوالبرکات کو عہدۂ قضا و محمد افضل کو احتساب کے خدمات عطا ہوئے۔

6-ذی الحجہ کو سکندر خاں کو دس ہزار روپے بطور انعام مرحمت ہوئے، خانہ زاد خاں کو مرہٹ جانے کی اجازت مرحمت ہوئی۔

ہمت خاں ولد خان جہاں بہادر کو نظامت صوبہء الہ آباد کی خدمت کے ساتھ خلعت رخصت بھی عطا ہوا، یہ امیر دو ہزار پانصدی دو ہزار و دو صد کا منصب دار تھا، قبلہء عالم نے اسّی لاکھ دام بھی بطور انعام مرحمت فرمائے

کفایت خاں حاتم سکھر کی نظامت پر فائز ہوا اور خان مذکور کے داماد مسمی جعفر کو سکھر کی دیوانی کا عہدہ عطا ہوا جہاں پناہ نے کفایت خاں کو فیل کے عطیہ سے سربلند فرمایا، یار بیگ پیش دست بخشی دوم مقرر ہوا اور اس کے تغیر سے اخلاص کیش کو پیش دستی میر بخشی کی خدمت عطا ہوئی۔

راجہ انوپ سنگھ کو سکھر کی فوج داری و قلعہ داری عطا ہوئی، عبدالواحد خاں کو ملک جدید کی اور قادر داد خاں کو مرہج کی قلعہ داری مرحمت ہوئی، قاسم کو بسواپٹن جانے کی اجازت عطا ہوئی اور شیخ چاند محال مذکور کا قلعہ دار مقرر فرمایا گیا۔

سکندر خاں کے ہم قبیلہ افراد کی معافی

15-ذی الحجہ کو سکندر خاں کے ہم قبیلہ سولہ افراد جن کے دست چپ کی انگلیاں کٹی ہوئی تھیں ملاحظہ والا میں پیش ہوئے یہ انگشت بریدہ اشخاص اپنے آباؤ اجداد کی قرارداد کے موافق وراثت سے محروم کر دیئے گئے، بادشاہ غربا پرور نے ان بے کسوں کے حال پر رحم فرما کر ایک سو پچاس

اشرفیاں ان کو مرحمت فرمائیں، فرمان مبارک صادر ہوا کہ یہ صاحب احتیاج گروہ شولا پور میں مقیم ہو، شہریار معدلت آثار نے ان میں سے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق وظیفہ عطا فرمایا۔

سپہدار خاں پسر خاں جہاں بہادر مکرم خاں کے تغیر سے لاہور کا صوبہ دار مقرر فرمایا گیا، اعتقاد خان سنبھاجی کی تنبیہ کے لئے جو متکل بیدبہ کی طرف آوارہ وطن ہو چکا تھا، جہاں پناہ نے خان مذکور کو کلنگی پر خانہ کلنگ کی مرحمت فرمائی۔

جہاں پناہ کا بیجاپور سے کوچ کر کے شولا پور پہنچنا

قبلہء عالم 22- ذی قعدہ کو بیجاپور سے روانہ ہو کر 25- تاریخ ماہ مذکور کو شولا پور پہنچ گئے، بادشاہ نے حکم دیا کہ سکندر خاں کو بیگمات شاہی کے ہمراہ یہاں پہنچائیں اور خان مذکور کا ماہی مراتب و دیگر اسباب عظمت محکمہ ضبطی خانہ میں داخل کئے جائیں۔

اس روز خان بہادر نواب فیروز جنگ مضافات حیدر آباد کے مشہور قلعہ ابراہیم گڑھ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے جہاں پناہ نے خان ممدوح الصدر کو خلعت و فیل عطا فرمایا، نواب صاحب ممدوح کے ہمراہی امرا یعنی دلیر خاں وشرزہ خاں وجمشید خاں و مانو جی گھورپیڑ و کشور سنگھ ہاوا وشیو سنگھ وشجاعت خاں و گوپال راؤ و کمال الدین خاں وراؤ دلپت خاں وصف شکن خاں وآقا علی خاں و عبدالقادر و جہانگیر قلی خاں وصوفی خاں واودت سنگھ بھدوریہ وسربراہ خاں چیلہ و دیگر کم وبیش منصب دار خلعت و جواہر واسپ وفیل واضافہ وخطاب و نیز دیگر شاہانہ نوازش وعطیہ وانعام سے سرفراز فرمائے گئے، 29- ذی الحجہ کو جہاں پناہ نے قلعہء شولا پور کی سیر فرمائی۔

شاہزادہ بیدار بخت کا عقد

15- محرم کو شاہزادہ بیدار بخت کا جشن کتخدائی منعقد ہوا، دختر مختار خاں جس کا حسب ونسب آفتاب کی طرح روشن ہے شاہزادۂ مذکور کے حبالہء عقد میں دی گئی، قاضی عبداللہ نے خطبہ نکاح پڑھا اور دو لاکھ کی رقم دین مہر قرار پائی، جہاں پناہ نے شاہزادہ بیدار بخت کو سرپیچ لعل واوریسی و مالائے مروارید اور ایک لڑی و آٹھ انگشتری و ایک لاکھ روپیہ نقد اور ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی عطا فرمایا، عروس انگشتری و مالائے مروارید و انوت مرصع کے عطیات سے دل شاد فرمائی گئی۔

16- محرم کو علی آقا سفیر مکہ معظمہ کو واپس جانے کی اجازت مرحمت ہوئی، اور خلعت وخنجر و اسپ و تین ہزار روپے نقد مرحمت ہوئے، عائشہ خاتون دختر سکندر خان کو کلاہ مروارید دوز عطا ہوئی، میر عبدالکریم دوبارہ خدمت امانت ہفت چوکی پر مقرر فرمایا گیا۔

قبلہ عالم کا شولا پور سے حیدر آباد روانہ ہونا

ابوالحسن دنیادار حیدر آباد پر قوم ہنود کا بے حد اثر ہو گیا تھا اور ملک کی عنان حکومت اسی فرقہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی اسلام واہل اسلام کی توہین ہو رہی تھی، اور فرقہ ء ہنود کے رسم ورواج کا ملک میں بول بالا تھا، والی حیدر آباد کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے حاشیہ نشینوں کی شامت اعمال سے خود فرمانروا کو بھی کفر واسلام میں تمیز باقی نہ رہی تھی، ملک کی یہ حالت تھی کہ سنبھاجی ایسا کافر ابوالحسن شاہ پر مسلط ہو گیا تھا، اس کی ایک چشمک وقلیل خوف دہی سے والی ملک لاکھوں روپے اس کے نذر کر کے اپنی جان بچاتا تھا۔

قبلہ ء عالم وعالمیان کی حمیت دیں پروری اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس فتنہ سے اسلام واہل اسلام کو محفوظ ومامون فرمائیں، بادشاہ دیں پناہ نے جس کی عزت صرف ارباب دین وایمان کے قلوب میں جاگزیں ہو سکتی ہے، باوجود قوت جہاں کشائی کے پیشتر پند ونصیحت سے کام لیا، اور ارشاد وہدایات سے ابوالحسن کو خوابِ غفلت سے بیدار فرمانے کی تدابیر اختیار کیں قبلہ ء عالم نے ابوالحسن کے نام بارہا اس مضمون کے فرامین روانہ کئے کہ سنبھاجی ایسے دشمن اسلام سے رشتہ محبت کو قطع کرے اور براہمہ کو کار سلطنت سے معزول کر کے بدعتی وفاسق گروہ کا قلع قمع کرے اور خود بھی فسق وفجور وبدعت وگناہ سے اجتناب کرے تا کہ بے گناہ رعیت افواجِ شاہی کی تاخت وتاراج و خود اس کی ذات ذلت وخواری سے محفوظ رہے، والی تلنگانہ کے سر پر اوبار چھایا ہوا تھا۔ بادشاہ زادہ محمد معظم ابوالحسن کو راہ راست پر لانے کے لئے مامور ہوئے تھے، شاہ عالم بہادر کے سواروں نے ملک کو تاراج وتباہ کیا۔

ابوالحسن نے اس وقت خوشامد وچاپلوسی سے کام لیا، اور انواع واقسام سے وعدہ ہائے دل فریب ومکاری سے اپنے کو بچایا، والی تلنگانہ نے بادشاہ زادہ موصوف کو اس طرح دھوکا دے کر اپنے قدیم وتیرہ روش اختیار کی، اور اپنے مال وفوج کی کثرت وحصار کے استحکام پر مغرور ہو کر

آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈالے اور عذر خواہی نہ کی۔

ابوالحسن کے راہ راست پر آنے سے ناامیدی ہوئی، اور قبلہء عالم نے 29- محرم کو شولا پور سے کوچ کیا۔

قبلہء عالم حضرت گیسو دراز کے آستانہ پر

بادشاہ دیں پرور حضرت سید محمد گیسو دراز علیہ الرحمتہ کے آستانہ پر حاضر ہونے کی نیت سے گلبرگہ وارد ہوئے، حضرت بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ پاک کی مکرر زیارت کی اور خانقاہ شریف کے سجادہ نشینوں اور مجاوروں اور زائرین اور محتاجوں کو بیس ہزار روپے تقسیم فرمائے۔

گلبرگہ شریف میں ایک ہفتہ قیام فرما کر حضرت شاہ ظفر آباد بیدر شریف تشریف لائے، اس شہر میں صرف اس لئے بیس روز قیام فرمایا کہ شاید اب بھی ابوالحسن خواب غفلت سے بیدار ہو کر قبلہء عالم کے نصائح پر عمل پیرا ہو، لیکن اس خوابیدہ بخت کے مقدر نے یاوری نہ کی اور اپنی دیرینہ روش پر قائم رہا۔

بادشاہ دیں پناہ نے ابوالحسن کی تنبیہ کے لئے 10- صفر کو بیدر سے کوچ فرمایا۔

والیء تلنگانہ کی پریشانی

والیء تلنگانہ بے حد پریشان ہوا اور اپنے دوصد سالہ خاندان حکمرانی کی تباہی کے سامان دیکھ کر بجز اس کے کوئی چارۂ کار اس کو نظر نہ آیا کہ حصار میں پناہ گزیں ہو جائے، ابوالحسن بدحواس و پریشان ہو کر قلعہ بند ہوا اور چونکہ اس کو اپنی تباہی کا یقین کامل ہو چکا تھا اس لئے اس نے تحائف و ہدیے بھیج کر اظہار عقیدت کو تازہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اس کی تباہی کا وقت آ چکا تھا، ابوالحسن کا معروضہ قبول نہ ہوا، چونکہ اس خون گرفتہ کا جواب اب بجز شمشیر زنی کے اور کچھ نہ تھا بادشاہ دشمن کش نے مراحل سفر طے کر کے حیدر آباد سے دو منزل کے فاصلہ پر قیام فرمایا، اس دوران میں عمدہ اعیان ملک خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر کی عرض داشت سے جو بیجاپور سے قلعہ ابراہیم گڑھ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے تھے معلوم ہوا کہ حصار مذکور سر ہو گیا، اس قلعہ کی فتح نے بھی خواہاں ملک کے حوصلہ زیادہ بلند کر دیئے اور دشمن کو اپنی تباہی کا یقین کامل ہو گیا۔

اللہ اللہ اقبال عالم گیری کے پایہء عروج وسطوت جہاں کشائی کے رعب وداب کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ دشمن کو باوجود کثرت مال وسپاہ سوا حصار بند ہونے کے اور کوئی تدبیر اپنی حفاظت کی نہ سوجھی، فرط دہشت وخوف سے ابوالحسن اور اس کے رفقا کو نہ یہ یارا ہوا کہ شاہی لشکر کی طرف بڑھیں اور نہ یہ جرأت ہوئی کہ خان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر کے سدراہ ہوکر نواب ممدوح الصدر کا مقابلہ کریں۔

24- ربیع الاوّل کو قلعہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر شاہی خیمے نصب ہوئے، جہاں پناہ نے فرمان صادر کیا کہ روباہ سیرت دشمن کی جمعیت کو جو حصار کے پائیں مور ومگس کی طرح جمع ہے پائمال وتباہ کریں، اہل لشکر نے حکم شاہی کی تعمیل کی بہادرانِ لشکر کا حملہ اس مثل یعنی باد آمد وپشہ برخاست کا مصداق ہوا اور دشمن کی سپاہ تباہ اور فرار ہوئی اور اس کا مال ومتاع وزن وفرزند اسیر ہوئے، اس ہنگامہء کارزار میں قلیچ خاں نے اپنے کو دریائے آتش میں ڈال دیا اور حصار کے قریب پہنچ کر ارادہ کیا کہ اسی وقت قلعہ میں داخل ہوجائے، اور قلعہ کو سر کرلے، چونکہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ چندے یہ کارنامہ عجیب معرض تاخیر میں رہے اور ایک خاص وقت پر یہ عقدہ حل ہو، اس لئے زنبورک کا ایک گولہ خان شجاعت نشان کے بازو پر لگا، لطف اللہ خاں کے سوا جو اپنی جرات و مردانگی سے خان مذکور کے ہمراہ تھا دوسرا شخص مجروح امیر کی مدد کو بھی نہ پہنچا، قلیچ خاں اسی مردانگی اور بہادری کے ساتھ گھوڑے پر سوار معرکہء کارزار سے نکل کر اپنے فرودگاہ کو واپس آئے۔

قلیچ خاں کی وفات

شاہی حکم کے مطابق جمدۃ الملک بہادر قلیچ خاں کی عیادت کے لئے گیا، جراح خاں مذکور کے شانہ سے ہڈیوں کے ریزے نکال رہا تھا اور یہ شجاعت مجسم امیر باوجود یکہ شانہ پر عمل جراحی ہو رہا تھا بہ خندہ پیشانی دوسرے ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے قہوہ پی رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اتفاق سے جراح اچھا دستیاب ہوگیا ہے، غرض کہ اس عالم میں بھی بے تکلف احباب سے سرگرم سخن تھے اور ان کے بشرہ سے آثار کدورت وتکلیف قطعاً ظاہر نہ ہوتے تھے ہر چند جراحوں اور اطبا نے جہاں پناہ کے حکم کے مطابق علاج میں سرگرمی دکھائی، لیکن قضا کا ہاتھ سب سے زیادہ زبردست ہے خان ممدوح الصدر نے تین روز کے بعد وفات پائی، خان بہادر فیروز جنگ ودیگر

پسران خان مغفور و سیادت خاں عطیہ خلعت و دیگر مراحم خسروانہ سے شاد کام فرمائے گئے۔

4- ربیع الآخر کو مورچال بندی کا حکم صادر ہوا، ہر چند حصار کے برج و بارہ سے بذریعہ توپ و تفنگ شبانہ روز آتش باری ہو رہی تھی، دھوئیں سے زمین و آسمان تاریک ہو گئے تھے، لیکن بہادران لشکر نے موت سے بے خوف ہو کر صف شکن خاں کی سرداری میں ایک ماہ کے اندر مورچال خندق تک پہنچا دی جو کام کہ سال ہا سال میں انجام پاتا وہ طرفۃ العین میں پورا ہو گیا، اژدہا پیکر و دشمن کوب توپیں قلعہ کے محاذ میں نصب کی گئیں باوجود اس کے کہ ان توپوں سے ارکان حصار جنبش میں آ جاتے تھے، لیکن پھر بھی گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا تھا۔

صف شکن خاں کا استعفیٰ

صف شکن خاں نے دمدمہ کو کنگرۂ قلعہ تک پہنچا کر توپ اس پر نصب کی لیکن چونکہ خان مذکور و خان والا نشان نواب فیروز جنگ بہادر میں صفائی نہ تھی صف شکن خاں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

صف شکن کے بجائے صلابت خاں میر آتش مقرر ہوا، لیکن یہ امیر بھی خدمات قلعہ کشائی بخوبی انجام نہ دے سکا اور اپنی خدمت سے مستعفی ہوا جس کے بعد سید عزت خاں کو میر آتشی کا عہدہ عطا ہوا، یہ امیر بھی ناکام رہا۔

حریف کا حملہ

ایک روز نصف شب کو سرداران کارکن کی غفلت سے غنیم دمدمہ پر چڑھ آیا، اور توپ کو بیکار کر کے عزت خاں و سربراہ خاں چیلہ وغیرہ ملازمین کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اپنے ہمراہ لے گیا، صف شکن خدمت سے مستعفی ہونے کے جرم میں نظر بند کیا گیا، اور صلابت خاں بار دوم میر آتش مقرر ہوا، لطف اللہ خاں و دیگر کارطلب ملازمین چوکی کے ہمراہ دمدمہ کی حفاظت پر مامور ہوئے، خان مذکور نے پائیں حصار میں جو ایک دریا کے مانند تھا، تین روز مردانہ وار قیام کر کے دشمن کو پسپا کیا، اور دمدمہ دوبارہ قائم کیا گیا، دو روز کے بعد ابوالحسن شاہ نے عزت خاں و دیگر نظر بند افراد کو رہا کیا، اور یہ جماعت دمدمہ کی راہ سے واپس آئی، برسات کے موسم و نیز ہنگامہء کارزار میں بے

وقت توقف وکار کنان شاہی کی سستی وکام میں تاخیر سے دمدمہ قائم نہ رہ سکا۔

صف شکن خاں نے ایک معروضہ پیش کیا جس میں اس امر کا مچلکہ دیا کہ دوسرے برج کی طرف قلیل مدت میں دمدمہ تیار کر کے کنگرۂ قلعہ تک پہنچا دے گا، خان مذکور کا معروضہ قبول ہوا اور صف شکن خاں نے قید سے رہائی پا کر اپنے وعدہ کو جلد وفا کیا۔

کثرت بارش اور قحط

اس زمانہ میں کثرت بارش کی وجہ سے زمین پر دریا بہنے لگے، اور قحط نمودار ہوا حوالی شہر سے غلہ کی رسد بند ہوئی اور رعایا میں ماتم پڑ گیا، لاکھوں بندگان خدا کی جانیں ضائع ہوئیں، مکانات دریا اور جنگل مردہ اجسام سے پٹ گئے، لشکر گاہ کا یہ حال ہو گیا، کہ شب کو دولت خانہ شاہی کے گرد مردہ اجسام کے انبار لگ جاتے تھے، جن کو جاروب کش وخاک روب روزانہ گھسیٹ کر دریا میں ڈالتے تھے، صبح سے شام تک لاشوں کی بار برداری کا سلسلہ جاری رہتا تھا، زندہ اشخاص کو مردہ اجسام کے کھانے سے پرہیز نہ رہا، مردوں کی لاش سے کوچے اور تمام راستے پٹ گئے تھے، بارش کے طویل سلسلہ نے گوشت وپوست کو گلا دیا تھا ورنہ مردوں کی بدبو سے آب وہوا خراب ہو کر بقیہ زندہ افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

چند ماہ کے بعد بارش کا زور گھٹا اور دریا کی طغیانی کم ہوئی اور اطراف وجوانب سے غلہ پہنچنے لگا، سردار خاں کے بجائے سید شریف خاں پسر قدوۃ المشائخ میر سید محمد قنوجی استاد اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی جو فضل وکمال وعقل وشعور میں مشہور ومعروف تھے کرورہ گنج کی خدمت پر مامور ہوئے، بادشاہ رعایا پرور کے حسن نیت سے گرانی دفع ہوئی اور ملک میں غلّہ ارزاں ہو گیا۔

بادشاہ زادہ محمد معظم کا زندان ادب میں نظر بند ہونا

صاحب فہم وفراست وعاقبت اندیش حضرات کو صحبت بد سے گریز کرنا اور سفلہ مزاج اشخاص کو اپنے سے دور رکھنا بے حد ضروری وناگزیر ہے اگر اس حکمت آمیز مقولہ پر عمل درآمد نہ ہوگا تو بجز ندامت وشرمساری کے اور کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔

بادشاہ زادہ محمد معظم کی ذات گرامی فہم وفراست انجام اندیشی ودانائی وغیرہ صفات کا ایک

کامل مجموعہ ہے لیکن باوجود اس کے نا ہنجار مصاحبین کی صحبت اور بدکردار حاشیہ نشینوں کی مصاحبت سے ایک وقت ایسا آیا کہ قبلہء دین ودولت کو بادشاہ زادہ کی جانب سے بدگمانی پیدا ہوئی یہ امر خود بادشاہ زادہ موصوف کی جاں کاہی وحضرت ولی نعمت کی کدورت کا باعث ہوا جہاں پناہ نے اپنے جذبات عفو سے ایک مدت تک ان واقعات سے چشم پوشی فرمائی اور اس امر کو پسند نہ فرمایا کہ ایسے مکروہات افواہ عام بن کر اہل عالم پر ظاہر ہوں، بیجاپور کی مہم میں بعض معاملات میں پیچیدگی وتاخیر واقع ہوئی اور جہاں پناہ نے ان اشخاص کو جو خفیہ طور پر سکندر عادل کو قلعہ میں پیغام پہنچا رہے تھے، قید کر کے تہ تیغ کیا، بعض بدخواہ ملازم یعنی مومن خاں داروغہء توپ خانہ وعزیز خاں وملتفت خاں بخشی دوم وبندارین 18- شوال کو لشکر سے خارج فرمائے گئے، حیدرآباد کی مہم میں بادشاہ زادہ مذکور ابوالحسن شاہ کے دام فریب میں گرفتار ہو کر قطعاً اس کے قابو میں آ گئے قبلہء عالم کو اس امر کی بھی اطلاع ہوئی، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ نوشتہ جات جو خفیہ طور پر قلعہ گولکنڈہ میں روانہ کئے جاتے تھے خان والا نشان نواب فیروز جنگ بہادر کے ہاتھ آئے، ان خطوط کے علاوہ دیگر اسباب بدخواہی نے بھی بادشاہ زادہ کے انحراف پر شہادت دی۔

خان عظمت نشان فیروز جنگ بہادر ایک شب اپنے مرحلہ سے روانہ ہو کر حضور میں حاضر ہوئے، اور نوشتہ جات ملاحظہء عالی میں پیش کر کے بادشاہ زادہ کی خودرائی کا ذکر کیا اور بعض ایسے معاملات عرض کئے جس سے بادشاہ زادہ کے اخلاص وعقیدت میں شبہ واقع ہو گیا، جہاں پناہ کو فرزند کی برگشتگی ومصاحبت بد میں گرفتار ہونے کا یقین کامل ہو گیا۔

قبلہء عالم نے اہتمام خاں کے برادر خُرد حیات خاں کو طلب فرما کر حکم دیا کہ بادشاہزادہ کو حکم پہنچائے:۔

> ''شیخ نظام حیدرآبادی آج شب کو لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتا ہے، اپنے ملازمین کو پیش رو لشکر مقرر کرو تا کہ حریف کو اس کے ارادہ سے باز رکھے، لشکر کی روانگی کے بعد اہتمام خاں تمہارے خیمہ کے گرد پاسبانی کرے گا، اس حکم سے خان مذکور کو بھی مطلع کر دو۔''

احکام شاہی کی تعمیل کی گئی اور دوسرے روز صبح کو بادشاہ زادہ مذکور مع محمد معزالدین ومحمد اعظم کے، دربار میں حاضر کئے گئے، حضرت شاہ دیوان خاص میں تشریف فرما ہوئے، بادشاہ زادۂ مذکور

کی حاضری ونشست کے چند ساعت بعد ارشاد ہوا کہ بعض مقدمات اسد خاں و بہرہ مند خاں سے کہہ دیئے گئے ہیں تسبیح خانہ میں جا کر معاملات مذکور کو ان امیروں سے سمجھ لو، ہر سہ شاہزادگان چار و ناچار تسبیح خانہ میں آئے اور ان کی کمر سے ہتھیار کھول لئے گئے اور خیمہ نصب ہونے تک یہ حضرات اسی مقام پر فروکش رہے۔

قبلہء عالم دیوان سے اُٹھے اور پرستار خاص کی ڈیوڑھی سے محل سرا کو تشریف لائے، جہاں کا یہ حال تھا کہ ہائے ہائے فرماتے اور دونوں ہاتھ زانو پر مارتے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ افسوس چالیس سال کی محنت کو میں نے خاک میں ملا دیا۔

غرض کہ اہتمام خاں کے زیر انتظام تیاق دار گرد و پیش بیٹھے اور متصدیاں ملک نے اثاثے اور کوکبہ خار خانجات کو باوجود اس عظمت وشان کے چشم زدن میں ضبط کر کے قطرہ کو دریا سے ملا دیا۔

اہتمام خاں ایک ہزاری امیر بنا، بادشاہ خدام نواز اس کو سردار خاں کا خطاب مرحمت فرما کر منصب میں پانصدی کا اضافہ فرمایا، حمید الدین پسر اہتمام خاں دوصدی پنجاہ سوار کے اضافہ سے سرفراز فرمایا گیا۔

محاصرہ کو ایک طویل مدت گزر گئی اور باوجودیکہ جمشید خاں نے نقب دوانی کے کام کو بخوبی تمام کر دیا اور عبدالواحد خاں کی کوشش سے نقب میں بارود وغیرہ بھی بھر دی گئی، قبلہء عالم خان والا نشان نواب فیروز جنگ بہادر کے مرحلہ پر براہ دمدمہ قدیم خود بھی تشریف لے گئے، امرائے عظام مختلف مواقع پر یورش کے لئے متعین فرمائے گئے، اور اکثر تمام روز معرکہء کارزار شدت سے سرگرم رہا، جنگ میں خاں بہادر نواب فیروز جنگ زخمی بھی ہوئے، کثرت سے سپاہی بھی کام آئے، اور یورش کے آخیر روز بادشاہ زادہ محمد کام بخش وعمدۃ الملک اسد خاں بھی امداد و کار برآری کے لئے روانہ فرمائے گئے لیکن پھر بھی مقصود حاصل نہ ہوا بالائے حصار سے تفنگ و بان و چادر و حقہء آتش کی ایسی شدید بارش ہو رہی تھی کہ سواران شاہی کو ایک قدم بھی آگے بڑھنا دشوار تھا اور اپنے اپنے مقام پر کھڑے جان دے رہے تھے۔

جہاں پناہ نے خان والا نشان کے مرحلہ میں شب بسر فرمائی اور اوّل فجر کو بے خبر جنگ گاہ میں تشریف لائے، حصار کی تسخیر کی تدابیر پر بے حد غور و فکر کی گئی اور کثیر رقم صرف میں آئی۔

منافقین بے دین نے مال کی حرص وطمع میں غنیم سے سازش کر کے زیادہ فساد برپا کیا نمک حرام سفلہ مزاج افراد دشمن سے مل گئے، لیکن دشمن کے مکر وفریب کے ایسے شکار ہوئے کہ سوا خسارہ کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا بعض بے ایمان اشخاص حریف کو خفیہ غلّہ پہنچا کر داریں میں روسیاہ ہوئے۔

محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا اور جہاں پناہ کی رائے یہ ہوئی کہ قلعہ گولکنڈہ کے گرد ایک حصار لکڑی اور مٹی کا تیار کیا جائے، تھوڑے ہی زمانہ میں جنگل کی لکڑیوں اور خاک سے قلعہ تیار ہو گیا، قلعہ کے دروازہ پر پاسبان مقرر ہو گئے اور بلا اجازت کوئی شخص حصار کے اندر داخل نہ ہوسکتا تھا اس زمانہ میں خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر کے زخم بھی بھر گئے، خان ممدوح حضور شاہی میں حاضر ہوئے جہاں پناہ نے خان والا شان کو خلعت وزرہ وجھلم خاصہ وعصائے مرصع عطا فرمائے، رستم خاں کے زخم بھی اچھے ہو گئے، اور اس امیر کو بھی خلعت مرحمت فرمایا گیا، بہرام خاں پسر مہابت خاں مرحوم گولہ کی ضرب سے میدان جنگ میں کام آیا مقتول کے برادر فرجام کو خلعت ماتم عطا ہوا، جاں نثار خاں کا بھائی تصدق ہوا خان مذکور عطائے خلعت سے قید ماتم سے آزاد ہوا شجاعت خاں برادر صف شکن خاں ومیر ابوالمعالی بخشی فوج خان والا نشان نواب فیروز جنگ بہادر و یکہ تاز خاں وسہراب خاں ومحمد حاکم ودیگر مجروح وسوختہ سپاہی تندرست ہوئے۔

26- رجب کو شیخ نظام جو ابوالحسن شاہ کے بہترین ملازم وارکان دولت میں داخل تھا اپنی یاوری بخت سے آستانہ والا پر حاضر ہوا شیخ نظام نے پانچ سو اشرفیاں یک ہزاری بطور نذر پیش کیں۔

قبلہء عالم نے شیخ نظام کو مقرب خاں کے خطاب سے سرفراز فرما کر شش ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا، اور خلعت خاص وشمشیر وخنجر باعلاقہء مروارید وسپر مرصع وعلم ونقارہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور تیس عربی وعراقی گھوڑے اور دو عدد ہاتھی بھی اس کو مرحمت فرمائے۔

ملک منور وشیخ لاڈو شیخ عبداللہ فرزندان شیخ نظام ونیز اس کے چند اعزا عمدہ خطابات و مناصب سے جو ان کے شایان شان وچار ہزاری سے کم نہ تھے سرفراز فرمائے گئے اور ان تمام اشخاص کو خلعت علم ونقارہ واسپ وفیل کے عطیات مرحمت ہوئے سوجی دکھنی جو سنبھاجی کی طرف سے سالیسر کا قلعہ دار تھا آستانہ شاہی پر حاضر ہو کر خلعت وعلم وطوغ ونقارہ واسپ وفیل وبیس

ہزار نقد کے انعام وعطیات سے بہرہ اندوز ہوا، سربلند خاں برادر سرفراز خاں کو بھی علم وطوق ونقارہ مرحمت ہوا۔

مانکو جی جوسنجاجی کی طرف سے سالونہ کا قلعہ دار تھا، حصار سر ہونے کے بعد ملازمت شاہی میں حاضر ہوا جہاں پناہ نے مانکو جی کو خلعت ومنصب دو ہزاری ہزار سوار کے عطیات مرحمت ہوئے۔

محمد علی خاں کی وفات

18- رجب کو محمد علی خاں خانساماں نے وفات پائی یہ شخص صلاح وتقویٰ ودیانت وراستی سے آراستہ تھا، جو حاجت منداس کے پاس پہنچتا اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا تھا، محمد علی خان کے بجائے کامگار خاں کو یہ خدمت سپرد ہوئی اور کامگار خاں کے تغیر سے اعتقاد خاں داروغہ غسل خانہ مقرر ہوا۔

افتخار خاں ولد شریف الملک حیدر آبادی ہمشیرہ زادہ ابوالحسن آستانہ والا پر حاضر ہوا، اور عطیہ خلعت سے سرفراز ہوکر سہ ہزاری دو ہزار کے منصب پر فائز ہوا۔

شریف خاں اردوے شاہی کی خدمت کر درہ گنج وبہر جھار صوبہ جات دکن سے تحصیل جزیہ کی خدمات پر مامور تھا، خان مذکور کو حکم ہوا کہ خود صوبہ جات کا دورہ کر کے جزیہ موافق احکام شریعت وصول کرے۔

میر عبدالکریم کو حکم ہوا کہ اپنی خدمت کے علاوہ شریف خاں کی عدم موجودگی میں بطور نائب خدمت کر درہ گنج کو بھی انجام دے۔

24- شعبان کو شریف الملک نے وفات پائی، خان مذکور کے فرزند عطیہ خلعت سے دل نثار فرمائے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا اکتیسواں سال

1098ھ/1688ء

رمضان کا بابرکت مہینہ آیا اور برگزیدۂ جہاں پادشاہ دیں پناہ نے طاعت الٰہی پر کمر باندھی عہد معدلت کے قرون دوم کا آغاز ہوا اور اراکین دولت وخدام سلطنت تسلیمات مبارک باد بجالائے، ۷- رمضان کو جہاں پناہ مورچال ودمدمہ صف شکن خاں کو جو اس مدت میں کنگرۂ قلعہ تک پہنچ گیا تھا ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے قبلۂ عالم نے دوساعت کامل حصار کو ملاحظہ فرمایا۔

شاہ والا جاہ محمد معظم شاہ جو مفسدان ہندوستان کی سرکوبی کے لئے شولا پور سے روانہ ہوئے تھے اور برہان پور تک پہنچ چکے تھے ونیز بخشی الملک روح اللہ خاں جو صوبہ بیجاپور کے برہم ودرہم انتظام کی درستی کے لئے مامور تھا، مطابق فرمان اس ماہ کی 10- تاریخ ملازمت شاہی میں حاضر ہو کر شرف قدم بوسی سے فیض یاب ہوئے۔

حیدر آباد کی معرکہ آرائی بادشاہ زادہ والا جاہ کی سرکردگی میں روح اللہ خاں کے سپرد فرمائی گئی۔

قلعۂ گولکنڈہ کی فتح

قلعۂ گولکنڈہ کی فتح 24- ذی قعدہ کو نصف شب کے وقت ہوئی بخشی الملک چند سرداروں یعنی بہادر خاں وغیرہ کے ہمراہ موقع پا کر حصار کے گرد چکر لگا رہا تھا، سرانداز خاں تبنی بیجاپوری کی جو فتح بیجاپور سے پیشتر بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا تھا اور بعد کو ابوالحسن تانا شاہ کا بہی خواہ بن کر اس کا معتمد علیہ بنا تھا، بخشی الملک مورچال سابق کے متصل ایک کھڑکی سے حصار کے اندر داخل ہو گیا، نمد اعظم شاہ ساحل دریا پر جو حصار کے بائیں طرف بہتا تھا مقیم ہوا شاہ والا جاہ فوراً مورچال پر پہنچے

اور فتح کے شادیانے بجنے لگے، بخشی الملک ابوالحسن کی خواب گاہ میں پہنچا ابوالحسن اور اس کے ہمراہی نقش بدیوار کھڑے رہے اور روح اللہ خاں ان سب کو گرفتار کر کے باہر لایا اور شاہ والا جاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

عبدالوالی پسر شیخ عبدالصمد جعفر خاں منشی سرکار نے ایک رباعی تہنیت فتح میں نظم کر کے شاہ والا جاہ کی خدمت میں پیش کی۔

اے شاہ جہاں، جہاں پناہی کردی　　فتح عجب از لطف الٰہی کردی
از مصرع تاریخ شنو مژدۂ نو　　فتح البابے بادشاہی کردی

چونکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی فطرت میں رحم و کرم خلقی طور پر موجود ہے شاہ والا جاہ نے اپنے مجرم کو سزا دہی سے محفوظ رکھا اور قبلہ عالم کے حکم کے مطابق ابوالحسن کو اپنی دولت سرا میں لے آئے آخر اسی روز دولت خانہ شاہی میں پہنچا دیا، ابوالحسن اپنے تقصیرات سابقہ کی وجہ سے بے حد خوف زدہ تھا لیکن اس کو امان ملی اور جو خیمہ اس کے لئے معین کیا گیا تھا اس میں مقیم ہوا اور بجائے قہر و غضب کے جہاں پناہ کی چشم پوشی کو دیکھ کر زبان و دل سے ثنا خواں ہوا۔

خدا کا شکر ہے کہ ایسا مستحکم اور دیر کشا حصار آٹھ ماہ و چند یوم کی مدت میں ہوا، طرفہ یہ کہ ایک سال کے اندر دو قلعہ جن کا فتح ہونا حاشیہ خیال میں بھی نہ گذرا تھا، اقبال شاہی سے سر ہو گئے۔

میر عبدالکریم نے فتح کی تاریخ نکال کر ملاحظہ والا میں پیش کی، جہاں پناہ نے تاریخ فتح بے حد پسند فرمائی جو حسب ذیل ہے۔

''فتح قلعہء گول کنڈہ مبارک باد''

مئولف تاریخ اپنے یہاں کی تکمیل کو مدنظر رکھ کر اس قلعہ کے استحکام و اس سرزمین کی دل کشی و خوشگواری کا مختصر حال تحریر کرتا ہے۔

تاریخ گولکنڈہ

گولکنڈہ کو قدیم زمانہ میں مانکل کہتے تھے دیورائے اس شہر کا حاکم تھا، عرصہ کے بعد شاہان بہمنیہ نے اس شہر پر قبضہ کیا بہمنی خاندان کا شیرازہ حکومت منتشر ہوا اور سلطان قلی قطب الملک جو سلطان محمود شاہ بہمنی کا غلام اور اس خاندان کا حاکم تھا خاندان بہمنی کے زوال کے زمانہ میں شہر پر

خودمختارانہ قابض ہوگیا۔

یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے، حصار اس قدر بلند ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے، حصار کے باشندے بلاشبہ اہل فلک سے ہم کلام ہو سکتے ہیں، اس حصار کو فتح کرنے کا خیال بھی کسی فرمانروا کے ذہن میں نہ گزرا ہوگا اور سوا بادشاہ کشور کشا کے کسی حکمران نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا ہوگا، طرفہ یہ کہ اس کے کسی طرف کوئی کنگرہ بھی نہیں ہے جس کے ذریعہ سے کمند لگائی جا سکے۔

قبلہء عالم نے اپنے جلوس سے پیشتر اس ملک کو تاخت وتاراج کیا تھا والی ملک عبداللہ قطب الملک نے عذرات پیش کئے اور جہاں پناہ شاہزادگی کے زمانہ میں ملک فتح کرنے سے دست کش ہو گئے، عبداللہ قطب الملک نے اس خیال سے کہ بادشاہ بار دگر اس ملک پر دھاوا فرمائیں گے، پہاڑ کے گرد یہ مستحکم حصار کھچوا کر اپنے کو مطمئن کر لیا تھا، ہر چند کہ عبداللہ قطب الملک کی زندگی میں حصار فتح سے محفوظ رہا، لیکن آخر کار اس کے جانشین کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔

حیدرآباد کی تاریخ

قلعہ سے دو کوس کے فاصلہ پر شہر حیدرآباد واقع ہے محمد قلی قطب الملک نے بھاگ متی نام ایک طوائف پر شیدا ہو کر اس شہر کو اس کے نام پر بسایا، اور بھاگ نگر کے نام سے موسوم کیا، بعد کو یہ شہر حیدرآباد کے نام سے مشہور ہوا، اب جب کہ یہ شہر ممالک محروسہ میں شامل ہو کر صوبجات دکن میں ضم کر دیا گیا، بلدہ مذکور کو کاغذات سرکاری میں دارالجہاد حیدرآباد کہتے ہیں، بلدہ مذکور قطعہ زمین پر بہشت بریں کا نمونہ ہے جس کی آبادی شمار سے باہر ہے، شہر کی عمارتیں بے حد بلند و دلکش ہیں، ہوا کی رطوبت اور چشموں کی روانی و شیرینی وسبزہ کی شادابی اس درجہ معتدل ہے کہ یہاں کے گل وسبزہ بلاشبہ زمرد ولعل نظر آتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ ایسا دلکش ملک قلمرو عالمگیری میں داخل ہو اور شہر فسق وفجور وبدعات کی نجاست سے پاک وصاف ہوگیا۔

فتح بلدہ کے حالات قلم بند کر دیئے گئے اگر عمایدوا کابر شہر کا بارگاہ شاہی میں حاضر ہونا اور ہفت ہزاری سے لے کر پانصدی مناصب پر سرفراز ہونے اور نیز حیدرآباد کے ہنرمندوں اور پیشہ وروں اور کاریگروں کے عطیات سے وانعام سے سرفراز ہونے کا مفصل حال معرض تحریر میں لایا

جائے تو بلاشبہ ایک دوسری جلد تاریخ کی تیار ہو جائے گی بہرحال میری تحریر چند قطرات ہیں جو اظہار واقعات کے لئے حوادث کے دریا میں مل گئے ہیں۔

29- ذی قعدہ کو بادشاہزادہ محمد کام بخش برار کے صوبہ دار مقرر فرمائے گئے، محمد کام بخش دہ ہزاری پنج ہزار سوار کے منصب دار تھے پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا اضافہ فرمایا گیا۔

جمدۃ الملک اسد خاں وخان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر ایک ہزار سوار کے اضافہ سے ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوئے، مہابت خاں کو ہزاری ہزار سوار کا اضافہ مرحمت ہوا، مہابت خاں کا پسر زادہ محمد منصور ولایت سے وارد ہندوستان ہو کر شرف قدم بوسی سے فیض یاب ہوا، قبلہء عالم نے نووارد وامیر زادہ کو مکرمت خاں کا خطاب عطا فرما کر ہزار و پانصدی اضافہ کی وجہ سے دو ہزاری سی صد سوار کا منصب دار ہوا۔

میر محمد امین

میر محمد امین پسر میر بہاء الدین برادر زادہ قلیچ خاں مرحوم اپنے باپ کے قتل کئے جانے کے بعد دیار توران میں اس امر سے مہتم ہوا کہ میر مذکور انوشہ خاں والی اورگنج سے جو اپنے خسر عبدالعزیز خاں حاکم بخارا کا مخالف ہے سازش کرتا ہے، میر محمد امین توران سے آستانہ شاہی پر حاضر ہوا، بادشاہ غریب نواز وشریف پرور کی عنایت سے نووارد امیر کو دو ہزاری دو ہزار سوار کا منصب وخطاب خانی عطا ہوا۔

مخلص خاں

مخلص خاں پسر صف شکن خاں اپنے پدر کی نیابت میں داروغگی توپ خانہ کی خدمت انجام دیتا تھا، قبلہء عالم نے خان مذکور کو اس خدمت پر مستقل فرما کر منصب میں دو صد سوار کا اضافہ فرمایا اور مخلص خاں یک ہزاری سے صد سوار کے منصب داروں میں داخل ہوا۔

عنایت اللہ مشرف جواہر خانہ چہار صدی پنجاہ سوار کا منصب دار تھا اس کے منصب میں دس سواروں کا اضافہ فرمایا گیا، شکر اللہ خاں خویش عاقل خاں سیدی یحییٰ کے تغیر سے نواح جہاں آباد کی فوجداری پر مقرر فرمایا گیا یہ شخص پانصدی پانصد سوار کا منصب دار تھا، یک ہزار سوار کے اضافہ سے

سرفراز فرمایا گیا۔

میر عبدالکریم داروغگی جرمانہ کی خدمت پر مامور ہوا جس نے اس خدمت کو بخوبی انجام دیا۔ بادشاہ زادہ محمد معظم کے ملازم جو سرکار شاہی میں اپنے مراتب کے مطابق مناصب سے سرفراز فرمائے گئے تھے، لطف اللہ خاں داروغہ کے ماتحت کئے گئے، سردار خاں کے تغیر سے خدمت خاں بحال کیا گیا، معتقد خاں کے تغیر سے سردار خاں داروغہ فیل خانہ مقرر ہوا اور محمد مطلب کو خطاب خانی عطا ہوا۔

جہاں پناہ کے حکم سے اولکھ سکھر کا فتح ہونا

قبلہ عالم کو مہم حیدر آباد سے اطمینان ہوا اور ناظم وضابطہ مقرر فرما کر ملک کے ہر چہار جانب روانہ فرما دیئے گئے، معزول دنیا دار حیدر آباد کے ملازم آستانہ والا پر حاضر ہوئے اور ہر شخص اپنے مرتبہ کے مطابق انعام وعطیہ ومنصب سے سرفراز ہوا۔

اب بادشاہ دین پناہ نے اولکھ سکھر کی تسخیر کا جو بیجاپور وحیدر آباد کے درمیان میں واقع ہے مصمم ارادہ فرمایا، اس شہر کا حاکم پیدا نایک (یانندا نایک) تھا یہ شخص قوم کا ڈھیڑ اور فرقہ ہنود کے بدترین طبقہ کی نسل سے تھا، پیدا نایک کی حکومت موروثی تھی اور زمانہ ءنا ہنجار کی گردش سے دکن کی مردار خوار قوم کا ایک فرد مسند حکومت پر متمکن تھا، یہ راجہ بارہ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادوں کا حاکم تھا، پیدا نایک اپنے متعدد قلعوں کے استحکام خصوصاً حصار تخت گاہ کی مضبوطی و بلندی کی وجہ سے نیا داران دکن کے ساتھ مساوات وہم سری کا برتاؤ کرتا تھا، اور ان میں سے کسی شخص کو راجہ کی گوشمالی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اس غیر مسلم حاکم کی قوت اس درجہ پر تھی کہ مسلمان خود اس کو دینوی پیشوا سمجھ کر مصیبت و پریشانی کے عالم میں اس سے مدد کے خواست گار ہوتے تھے، محاصرہ بیجاپور کے زمانہ میں راجہ نے بھی یہ جرأت کی کہ چھ ہزار پیادہ وسامان رسد سکندر عادل کی امداد کے لئے روانہ کئے تھے ان سواروں کو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر نے پامال وتباہ کیا، گولکنڈہ کی مہم میں بھی اس نے والی حیدر آباد کی بار ہا مدد کی اور اس طرح اپنے ہاتھوں سے خود اپنے سامان تباہی مہیا کئے۔

قبلہ عالم نے ایک جرار وبے پایاں فوج خانہ زاد خاں ولد لطف اللہ خاں کی سرکردگی میں

سکھر روانہ کی جہاں پناہ نے خاں مذکور کو ہدایت فرمائی کہ اگر راجہ اطاعت قبول کرے تو فبہا المراد ورنہ اپنے اعمال بد کی سزا کو اپنے سر پر سوار سمجھے۔

خانہ زاد خاں فرمان مبارک کے مطابق سکھر روانہ ہوا اور اس ملک میں پہنچ کر راجہ کو ہدایت شاہی کی بنا پر خواب غفلت سے بیدار کیا، پیدا نایک کے ہوش وحواس جاتے رہے اور اس کو اپنی تباہی کا یقین کامل آ گیا، راجہ نے جنگ آزمائی سے کنارہ کشی کی اور امان کا طلب گار ہوا، خانہ زاد خاں نے اس کے مال ومتاع وننگ وناموس کو ضائع وبرباد نہ ہونے دیا۔

راجہ 2- صفر کو قلعہ سے نکل کر خان مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اکیس قلعے خان مذکور کے سپرد کئے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس ملک میں کبھی بانگ نماز بلند بھی نہ ہوئی تھی وہ اس درجہ انوار اسلام سے منور ہوا، خانہ زاد خاں نے قلعہ کے محافظت کے لئے امیر مقرر کیا، اور اس نواح کا کافی استحکام کر کے پیدا نایک کے ہمراہ حضور شاہی میں حاضر ہوا، قبلہء عالم نے خان مذکور کو حسن خدمات کے صلہ میں نوازشِ انعام وعطیات سے سرفراز فرمایا، خان مذکور کے باپ نے قلعہ گولکنڈہ کی مہم میں نام آوری حاصل کی اور فرزند سکھر کی مہم میں بہادران روزگار کی فہرست میں شامل ہوا۔

پیدا نایک کا رنگ بے حد سیاہ تھا، راجہ عجیب الخلقت انسان تھا جس کے قیافہ سے رشد کے آثار نمایاں نہ تھے لیکن خدا جانے اس کے ظلمت کدہ دل میں یہ نور کیونکر چمکا کہ اس کو اطاعت شاہی کی توفیق عطا ہوئی۔

پیدا نایک کی وفات

پیدا نایک جہاں پناہ کے حکم کے مطابق 2- ربیع الاوّل کو آستانہ والا پر حاضر ہوا، پانچ یا چھ روز کے بعد اس کو آداب ومجرے کی اجازت مرحمت ہوئی، عین حالتِ مجرے میں دفعتہً اس کی روح پرواز کر گئی، راجہ کے فرزند واعزاء کو مناصب عطا ہوئے اور اولکھ سکھر نصرت آباد کے نام سے موسوم کیا گیا، یہ ملک بھی بے حد سرسبز وشاداب ہے جواب خدا کے فضل سے ممالک محروسہ میں داخل ہے۔

جہاں پناہ کا حیدرآباد سے بیجاپور واپس آنا

چونکہ قبلہء عالم کو اپنی رعایا پرور فطرت وخداداد دانش وانجام اندیشی کی بنا پر اہل عالم کی

تربیت ہر وقت منظور رہتی ہے اور کشور کشائی کا مقصود تن آسانی و نفس پروری نہیں ہے، لہٰذا باوجود اس کے کہ حیدرآباد کی آب و ہوا موافق مزاج تھی جہاں پناہ عزہ ربیع الآخر روز چہارشنبہ مطابق 16 بہمن ماہ الٰہی کو حیدرآباد سے بیجاپور روانہ ہوئے۔

بادشاہ دیں پرور کا اصل مقصد اس سفر سے یہ تھا کہ جو بلاد اب تک ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہوئے، وہ بھی قلمرو شاہی میں شامل ہوکر برکات اسلام سے معمور ہوں۔

سنبھاجی کا فتنہ

سنبھاجی مرہٹہ نے سکندر عادل و ابوالحسن شاہ سے رابطہ محبت قائم کر کے اپنی طاقت اس درجہ بڑھائی تھی کہ ان دنیاداران دکن کو خاطر میں نہ لاتا تھا بیجاپور و حیدرآباد کے مہمات کو انجام دے کر قبلہء عالم نے سنبھاجی کے فتنہ کو فرو کرنے کا ارادہ فرمایا۔

مسعود حبشی کی سرکوبی

خاندان عادل شاہی کے زوال پر سکندر عادل کے والد کے ایک حبشی غلام مسمی مسعود نے اپنے آقازادہ سکندر عادل کو شاہ شطرنج بنالیا تھا، اور تمام مال و متاع و جواہرات گراں بہا پر قبضہ کر کے خود قلعہ ادونی میں پناہ گزیں ہوگیا تھا، قبلہء عالی نے خان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر کو پچیس ہزار سواروں کی جمعیت کے ہمراہ مسعود حبشی کے مقابلہ میں ادونی روانہ فرمایا اور شاہ والاجاہ محمد اعظم شاہ کو انعام و عطیات سے سرفراز فرما کر چالیس ہزار تجربہ کار سواروں کے ہمراہ سنبھاجی کی سرکوبی پر مامور فرمایا، جہاں پناہ نے ان امور سے فارغ ہوکر 14- ربیع الآخر کو ظفرآباد بیدر میں نزول اجلال فرما کر تالاب کمتھانہ کے کنارہ قیام فرمایا۔

ابوالحسن

ابوالحسن شاہ جس نے پانزدہ سالہ حکومت میں حیدرآباد سے احمدنگر تک صرف پندرہ کوس کی مسافت طے کی تھی روزانہ گھوڑے پر سوار ہوکر سفر نہ طے کرسکتا تھا اس نے گوشہ عافیت میں زندگی بسر کرنے کی درخواست کی، جہاں پناہ نے حکم دیا کہ جاں سپار خاں ابوالحسن کو دولت آباد پہنچائے، اور ابوالحسن شاہ کے لئے تمام ضروریات زندگی فراہم کردی جائیں، قبلہء عالم نے پچاس ہزار روپیہ

سالانہ ابوالحسن کے اخراجات کے لئے منظور فرمائے، سبحان اللہ بادشاہ مجرم نواز کے عدل واحسان کی کیا تعریف ہوسکتی ہے جس نے ابوالحسن شاہ جیسے حریف کو اپنے سایہء عاطفت میں جگہ دی۔

کمتھانہ تالاب کو اگر دجلہ سے تشبیہ دیں تو مبالغہ نہ ہوگا، خاص کر اس کے شمالی جانب کا نظارہ بے حد دل کش و دل چسپ ہے اس مقام کی آب و ہوا بہترین ہے اس تالاب سے کھیتوں میں آب پاشی ہوتی ہے اور کسان ابر باراں کے منت پذیر نہیں ہوتے زمین کی عجب تاثیر ہے کہ ایک سال تخم پاشی ہوتی ہے جس سے کئی برس پیداوار ہوتی رہتی ہے۔

خواجہ محمد یعقوب جوئباری کی وفات

حضرت خواجہ محمد یعقوب جوئباری نے وفات پائی، قبلہء عالم مرحوم پر بے حد مہربان تھے جہاں پناہ نے خواجہ صاحب کے متعلقین کے ساتھ مناسب رعایت فرما کر مرحوم کی لاش ولایت روانہ کی تا کہ حضرات خواجہ بھی اپنے اسلاف کے روضہ میں دفن کئے جائیں۔

دو یا تین روز کے بعد بیدر سے کوچ ہوا اور 3- جمادی الاوّل کو سواری مبارک گلبرگہ پہنچی، جہاں پناہ نے حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ کی زیارت کی اور خوابگاہ شریف کے مجاور و خدام کو انعام و عطیات سے شاد فرمایا۔

گلبرگہ شریف میں ایک ہفتہ قیام فرما کر جہاں بیجاپور روانہ ہوئے، بائیس تاریخ قبلہء عالم بیجاپور پہنچے یہ شہر جو عرصہ دراز سے بجائے عشرت کدہ کے ویران جنگل ہو رہا تھا شاہی ورود کی وجہ سے بار دگر آباد و معمور ہوا شہر کے مختلف القوم باشندے و فقراء و گوشہ نشین افراد جو تباہی شہر کی وجہ سے فاقہ کر رہے تھے مطمئن و فارغ البال ہو کر دعائے دولت میں رطب اللسان ہوئے، قبلہء عالم بیجاپور میں تشریف فرما تھے کہ ہلال رمضان افق آسمان پر نمودار ہوا اور خلق خدا، برکات دارین سے فیض یاب ہوئی۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا بتیسواں سال

1099ھ/1689ء

ماہ صیام کے ورود نے اہلِ عالم کو سعادت دارین کا امیدوار بنایا، جہاں پناہ کے فیض داد و دہش نے دنیا کو رونق تازہ بخشی، بہی خواہان ملک ہر طرح کی نوازش و ہمہ اقسام کے انعام وعطیات سے سرفراز اور دشمنانِ دین وملّت، شاہی عتاب وغلبہ سے جو نمونہ قہر الٰہی ہے پامال وتباہ ہوئے۔

اس عرصہ میں بے شمار قلعے ومضبوط ومستحکم حصار فتح ہو کر قلمرو شاہی میں داخل ہوئے اگر مؤرخ ان تمام مقبوضہ ممالک کے تفصیلی حالات کو معرض تحریر میں لائے اور جہاں پناہ کی قوت کشور کشائی اور اراکین دولت کی عقیدت و جاں نثاری و نیز ہر حصار کے سر ہونے کا واقعہ علیحدہ بیان کرے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

راجہ رام جاٹ کی شکست

چونکہ مذکورہ بالا واقعات میں راجہ رام جاٹ کی مہم اس سنہ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، لہٰذا اس کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ جہاں پناہ نے اس غیر مسلم فتنہ پرداز کی شوخی و بے باکی دیکھ کر اس مہم کو شاہزادہ بیدار بخت کے سپرد فرمایا، شاہزادہ مذکور کی شاہانہ جرأت وسرداران و نیز خان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر کے حسن انتظام سے مہم مذکور سر ہوئی، اس کارنامہ میں بے شمار رقم صرف ہوئی اور خدام بارگاہ نے کامل سعی وکوشش سے کام لیا اکثر بہادران روزگار معرکہء کارزار میں کام آئے لیکن آخرکار اقبال عالم گیری نے اپنا کام کیا، اور راجہ رام جاٹ 15- رمضان کو بندوق کی ضرب سے ہلاک ہوا۔

لشکر شاہی کے عرائض نگار کا معروضہ 29- شوال کو ملاحظہ عالی میں پیش ہوا، جس سے یہ خبر مسرت اثر تمام لشکر میں پھیل گئی، مفتوحہ ملک قلمرو شاہی میں داخل ہو کر تمام آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہوا اور اہل عالم جہاں پناہ کے ثنا گو و شکر گزار ہوئے، 19- ذی قعدہ کو راجہ رام کا بریدہ سر درگاہ شاہی میں پیش کیا گیا۔

کامگار خاں نے سید مظفر حیدر آبادی کی دختر کے ساتھ عقد کیا اور خلعت و اسپ و سہرۂ مروارید قیمتی دس ہزار کے عطیات سے بہرہ اندوز ہوا۔

کامگار خاں کے تغیر سے اعتماد خاں برادر زادہ علاؤ الملک فاضل خاں، سرکار جہاں مدار کا خان ساماں مقرر ہوا، بادشاہ خدام نواز نے خان مذکور کے منصب میں پانصدی و یک صد سوار کا اضافہ فرمایا اور کامگار خاں اصل و اضافہ کے امتیاز سے دو ہزاری و چہار صد سوار کے منصب اور کلغی و عصائے یشب کے عطیہ سے سرفراز ہوا، کامگار خاں کے بجائے میرزا معز موسی خاں کے خطاب سے سرفراز ہو کر دفتر داری تن کی خدمت پر مامور ہوا۔

محسن خاں کے تغیر سے خواجہ عبدالرحیم خاں خدمت بیوتاتی پر مقرر فرمایا گیا اور محسن خاں بجائے معتمد خاں کے داروغہ داغ و تصحیہ کی خدمت پر مامور ہوا۔

اعتضاد خاں کی زوجہ نے جو امیر الامراء شائستہ خاں کی دختر تھی وفات پائی، جہاں پناہ نے خان مذکور کو خلعت خاصہ و خنجر کے عطیات سے دل شاد فرمایا۔

ابوالحسن شاہ کی تین بیٹیاں تھیں پہلی لڑکی سکندر عادل دنیا دار بیجاپور کے عقد میں دی گئی، دوسری بیٹی کا محمد عمر پسر قدوۃ مشائخ شیخ محمد نقش بندی کے ساتھ نکاح کیا گیا، اور عنایت خاں پسر عمدۃ الملک اسد خاں نے تیسری بیٹی کے ساتھ نکاح کیا، قبلہء عالم نے خان مذکور کو خلعت و اسپ و فیل و سہرۂ مرحمت فرمائے، مخلص خاں میر آتش عطیہء خنجر سے سرفراز ہو کر مامور ہوا کہ دریائے کشنا سے ایک نہر کاٹ کر شہر بیجاپور تک لے آئے۔ فضل علی پسر مرشد قلی خاں قدیمی کو خطاب خانی کچہری دیوان اعلیٰ کی خدمت واقعہ نگاری مرحمت ہوئی۔

عطائے خطاب کا واقعہ

عطائے خطاب قلی کے وقت قبلہء عالم نے فرمایا کہ فیض علی سے دریافت کرو کہ اپنے نام پر

خطاب کا خواہاں ہے یا اپنے باپ کے خطاب کا طلب گار ہے؟ فضل علی نے بعض وجوہ کی بناء پر فضل علی خاں کا خطاب پسند کیا جہاں پناہ نے فرمایا کہ میں اور میرے ماں باپ علیؑ کے نام نامی پر قربان، اس نادان سے کہو کہ علیؑ کو چھوڑ کر قلی بنے، فضل علی خاں سے فضل قلی خاں بہتر ہے۔

اس مقام پر ایک دوسری اسی قسم کی حکایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ایک ہندی نژاد خادم درگاہ نے عرض کیا کہ اس کے ہر دو فرزند حفظ کلام مجید کر چکے ہیں، اور اس کی تمنا ہے کہ قبلہء عالم لڑکوں کی قرأت قرآن سماعت فرمائیں، جہاں پناہ نے ایک مقرب دربان کو حکم دیا کہ شب کے وقت پہنچ کر حضور شاہی میں حاضر کرے دونوں لڑکے حاضر ہوئے، اور اس مقرب نے ان کی حاضری کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ فلاں شخص کے دونوں فرزند حاضر ہیں قبلہء عالم نے فرمایا کہ تم ایک رافضی کا نام لیتے ہو، یہ شخص حیران ہوا اور عرض کیا یہ تو فلاں شخص کے فرزند ہیں، خادم درگاہ سے جہاں پناہ نے فرمایا کہ اگر تم کو یقین نہیں آتا، تو جاؤ اور دونوں لڑکوں کا نام دریافت کرو، یہ شخص باہر آیا اور نام دریافت کر کے عرض کیا کہ ایک کا نام حسن علی ہے اور دوسرے کو حسین علی کہتے ہیں، قبلہء عالم نے فرمایا کہ میں اور میرے والدین علیؑ کے نام نامی پر فدا ہوں ہندوستانیوں کو اس نام سے کیا مناسبت ہے، اہل ہند ایران کے روافض سے ربط پیدا کر کے اس بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور راہ راست چھوڑ کر کج روی کر رہے ہیں۔

نواب عصمت مآب مہر النساء بیگم کو تخت گاہ جانے کی اجازت مرحمت ہوئی اور لطف اللہ خاں کو حکم ہوا کہ بادشاہ زادی کے ہمراہ روانہ ہو، سردار خاں داروغہ فیل خانہ کو خلعت کے علاوہ یک صد سوار کا اضافہ مرحمت ہوا اور اصل و اضافہ ہر دو اعتبار سے ہزار و پانصدی سوار کا منصب دار قرار پایا۔

سید ابو سعید معزول قاضی لشکر نے وفات پائی نظام الدین و فیاض الدین اس کے دونوں فرزند خلعت ماتمی کے عطیہ سے سرفراز فرمائے گئے، سیادت خاں کے تغیر سے صف شکن خاں داروغہ عرض مکرر مقرر فرمایا گیا۔ شاہزادہ دولت افزا نے وفات پائی اور حسب الحکم علی عادل بیجاپوری کے مقبرہ میں دفن کیا گیا، عنایت اللہ مشرف جواہر خانہ نواب زینت النساء بیگم کی سرکار میں خان خاناں مقرر ہوا، لشکر خاں شاہ جہانی کا پسر نور خاں محافظ بیجاپور کی خدمت پر مامور ہوا۔

حمید الدین خاں پسر سردار خاں اپنے باپ کے تغیر سے داروغگی فیل خانہ کی خدمت پر سرفراز

فرمایا گیا پانصدی کا منصب دار تھا ایک صدی اضافہ سے بہرہ اندوز ہوا۔

بادشاہزادہ محمد اعظم کی فتوحات

بادشاہزادہ محمد اعظم شاہ آستانہ والا سے رخصت ہو کر سنبھا جی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے بادشاہ زادۂ مذکور نے بلگاؤں کا جو توابعات بیجاپور کا بہترین حصار ہے رخ کیا اور قلعہ مذکور کے قریب پہنچ کر قلیل مدت میں مورچال بندی اور توپ وتفنگ کے حملوں سے اہل حصار کو عاجز کر دیا، اس ناعاقبت اندیش گروہ نے ایک طفل خردسال کو جس کا متوفی باپ دنیا دار بیجاپور کی طرف سے حاکم حصار تھا اپنا سردار منتخب کیا تھا، اہلِ حصار نے اپنی نارسائی اور افواج شاہی کا عزم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور امان کے طلب گار ہوئے، فضل الٰہی سے حصار مع مضافات کے فتح ہو کر اعظم آباد کے نام سے موسوم ہوا، خردسال حاکم، شاہ والا جاہ کے توسط سے آستانہ والا پر حاضر ہو کر اپنی حیثیت کے مطابق عطیہء منصب سے سرفراز ہوا، شاہ والا جاہ کی چھاؤنی کا زمانہ قریب آ گیا تھا، بادشاہ زادہ مذکور بھی خدمت والا میں حاضر ہو گئے۔

نواب فیروز جنگ بہادر کی معرکہ آرائیاں

خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر قلعہ آدونی کے محاصرہ میں مشغول تھے ممدوح الصدر نے اولاً مسعود حبشی کو پیامِ نصیحت آمیز سے راہ راست پر لانے کا ارادہ فرمایا، لیکن اس ناعاقبت اندیش نے خان والا شان کو مایوس کر دیا، نواب فیروز جنگ بہادر نے نصیحت کے بعد اس کی لغزشوں اور کج رفتاری کو دیکھ کر تاخت وتاراج پر عمل کیا اور اس کے آباد ملک کو جنگل کی طرح ویران کر دیا اور مکانات کو جلانے اور حریف کے اُس دستہ فوج کو جو قلعہ سے نکل کر میدان میں آیا تھا قتل کرنے میں قطعاً کوتاہی نہ کی، آخرکار مسعود حبشی نے اظہار اطاعت کر کے اپنے معروضات خان والا شان کی خدمت میں پیش کئے اور بے حد بے قراری کے عالم میں 18- شوال کو حصار سے باہر نکل آیا یہ آسمان مثال حصار مع مضافات کے قلمرو شاہی میں داخل ہوا ''فتح آدونی عمودہ بادشاہ دیں پناہ'' حصار کی فتح کا مصرعہ تاریخ ہے۔

خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر کی عرض داشت ملاحظہء عالی میں پیش ہوئی، معروضہ

رساں و نیز سیادت خاں کو خلعت عطا ہوئے، فتح کے شادیانے بجے اور اہلِ دربار بعد اجازت تسلیمات مبارک باد بجالائے۔

مسعود حبشی کی معافی

چونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اس کی بارگاہ میں مطیع و عاصی ہر شخص کو پناہ ملتی ہے اور جہاں پناہ کی ذات مبارک ظل اللہ اور خالق مطلق کے اخلاق کاملہ کا مکمل مظہر ہے اس لئے مسعود حبشی جیسا سیہ کار مجرم جو حضوری میں حاضر ہونے کی قابلیت بھی نہ رکھتا تھا عنایت شاہانہ سے سرفراز فرمایا گیا، قبلہء عالم نے حاکم ادونی کو خطاب خانی و منصب ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار و فوج داری و جاگیرداری مراد آباد عطا فرما کر حکم دیا کہ جب تک وہ چاہے خان فیروز جنگ کے لشکر میں مقیم رہے، مسعود حبشی کے فرزند اعزاء کو عہدہائے جلیل عطا ہوئے، خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر نے ساز و سامان قلعہ پر قبضہ کیا اور آدونی اور اس کی نواح کا انتظام کر کے 5۔ صفر کو آستانہ شاہی پر حاضر ہوئے۔

قبلہء عالم نے اپنے عمدہ اعیان ملک کو بے شمار مراحم خسروانہ و عطیات شاہانہ سے سربلند و دل شاد فرمایا، اعتماد خاں خانساماں کو فاضل خاں کا خطاب مرحمت ہوا، میر حسین پسر امانت خاں اپنے باپ کے خطاب سے موسوم ہو کر سرفراز ہوا۔

بیجاپور میں طاعون کا نمودار ہونا اور قبلہء عالم کا سنبھاجی کے ملک بکھر واپس آنا

خان والا شان نواب فیروز جنگ بہادر امتیاز گڑھ کی فتح کے بعد حضور شاہی میں حاضر ہوئے اور چند روز کے بعد شورہ پشت مرہٹوں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوئے۔

قبلہء عالم نے بیجاپور سے کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا عزۂ ربیع الاوّل تاریخ سفر مقرر ہوئی، اور بار بردار جو دور دراز ممالک کو گئے ہوئے تھے حضور شاہی میں طلب کئے گئے، اس زمانہ میں یعنی محرم 1099ھ کو وبائے طاعون نمودار ہوئی بیجاپور نمونہء حشر بن گیا اور شہر کے تمام باشندے اس ہولناک مرض سے ماتم میں مبتلا ہوئے اس مرض کی صورت یہ تھی کہ پہلے ایک دانہ بغل یا ران میں نمودار ہوتا تھا اور اس کے بعد بخار شدید چڑھتا اور مریض پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو جاتا تھا، اطباء معالجہ سے

لاچار ہو گئے، مشکل سے مریض دو روز سے زائد نہ رہتا تھا جو افراد اس مرض کا شکار نہ ہوئے تھے وہ بھی اپنے کو چند روزہ مہمان سمجھ کر زندگی سے مایوس تھے، غرض کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی اور تمام لشکر و شہر میں ہر چہار جانب سے نفسی نفسی کی آواز بلند تھی، دنیا کے تمام کاروبار موقوف ہو گئے اور ہر شخص موت کے خوف سے خدا سے لو لگائے رہتا تھا۔

پرستار خاص اورنگ آبادی محل و محمدی راج پسر راجہ جسونت سنگھ جو تیرہ سال سے محل میں پرورش پا رہا تھا و فاضل خاں و نیز دیگر اعیان ملک راہی عدم ہوئے، ان کی تعداد ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئی، اکثر اشخاص مادہ دماغی میں مبتلا ہوئے اور ان کی آنکھ و کان و زبان وغیرہ اعضا بیکار ہو گئے، اعلیٰ طبقہ میں خان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر کی آنکھوں کو نقصان پہنچا اور ادنیٰ طبقہ کا حال تو حد بیان سے باہر ہے، مختصر یہ کہ قدیم تاریخوں میں اس قسم کے ہنگامہء قیامت خیز کا کہیں ذکر نہیں ہے، پیرانہ سال اشخاص نے بھی اس مرض مہلک کا جو دو ماہ کامل خلقت خدا کو شکار کرتا رہا، نہ نام سُنا اور نہ کبھی اس کو دیکھا ''قیامت بود یا شور و بابود'' اس مرض کے نمود کا مصرعہء تاریخ ہے، بادشاہ قوی دل و متوکل بخدا اپنے عزم راسخ پر قائم رہے اور تاریخ مذکور الصدر بیجاپور سے برآمد ہوئے، خدائے کریم کا شکر ہے کہ ایک ہفتہ کے بعد بیماری کم ہونے لگی، اور قبلہء عالم نے اکلوج تک سفر کی منزلیں طے فرمائیں، چونکہ اطباء کی رائے میں خان والاشان نواب فیروز جنگ بہادر کا زخم چشم جلد اندمال پذیر ہونے والا تھا قبلہء عالم نے شاہ والا جاہ محمد اعظم شاہ کو جرار لشکر کے ہمراہ غنیم کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔

سنبھاجی کی گرفتاری اور ہلاکت

قانون قدرت کا تقاضہ ہے کہ بداندیش و فتنہ پرداز افراد اپنے کردار کی سزا پاتے ہیں اور جس طرح کہ دنیا کو اپنے مظالم کے جہاں سوز شعلہ سے جلاتے ہیں اسی طرح خود بھی غضب الٰہی کی آتشِ بے پناہ سے خاک سیاہ ہوتے ہیں۔

جس زمانہ میں قبلہء عالم بعض مہمات کے سرانجام دینے کے لئے اکلوج میں قیام پذیر تھے مژدۂ فرحت افزا جس کی سماعت کی عرصہ دراز سے تمنا تھی سنائی دیا، مسلمانوں نے اس مسرت خیز خبر کو سن کر شادیانے کی آواز سے آسمان سر پر اٹھا لیا شہریار معدلت آثار کی ترقیء عمر و اقبال کی

دعائیں بلند ہوئیں، بادشاہ دین پناہ کے احسان سے اہل عالم گراں بار منت ہوئے، فتنہء بیدار ہمیشہ کے لئے سویا، ابلیس نظر بند ہوا اور امن وامان کا دور دورہ ہوا، یعنی سنبھاجی مرہٹہ شاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ نظام حیدرآبادی مقرب خاں کے خطاب سے سرفراز اور فنون سپہ گری کا ماہر اور اپنے زمانہ کا مشہور بہادر تھا یہ امیر بست وپنج ہزاری وبست ویک ہزار سوار کا منصب دار تھا، اس کے مناصب میں علاوہ اس کی ذات کے اس کے فرزند واعزاء بھی داخل تھے، جہاں پناہ نے شیخ نظام کو بیجاپور سے اس لئے روانہ فرمایا تھا کہ قلعہ پرنالہ کو جس پر سنبھاجی قابض تھے سر کرے۔

مقرب خاں نے احتیاط وخبرداری سے کام لیا اور اپنے جاسوس مقرر کئے تاکہ سنبھاجی کے قیام کا حال مفصل معلوم ہو، جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مرہٹہ سردار اور قوم بیراگی میں (جو اس کے اعزاء میں) نزاع وفساد پیدا ہوگیا ہے جس کی وجہ سے سنبھاجی راہبری سے قلعہ کھلنہ کو وارد ہوا، اپنے اقارب کو مطمئن وخوش وقلعہ کو ذخیرہ وسامان سے مستحکم کر کے کھلنہ سے سنگمیز پہنچا، اس مقام پر سنبھاجی کے پیش کار مسمی کب کلس نے بلند وعظیم الشان عمارات تعمیر کرا کے عمدہ باغات لگائے تھے، سنبھاجی اس موضع میں مقیم اور لہو ولعب میں مشغول ہے۔

مقرب خاں نے شولاپور سے جو سنبھاجی کے قیام گاہ سے پچیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، حملہ کیا باوجود اس کے کہ راہ بے حد دشوار گذار تھی اور درمیان عمیق درے اور گھاٹیاں واقع تھیں اور راستہ کا نشیب وفراز اس درجہ تکلیف دہ تھا کہ اس کی نظیر شاید مشکل سے ملے، لیکن مقرب خاں نے مالک کے ساتھ وفاداری ونمک حلالی کو جان عزیز پر مقدم رکھا اور اپنے چند معتبر شیدائیوں کے ہمراہ توکل بخدا روانہ ہوا، ہر چند خبر رسانوں نے سنبھاجی کو اطلاع دی کہ حریف کا لشکر حملہ کرتا ہوا آرہا ہے لیکن اس ناعاقبت اندیش نے اس خبر کو باور نہ کیا اور یہی جواب دیتا رہا کہ یہ احمق دیوانے ہو گئے ہیں مغلوں کی کیا طاقت ہے جو یہاں قدم رکھ سکیں۔

مقرب خاں برق وباد کی طرح سنبھاجی کے سر پر پہنچ گیا اور غافل حریف نے مجبوراً پانچ ہزار دکھنی سواروں سے حملہ کیا، اقبال عالم گیری نے اپنا کام کیا اور ایک جاں گداز نیزہ کی ضرب نے کب کلس کے قدم میدان جنگ سے اکھاڑ دیئے اور اس نے راہ فرار اختیار کی، سنبھاجی ایک

سوراخ کے راہ سے کب کلس کی حویلی میں پناہ گزیں ہوا اور سنبھاجی کے حریف اس کی روپوشی سے بے خبر رہے، اخبار رساں گروہ نے مقرب خاں کو سنبھاجی کے حال سے اطلاع دی۔

مقرب خاں نے فرار ہونے والوں کے تعاقب سے دست کش ہو کر حویلی کو گھیر لیا۔

اخلاص خاں خلف مقرب خاں سواروں کے ایک گروہ کے ہمراہ زینہ کی راہ سے حویلی کے اندر گیا اور سنبھاجی کو مع کب کلس اور پچیس دیگر افسران ملک کے گرفتار کیا، ان کے علاوہ سنبھاجی کی بیویاں اور بیٹیاں بھی گرفتار ہوئیں، اخلاص خاں اسیروں کے سر کے بال پکڑ کر ان کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا اور مقرب خاں کے ہاتھی کے پاس ڈال دیا۔

جہاں پناہ نے یہ خبر اکلوچ میں جو بعد کو اسعد نگر کے نام سے موسوم ہوا سُنی اور حمید الدین خاں پسر سردار خاں کو حکم دیا کہ سنبھاجی کو پابہ زنجیر حضور شاہی میں حاضر کرے۔

خان فیروز جنگ بہادر اپنے حسن تدابیر سے اس ملک سے واپس آئے اور کسی غیر مسلم سپاہی کو جرأت نہ ہوئی کہ مقابلہ کرے، 5- جمادی الاوّل کو قبلہء عالم نے اسعد نگر سے کوچ کر کے بہادر گڑھ میں قیام فرمایا، شاہی غیض وغضب جو قہر الٰہی کا نمونہ ہے ظاہر ہوا اور بادشاہ نے حمیت دیں پروری سے حکم دیا کہ لشکر گاہ سے دو کوس کے فاصلہ پر سنبھاجی کو تختہ کلاہ بنا کر اور اس کے ہمراہیوں کو مضحکہ خیز لباس پہنا کر بے حد ذلت وسختی کے ساتھ اونٹوں پر سوار کریں، اور ڈھول ونفیرے بجاتے ہوئے قیدیوں کو لشکر ودربار میں لے آئیں۔

وہ رات جس کی صبح کو قیدی اردوئے شاہی میں پہنچائے گئے بلا مبالغہ شب برات تھی کہ صبح کے تماشہ کے اشتیاق میں تمام اہل لشکر نے شب بیداری میں بسر کیا، اور وہ دن جب کہ اسیرانِ مذلت دربار میں لائے گئے روز عید تھا، کہ جوان وپیر ہر شخص عیش ومسرت کا متوالا ہو رہا تھا، مختصر یہ کہ قیدی تمام لشکر کے گرد پھرا کر بارگاہ شاہی میں حاضر کئے گئے قبلہء عالم دیوان عام میں جلوہ فرما تھے، جہاں پناہ نے حکم دیا کہ قیدی زندان میں رکھے جائیں، قبلہء عالم نے تخت حکومت سے اُتر کر اور قالین کا گوشہ اُلٹ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا اور سر بہ سجود ہونے کے بعد دست دعا بلند کیا اور مسرت وخوشی کے عالم میں چشم مبارک سے قطرات اشک رواں ہوئے۔

چونکہ سنبھاجی باوجود ممنون احسان ہونے کے ناسپاس گزاری کرتا رہا اور ایک مرتبہ اپنے باپ کے ہمراہ حضور شاہی سے اور دوسری مرتبہ دلیر خاں مغفور کے ہاتھ سے عذر وحیلہ کر کے امان

حاصل کر چکا تھا اس مرتبہ سزا دہی کے لائق قرار پایا، اور اسی شب اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی، اور دوسرے روز کب کلس کی زبان نکال لی گئی، سبحان اللہ جو عقدہ کہ ظاہر میں اشخاص کی رائے میں کبھی حل ہونے والا نہ تھا بادشادہ دیں پناہ کی حسنِ نیت سے اس کی گرہ چشم زدن میں کھل گئی، غور کرنے کا مقام ہے کہ کہاں سنبھا جی اور اس کی روز افزوں طاقت اور کہاں وہ آسمان سپر حصار رہبری اور کجا اس کا اس طرح گرفتار ہو کر اپنے اعمال بد کی سزا بھگتنا۔

ہر چند کہ اکثر شعرا و انشاء پرداز اشخاص نے اس واقعہ کی تاریخیں نظم کیں لیکن چونکہ عنایت اللہ وکیل محمد اعظم شاہ کا مصرعہ تاریخ مطابق واقعہ تھا، یہی تاریخ پسند آئی اور ناظم عنایات شاہی سے سرفراز فرمایا گیا، تاریخ مذکور حسب ذیل ہے۔

''بازن و فرزند سنبھا شد اسیر''

مقرب خاں کے منصب میں اضافہ

مقرب خاں اس خدمت نمایاں کے صلہ میں بیشمار انعام و نوازش شاہانہ سے سرفراز فرمایا گیا، قبلہء عالم نے اس امیر کو خان زماں کے خطاب سے سربلند فرما کر پچاس ہزار روپے نقد و خلعت خاصہ و اسپ بازین و ساز مرصع و فیل با ساز طلا و خنجر و دھوپ با پرولہ مرصع و اضافہ منصب کے انعام و عطیات مرحمت فرمائے۔ مقرب خاں اصل و اضافہ کے اعتبار سے ہفت ہزاری و ہفت ہزار کا منصب دار قرار پایا، مقرب خاں کا ایک فرزند اخلاص خان خان عالم کے خطاب و خلعت خاصہ و اضافہ منصب کے عطیات سے بہرہ اندوز ہوا، خان عالم اصل و اضافہ کے اعتبار سے پنج ہزاری سوار کا منصب دار ہوا، شیخ میراں کو منور خاں اور شیخ عبداللہ کو اختصاص خاں کے خطابات عطا ہوئے، احترام خاں و نیز مقرب خاں کے دیگر اعزہ بھی عطیہ خلعت و مناصب سے سرفراز فرمائے گئے۔

چونکہ سنبھا جی نے مسلمانوں کو بے حد آزار و نقصان پہنچایا تھا اس لئے اس کو ہلاک کرنا ہر طرح قرین مصلحت سمجھا گیا، علمائے ملت نے سنبھا جی کو واجب القتل قرار دیا۔

قبلہء عالم 21- جمادی الاوّل کو کورہ گاؤں میں جو بعد کو فتح آباد کے نام سے موسوم کیا گیا تشریف فرما ہوئے اور 25- تاریخ ماہ مذکور کو سنبھا جی مع اپنے رفیق طریق کب کلس کے تہ تیغ کیا گیا۔

ایک واقعہ

اس واقعہ سے قبلہء عالم کی حق شناسی وحق آ گاہی کا کامل ثبوت ملتا ہے، واضح ہو کہ قبل اس کے کہ سنبھاجی کی گرفتاری کی افواہ بھی زبان زد عام نہ ہوئی تھی، بلکہ اس قسم کی خبر محال سمجھی جاتی تھی، حضرت سید فتح محمد جو خواجہ بندہ نواز حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں، گلبرگہ شریف سے خدمت شاہی میں حاضر ہوئے، سید صاحب نے عرصہ تک فوجی ملازمت کر کے اپنے وطن میں خلوت نشینی اختیار کر لی تھی قبلہء عالم کو اولیائے کبار کے ساتھ جو عقیدت وخلوص ہے وہ ظاہر ہے اور ان برگزیدہ نفوس کے اسلاف واخلاف تمام افراد جہاں پناہ کی نگاہ میں بے حد معزز ومکرم رہے ہیں، بادشاہ دیں پناہ نے حضرت سید فتح محمد کے ترک دنیا کے بعد ان کے خلفِ رشید سید یداللہ کو جس کے چہرہ سے آثار رُشد ظاہر اور جو ہر طرح بزرگان دین کی سجادگی کے لائق اپنے روضہ خرد کا سجادہ نشین مقرر فرما کر علاوہ دیگر انعامات کے چند مواضعات کی سرکاری آمدنی بطور معافی عطا فرمائی، حضرت سید فتح محمد آستانہء والا پر حاضر ہوئے اور انہوں نے جہاں پناہ سے عرض کیا کہ میں نے سنبھاجی کے معاملہ اور اس کی تباہی کے متعلق بارہا حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ مبارک پر مراقبہ کیا، عرصہ کے بعد ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ اپنے نیک ارادے کے مطابق متبرک مقامات کی زیارت کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں اور اکثر خدام کو اعانت وامداد کے لئے حکم صادر ہوا ہے، حضرت نے اس فقیر کو دیکھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم کہاں جا رہے ہو میں نے اپنا ارادہ بیان کیا حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہماری راہ میں ایک خوک عرصہ سے حائل ہے جس سے نہ صرف مجھ کو بلکہ دیگر مسلمانوں کو بھی ناقابل برداشت تکلیف پہنچ رہی ہے تم بھی اس ناپاک وموذی جانور کے ہلاک کرنے میں ہماری مدد کرو، میں خواب سے بیدار ہوا اور مجھ کو یقین آ گیا کہ بہت جلد شاہی لشکر مرہٹہ فتنہ پرداز کی سرکوبی کے لئے روانہ ہونے والا ہے، چونکہ فقیر کو خواب میں ارشاد ہو چکا ہے کہ اس کار خیر میں شریک ہو، لہٰذا اس کام کو انجام دینے کے لئے آستانہ والا پر حاضر ہوا ہوں۔

قبلہء عالم یہ خواب سُن کر بے حد مسرور ہوئے خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ اس واقعہ کو ایک ہفتہ ہی گزرا تھا، کہ سنبھاجی گرفتار ہوا، جہاں پناہ نے حضرت سید محمد کو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور

جلوس عالمگیری کا چونتیسواں سال

1101ھ/1691ء

ماہ رمضان کا چاند نظر آیا اور اہل عالم نے یہ دعا پڑھی:۔ اللھم اھلّہ علینا بالیمن والایمان وَالسلامۃِ والاسلام ۔ اے اللہ اس چاند کو ہمارے لئے برکت وایمان اور سلامتی و اسلام کا ذریعہ بنادے، خوشی وشادمانی کے نعرے فلک تک پہنچے، بادشاہ خورشید کلاہ، فیض رسانی میں مشغول ہوئے، اور دنیا کو اپنے انصاف وجود وسخا سے رشک گلزار ارم بنادیا۔

خواجہ خدمت خاں کے بجائے خواجہ خدمت گار خاں جواہر خانہ کی داروغگی اور نظارت پر معزز وممتاز ہوا۔

خواجہ خدمت خاں کا نیا عہدہ

خواجہ خدمت خاں کو اعلیٰ حضرت قدوس آشیاں کے روضہ مقدسہ کی تولیت مرحمت ہوئی، خواجہ موصوف نے حضرت فردوس آشیاں کے فدویت کے وجہ سے اس خدمت کو اپنے حق میں کمال سعادت جانا اور منتہائے مقصد خیال کر کے اس خدمت پر قناعت کی، بادشاہ عالم پناہ کا حکم صادر ہوا کہ ہر صوبہ کے کارندے دو ہزار روپیہ مصارف قیام کے لئے خواجہ خدمت خاں کو ارسال کریں۔

قیصرِ روم، بخارا اور کاشغر کے سفیر

احمد آقا قیصر روم کا ایلچی اور نذر بے والی بخارا کا سفیر اور عبدالرحیم بیگ حاکم کاشغر کا پیامبر درگاہ والا پر زمین بوس ہوئے ان سفراء نے خطوط وتحائف وہدیے جو محبت کیش مخلصوں نے روانہ کئے تھے ملاحظہ عالی میں پیش کئے، قبلہء عالم نے ہر سفیر کو حسبِ حیثیت معہ ان کے ہمراہیوں کے

وکمان مرصع واسپ وفیل وسرپیچ اور فرمان خطاب بہادری ارسال کر کے حوصلہ افزائی فرمائی گئی، بادشاہ زادہ محمد معظم کو پانچ من گلاب اور دو من عرق بید مشک عنایت ہوا۔

اودت سنگھ

اودت سنگھ نے وطن سے حاضر ہو کر درگاہ والا پر جبہ فرسائی کی، خلعت اور خطاب راجگی پا کر، ہم عصروں میں سرفراز ہوا۔

خاں جہاں بہادر ظفر جنگ کوکلتاش صوبہ الہ آباد کے انتقام پر اور اس کا بیٹا ہمت خاں اودہ کی صوبہ داری اور گورکھ پور کی فوج داری پر مامور ہوئے۔

سزاوار خاں کے بجائے عبداللہ ماوری کی فوج داری پر مامور ہوا، سردار خاں لشکر کے دوازدہ گروہی فوج داری پر مقرر ہوا اور اس کے منصب میں چار سو سواروں کا اضافہ فرمایا گیا۔

صفدر خاں کی وفات

انہی دنوں پیش گاہ والا میں اطلاع پہنچی کہ صفدر خاں پسر اعظم خاں کوکہ فوج دار گوالیار ایک گڑھی پر چڑھائی کر کے گیا تھا لیکن قضا نے اس کو خدمت گزاری کی توفیق نہ دی۔

شاہزادہ خجستہ اختر، حمید الدین خاں داروغہ فیل خانہ کے ہمراہ آگرہ سے روانہ ہو کر شرف یاب ملازمت ہوئے، حکم ہوا کہ اپنے پدر عالی قدر کے پاس مقیم رہیں۔

حمید الدین خاں نے فربہ اور تیار ہاتھی ملاحظہ والا میں گذارے، حضرت نے اس کے منصب میں تیس سوار اضافہ فرمائے۔

رُستم خاں شرزہ کی گرفتاری

جاسوسوں کے عرائض سے معلوم ہوا کہ رستم خاں شرزہ جو قلعہ ستارا کی طرف روانہ کیا گیا تھا اس ضلع کے مفسدوں نے اس پر نرغہ کیا، فریقین میں عرصہ تک جنگ آزمائی ہوئی لیکن آخر کو شرزہ مغلوب ہو کر معہ عیال واطفال دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔

☆☆☆☆☆

سررخانگی انجام دیتے رہیں۔

نواب عالی جاہ قمرالدین خان بہادر خلف نواب فیروز جنگ بہادر حاضر حضور ہوئے اور قبلہء لم نے اس امیر باتوقیر کو جمدھر مرصع وخلعت عطا فرما کر پانصدی دوصد سوار کے اضافہ سے دو ہزار پانصدی ودو ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا اور واپسی کی اجازت عطا ہوئی۔

فتح راچور

26- صفر کو بخشی الملک روح اللہ خاں نے قلعہ راچور سر کیا، یہ قلعہ بعد میں فیروزنگر کے نام سے موسوم ہوا، حضرت نے خلعت وفرمان تحسین صادر فرمایا، اور اس کے فرزند خانہ زاد خاں کے منصب میں اضافہ فرما کر خان مذکور کو ایک ہزار پانصدی وشش صد سوار کا منصب دار مقرر فرمایا۔

16- ربیع الاوّل کو لشکر شاہی کورہ گاؤں سے دارالظفر بیجاپور روانہ ہوا، 2- ربیع الثانی کو اس شہر میں پڑاؤ ہوا، پندرہ روز گذرنے کے بعد 10- جمادی الاوّل کو موضع بدری میں خیمے نصیب ہوئے۔

دریائے کشنا کے کنارے قبلہء عالم کا قیام

بہرہ مند خاں بخشی الملک نے دریائے کشنا کے کنارے بادشاہ عالم پناہ کے لئے ایک تفریح گاہ تجویز کی تھی جس کو حضرت نے بے حد پسند فرمایا، قبلہء عالم نے خان موصوف کو الماس کی انگشتری مرحمت فرمائی، اور دو ماہ اسی منزل میں قیام فرمارہے۔

ایک مرید

ایک روز دیوان عدالت العالیہ میں صلابت خاں میر توزک اول نے ایک شخص کو ملاحظہء والا میں پیش کیا اور کہا یہ شخص التماس کرتا ہے کہ میں بنگالہ کے دور دراز ملک سے محض مرید ہونے کے قصد سے حاضر ہوا ہوں اُمیدوار ہوں کہ میری تمنا بر لائی جائے، حضرت نے مُسکرا کر جیب مبارک میں ہاتھ ڈالا اور ایک سو روپیہ اور سونے چاندی کی چیزیں خان مذکور کو دے کر فرمایا کہ اسے دے دو اور کہو کہ وہ ہمارے جس فیض کا امیدوار ہے وہ یہی ہے، صلابت خاں نے یہ چیزیں نووارد مسافر کو دیں لیکن اس شخص نے اس عطیہ کو ادھر ادھر پھینک دیا، اور خود دریا میں کود پڑا، صلابت خاں نے شور

کیا کہ خبردار یہ شخص ڈوبنے نہ پائے فرمان والا کے مطابق پیراک دریا میں اترے اور اسے نکال کر لائے، حضرت اقدس نے عدالت العالیہ کے اندرونی جانب رُخ کر کے سردار خاں سے فرمایا کہ ایک شخص بنگالہ سے آیا ہے اور اس کے سر میں یہ خیال باطل سمایا ہے کہ میرا مرید ہو جائے قبلہء عالم نے ہندی کا ایک شعر پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو میاں محمد نافع سرہندی کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ مرید کر کے سرہندی ٹوپی اس کے سر پر رکھیں۔

خدا گواہ ہے کہ اس زمانہ میں سوائے اس بادشاہ دیں پناہ کے جو لباس شاہی میں درویشی کرتا ہے اور جس کی شاہی پر درویشی نازاں ہے، کوئی شیخ وفقیر اس پایہ کا نہیں کہ کسی مرید کی تربیت کرے، اور اس کو رتبہ اعلیٰ تک پہنچا دے، قبلہء عالم کو یہ مرتبہ محض اس لئے حاصل ہے کہ خاکساری حضرت کی عادت ہے اور برگ نوائی وسروسامانی کے ساتھ عجز ونیاز سے بہرہ مند ہیں۔

بندہ شاہ شہانم کہ دریں سلطنتش
صورت خواجگی و سیرت درویشاں است

گڑھی سنسنی کی فتح

16- جمادی الاوّل 33 جلوس کو اخبار نویسوں کے عرایض سے معلوم ہوا کہ گڑھی سنسنی شاہزادہ بلند اقبال محمد بیدار بخت کی جرأت ومردانگی سے سر ہوئی، اور اس کے بدنصیب باشندے راہی عدم ہوئے۔

19- شعبان کو لشکر ظفر پیکر بدری سے کوچ کر کے موضع کلکلہ میں خیمہ زن ہوا، امانت خاں دیوان بیجاپور، حاجی شفیع خاں کے بجائے دفتر داری تن کی خدمت پر مامور ہو کر مطمئن وفارغ البال ہوا، امانت خاں کی خدمت ابوالمکارم کو عطا ہوئی۔

معتمد خاں کے انتقال کی وجہ سے خواجہ عبدالرحیم خاں داروغگی داغ وتصحیحہ کی خدمت پر مقرر ہوا۔

شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے لئے خطابات وعطیات

بادشاہ زادہ عالی جاہ محمد اعظم شاہ کو خلعت وسرپیچ اور بادشاہ زادہ بیدار بخت کو خلعت وترکش

انعام عطا فرمایا، زمانہ قیام و دیگر خصوصیات کے لحاظ سے ہر شخص مسرور و شاداں ہوا، جہاں پناہ نے رخصت کے وقت بے شمار داد و دہش فرمائی، اور خلعت نفیس جواہرات و اسپ و فیل اور معتد بہ رقومات عطا فرما کر ان اشخاص کو مالا مال فرمایا، ہندوستان کے ملبوسات و نادرات و جواہرات و بیش قیمت، اشیاء و نیز خطوط و مراسلات کے جواب میں مکتوبات بھی ان سفراء کے مخلص آقاؤں کے نام روانہ کئے۔

حمید الدین خاں، بادشاہ زادۂ عالیجاہ محمد اعظم شاہ کے فوج میں خزانہ پہنچانے پر مامور ہوا۔

میر نور الدین مرتضیٰ آبادمرج کی قلعہ داری پر مقرر ہوئے، جاں نثار خاں دشمن کی تنبیہ کے لئے نامزد ہوا اور خلعت و فیل کے عطیہ سے سربلند ہوا۔

دیانت خاں صوبہ جات دکن کا دیوان

دیانت خاں پسر امانت خاں موسوی خاں کے انتقال کی وجہ سے صوبہ جات دکن کی دیوانی پر سرفراز ہوا۔

موسوی خاں مرحوم ایران کے شرفا میں تھا، یہ امیر شرافت ذاتی کے لحاظ سے موسوی نسب تھا اور خاندان فضل و ہنر کو حیات جاوید عطا کرنے کے اعتبار سے عیسوی نسب تھا۔

علم معقولات میں یگانہ اور فن شعر میں یکتائے زمانہ تھا، اس امیر کو شاہ نواز خاں کی دامادی اور قبلہء عالم کے ہم زلف ہونے کے عزت بھی حاصل تھی۔

اسد خاں کی کشنا کی طرف روانگی

برگزیدہ مخلصان جمدۃ الملک اسد خاں 19- صفر کو بہ تعمیل ارشاد والا دشمنوں کی سرکوبی کے غرض سے دریائے کشنا کے اس پار جانے پر کمر بستہ ہوئے مصحف مجید مع خانہ مرصع الماس و خلعت خاصہ و پانصد مہر کا گھوڑا دے کر اسد خاں کی عزت افزائی فرمائی گئی، دیگر منتخب سردار بھی انواع و اقسام کے عنایات و خلعت و جواہرات و شمشیر و اسپ و فیل کے عطیات سے سرفراز ہوئے، عام اشخاص کو بھی حسب حال خلعت مرحمت ہوئے۔

ملتفت خاں داروغہ جانماز خانہ کو حیات خاں کے انتقال کی وجہ سے خواجہ مرحوم کی خدمات

سابقہ کے علاوہ آبدار خانہ کی خدمت بھی تفویض ہوئی، اور اس طرح اس کے تقرب میں اضافہ ہوا، ملتفت خاں کے بجائے محمد منعم امانت ہفت چوکی کی خدمت پر ممتاز ہوا۔

قبلہء عالم کا بیجاپور میں قیام

14- جمادی الآخر 34 جلوس قطب آباد عرف کلکلہ سے بادشاہی لشکر کوچ کر کے قلعہ بیجاپور کے بیرونی دروازہ یعنی رسول پور کے مقابل مقیم ہوا، بیجاپور نے چوتھی مرتبہ بادشاہ کے قیام گاہ بننے کی عزت حاصل کی۔

22- رجب کو خان جہاں بہادر بادشاہ زادہ عالی جاہ کے وکلا کے تبدیلی کی وجہ سے صوبہ پنجاب کے انتظام پر مقرر ہوا، خان جہاں بہادر کا بیٹا باپ کے تبادلہ کی وجہ سے صوبہ الہ آباد کے بندوبست پر مامور ہوا۔

29- شعبان کو بخشی الملک بہرہ مند خاں جو دشمن کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا تھا باریاب ملازمت ہوا پانصدی سہ ہزار و پانصدی دو ہزار سوار کے اضافہ سے سربلندی حاصل کی۔

مختار خاں کو غنیم سے معرکہ آرائی کرنے کی رخصت عطا ہوئی، مفتخر خاں اِس کی اردلی میں دیا گیا اور اسے حکم ہوا کہ شولا پور تک جائے اور معادوت میں شیخ الاسلام کو حاضر حضور کرے جو حسب طلب بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے کے لئے آرہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا پینتیسواں سال

1102ھ/1692ء

اسی مبارک زمانہ میں جبکہ بادشاہ دیں پناہ کے اقبال و برکت سے تمام خلق خدا امن و اطمینان کی دولت سے مالا مال تھی، آغاز 35 جلوس میں ماہ رمضان المبارک کی آمد، ہر خاص و عام کے لئے مزید مسرت و شادمانی کا باعث ہوئی، آثار دین و اسلام کے فروغ سے دین داروں کے قلوب منور ہو گئے۔

9- رمضان کو بادشاہ زادہ محمد کام بخش، مقامی چنجی اور اطراف کے فسادات کے اصلاح اور دشمن کے استیصال کے لئے روانہ ہوئے، بادشاہ زادہ موصوف اصل و اضافہ کے اعتبار سے بست ہزاری پانزدہ ہزار سوار کے منصب دار قرار پائے اضافہ منصب کے علاوہ خلعت کے سر پیچ و نیمہ آستین و خنجر و شمشیر و سپر و کلغی و دوات و مانک مرصع (20) راس گھوڑے میناوطلا کار ساز کے ساتھ اور ہاتھی نقرئی جھول کے ساتھ اور دو لاکھ روپیہ نقد بھی مرحمت ہوا۔

بخشی الملک بہرہ مند خاں اور دوسرے سربرآوردہ عمال و سردار بھی ہم رکاب ہوئے باعث جواہر و خلعت و اسپ و فیل کے انعام سے بہرہ مند ہوئے۔

دین دار زمیندار اسلام گڑھ کو ہزاری ہزار کے منصب و خلعت و اسپ و فیل و راجگی کا خطاب عطا فرما کر وطن جانے کی اجازت مرحمت ہوئی۔

گڑھی سوکر کی فتح

راجہ بشن سنگھ نے طلائی کنجی کے ساتھ جو عرض داشت بارگاہ معلیٰ میں روانہ کی تھی اس سے معلوم ہوا، گڑھی سوکر 3- رمضان کو دشمنوں کے ہاتھ سے نکل آئی، نافرمان و سرکش اشخاص پامال و

ناکام ہوئے۔

2- شوال کو حمید الدین خاں کو غنیم کی تنبیہ کے لئے سکھر جانے کی اجازت عطا ہوئی۔ انعام میں جیغہ ءمرصع مرحمت ہوا۔

مختار خاں میر آتش، رائے باغ اور ہوکری کے سرکشوں کی سرزنش کے لئے مامور ہوا اور خلعت و فیل کے عطیہ سے سربلند ہوا۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ بہادر اور چین قلیچ خاں پسر غازی الدین خاں کو فیل مادہ بطور اعزاز تحفتہً مرحمت فرمائی گئی۔

عطیات و مناصب

لطف اللہ خاں، صلابت خاں کے بجائے داروغگی بند ہائے چوکی خاص کی خدمت پر متعین ہو کر مورد الطاف ہوا، مخلص خاں قوربیگی، خانہ زاد خاں اور پسر روح اللہ خاں اور جاں نثار خاں اصلو اضافہ کے اعتبار سے دو ہزاری ہفت صد سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔

صلابت خاں اصل و اضافہ کے اعتبار سے ہزار و پانصدی و ہزار دو صد سوار کا سید سیف خاں نور الدہر اصل و اضافہ کے اعتبار سے ہزار و پانصدی ہفت صد سوار کا، محمد یار خاں ہزار و پانصدی چار صد سوار کا اور خدمت گار خاں اصل و اضافہ سے ہزاری دو صد سوار کا منصب دار قرار پا کر بلند پایہ ہوئے۔

لطف اللہ خاں ایک لغزش کی وجہ سے دو ہزار و پانصدی ہزار سوار کے منصب سے برطرف فرمایا گیا۔

بادشاہ زادہ محمد معظم کی رہائی

جس زمانہ میں عتاب شاہی ترقی پر تھا، بادشاہزادہ محمد معظم کو اپنے بیٹوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی، خدمت خاں اعلیٰ حضرت کا نائب جو اپنی سابقہ خدمات کی بدولت کچھ جسارت کر بیٹھا تھا اس بارہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کر چکا تھا، ان دنوں اس کی کوششوں سے اصلاح حالات کی اجازت حاصل ہوئی، ایک مدت کے بعد جب غصہ کی شدت آہستہ آہستہ کم ہوئی اور مزاج میں پدری

شفقت کا اثر ظاہر ہوا تو سردار خاں محافظ کو کئی مرتبہ ادعیہ ماثورہ مرحمت ہوئی کہ اس یوسف ثانی کو پہنچا کر کہہ دے کہ ان دعاؤں کا ورد رکھوتا کہ خدائے مہرباں ہمارے دل کو تمہاری رہائی پر متوجہ فرمائے، اور تمہیں ہماری جدائی کے صدمہ سے نجات دے۔

اسی سلسلہ میں ایک نادر لطیفہ مندرجہ ذیل ہے:۔

سردار خاں محافظ نے عرض کیا کہ بادشاہ زادے کو رہا کرنا تو حضرت کا اختیاری امر ہے پھر اس قسم کے سلوک و برتاؤ کی کیا ضرورت ہے حضرت نے فرمایا یہ درست ہے لیکن حاکمِ مطلق مالک الملک نے ہمیں رُبع مسکوں کا فرمانروا بنایا ہے ظاہر ہے کہ جہاں کسی ظالم کے ہاتھوں کسی مظلوم پر ظلم ہوتا ہے تو وہ ہماری دادرسی کا امیدوار ہوتا ہے، بعض دنیوی اسباب ایسے پیش آتے ہیں کہ اس شخص پر ہمارے ہاتھ سے زیادتی ہوئی ہے، اور ابھی اس کا وقت نہیں آیا، ایسی حالت میں اس کو سوائے خدا کی درگاہ کے کہیں پناہ نہیں ہے اس لئے اسے امیدوار رکھنا چاہئے تا کہ ہم سے مایوس ہو کر خدا سے فریاد نہ کرے اگر یہ مظلوم فریاد کرے گا تو ہمارا کہاں ٹھکانا ہوگا۔

چونکہ کارکنانِ قضا و قدر نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس نیّر عظمت و جلال کے انوار سے دنیا روشن ہو اور تختِ سلطنت اس کے وجودِ باجود سے رونق پائے اس لئے بادشاہ کامل الصفات کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ بادشاہ زادہ رنج و ابتلا کے دائرہ سے نکل کر خلائق کو اپنے فیوض سے بہرہ مند فرمائیں، اس خیال کی بنا پر اس امر میں بے حد احتیاط سے کام لیا گیا اور ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ بادشاہ زادہ کو ذرا بھی روحانی صدمہ نہ پہنچے قبلہء عالم آہستہ آہستہ سلیقہ و تربیت کے ساتھ تدبیر کرتے رہے، سچ ہے۔

اثر صحبت پاکاں بود اکسیر حیات
چوں ہوا راہ بدل یافت نفس میگردد

ہم یہاں سے سوار ہوں تو دولت خانہ کا خیمہ موجودہ فرش و سامان کے ساتھ بدستور استادہ رہے بادشاہ زادہ کو ان کے قیام گاہ سے لا کر اس میں اتارا جائے، شاہ زادہ موصوف کو تمام مکانات کی سیر کرا کے ہر جگہ تھوڑی دیر بٹھائیں تا کہ تمام حواس و اعضا کو انبساط و فرحت حاصل ہو، اور ہر ایک کے مذاق کی تبدیلی مناسب طور پر محسوس ہو جائے۔

ہدایات شاہی کے مطابق عمل کیا گیا لیکن بادشاہ زادہ نے محافظ سے کہا کہ مجھے تو دیدار

چاہئے، دیدار کے پیاسے کو مکانات کی سیر سے کیا حاصل۔

رفتہ رفتہ شفقت پدری کے جوش میں ترقی ہوئی، اسی دوران میں بادشاہ زادہ کی والدہ نواب بائی کے وفات کی خبر دارالخلافتہ سے آئی اور قبلہء عالم دیوانِ خاص سے بادشاہ زادہ کی قیام گاہ تک خیمے اور راستے درست کرا کے خود بدولت نواب قدسیہ زینت النساء بیگم کے ہمراہ تشریف لائے، اور تعزیت کی رسمیں ادا کیں۔

اس کے ایک مدت بعد 4- ذی قعدہ کو بادشاہ زادہ نے قبلہء دین و دولت، کعبہء ملک ملت کا شرف نیاز حاصل کیا، بادشاہ زادہ کو حکم ہوا کہ نماز ظہر حضرت کے ساتھ ادا کریں اور جب قبلہء عالم نماز جمعہ کے غرض سے مسجد جامع جانے کے لئے سوار ہوں تو بادشاہ زادۂ موصوف دولت خانہ کی مسجد میں ادائے نماز جمعہ کے لئے حاضر کئے جائیں۔

اسی طرح کبھی تزکیہ باطن کے لئے ہدایت ہوتی اور کبھی صفائی ظاہر ملحوظ خاطر ہوتی۔

اب بادشاہ زادہ حسبِ حکم قلعہ کے حمام میں تشریف لے جاتے اور کبھی باغ اور شاہ آباد کے تالاب کی سیر سے جو بندگانِ حضرت کے تعمیر کردہ ہیں فرحت و خوش دلی حاصل کرتے غرض رفتہ رفتہ حجاب اُٹھ گیا، خواجہ دولت محلی کو حکم ہوا کہ بادشاہ زادہ کے متعلقین کو دارالخلافت سے قبلہء عالم کے حضور پہنچائے۔

شہزادگان والانژاد محمد معزالدین و محمد عظیم نہ ہزار دو ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔

محمد رفیع القدر ہفت ہزاری سوار کے عطیہ منصب سے سربلند اور محمد خجستہ اختر دیوان عام میں بطور خاص خلعت پاکر مسرور ہوئے۔

حمیدالدین خاں خلعت و فیل کے عطیہ سے بہرہ مند ہوا، بخشی الملک روح اللہ خاں 4- ذی قعدہ کو نصرت آباد سکھر جانے کے لئے خلعت رخصت کے عطیہ سے شرف اندوز ہوا قبلہء عالم نے بخشی الملک کے ہمراہیوں پر بھی مرحمت و عنایات کی نظر فرمائی۔

تہور خاں

تہور خاں ولد صلابت خاں، محمد کام بخش کی فوج کا ہراول ہوا، اس کے اصل منصب ہشت صدی وسی صد سوار میں یک صدی و پنجاہ سوار کا اضافہ فرمایا گیا، لطف اللہ خاں برطرفی کے بعد

بحال ہوا، صف شکن خاں بادشاہ زادہ محمد معظم کے متعلقین اور خدام کو دار الخلافت سے خجستہ بنیاد (اکبر آباد آگرہ) ہوتا ہوا حضور پُر نور میں لایا۔

جاسوسوں کے عرائض سے بارگاہ والا میں اطلاع پہنچی کہ 21- محرم کو جمدۃ الملک اسد خاں نے گھر میں بادشاہ زادہ محمد کام بخش کی ملازمت سے عزت حاصل کی، 5- ربیع الثانی کو بادشاہ زادہ اور جمدۃ الملک چنجی پہنچے۔

ایک دیوانہ کا قبلہء عالم پر حملہ

7- تاریخ کو مسجد جامع میں ایک پریشان وضع دیوانہ شخص میان سے تلوار کھینچ کر قبلہء عالم کی طرف دوڑا، پاسبانوں نے اس کو قید کر لیا اور دیوانہ مجرم صلابت خاں کے حوالہ کیا گیا۔

13- تاریخ سواری شکار میں بادشاہ زادہ محمد اعظم شاہ اور شاہزادہ بیدار بخت ہم رکاب رہے اور جہاں پناہ کے حضور میں حاضر ہوئے سواری کے تمام اوقات میں ہر دو پسر و پدر وہیں سے نصرت آباد سکھر جانے کے لئے رخصت فرمائے گئے۔

بخشی الملک بہرہ مند خاں جو بادشاہ زادہ محمد کام بخش کی فوج سے حسب الحکم حضور پر نور حاضر ہوا تھا، 20- تاریخ کو ملازمت سے سرفراز ہوا۔

7- جمادی الاوّل کو ذوالفقار خاں قلعہ نرمل سر کرنے کے صلہ میں اصل واضافہ کے اعتبار سے چہار ہزاری دو ہزار پانصد سوار کے منصب پر فائز ہو کر شرف اندوز ہوا۔

19- شعبان کو شاہزادگان گرامی شان، اعزاز الدین واعز الدین شاہزادہ محمد معز الدین کے فرزند اور محمد کریم و فرخ سیر شاہزادہ محمد عظیم کے پسر باریاب ہوئے قبلہء عالم نے شاہزادہ کو یومیہ کے عطیہ اور مناصب عنایات و خلعت و جواہرات وغیرہ انعامات سے مسرور و شاداں کیا۔

قبلہء عالم کا قطب آباد میں قیام

6- شعبان کو لشکر ظفر پیکر بیجاپور سے روانہ ہوا اور موضع قطب آباد کو دوبارہ ورود شاہی کی عزت نصیب ہوئی، جب تک قبلہء عالم نے یہاں قیام فرمایا جمعہ اور عید اور دوسری نمازوں کے ادائی کے لئے یہیں مصر جامع کی حیثیت سے مسلمانوں کی آمد و رفت ہوتی رہی۔

رشید خاں دفتر دار خالصہ مال گزاری وصول کرنے اور بعض خالصات حیدر آباد کی جمع تشخیص کرنے کے لئے مامور ہوا، اور عنایت اللہ مستوفی ائمہ خاں مذکور کی نیابت میں کچہری خانسامانی کی خدمت واقعہ نویسی پر مامور ہوا اور خطاب خانی اور اضافہ صدی کے ساتھ معہ اصل و اضافہ سی صدی پنجاہ سوار کا منصب حاصل کر کے معزز و مفتخر ہوا۔

سردار خاں کی وفات

سردار خاں دیرینہ خانہ زاد معتمد علیہ نے انتقال کیا، اس شخص کا ظاہر و باطن ولی نعمت کی خیر خواہی و خلق خدا کی خدمت میں یکساں تھا سردار خاں درد طلب و فقرا کا محب و پرستار تھا اس کا بیٹا حمید الدین خاں جو اپنی ہوش مندی و ذکاوت کی وجہ سے فی الحال مورد عنایت ہے باپ کے انتقال کی وجہ سے حسب الحکم کوتوالی وغیرہ خدمات انجام دینے کے لئے کمر بستہ ہوا۔

قبلہء عالم اس مسجد میں جو نماز جمعہ ادا کرنے اور اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے دیوان خاص کے پاس تعمیر ہو رہی ہے خود تشریف فرما ہوئے، اور حصول ثواب کے لئے چند پتھر دستِ مبارک سے اٹھا کر بنیاد قائم فرمائی۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا چھتیسواں سال

1103ھ/1693ء

اس زمانہ میں جب کہ آسمان کی گردش موافق اور عامہ رعایا مسرور تھی، متبرک ماہ صیام و عیدالفطر کا ورود ہوا، قبلہء عالم نے اپنی مقاصد کی کامیابی کی برکت کے صلہ میں جو خدا کی بارگاہ سے حضرت کو حاصل ہوئی تھیں، مخلوق کی حاجت روائی کی جانب توجہ فرمائی۔

شہزادہ معزالدین کا اسدنگر کے سرکشوں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہونا

اسی ماہ کی دوسری تاریخ قبلہء عالم نے شہزادہ معزالدین کو سرکشوں کی تنبیہ کی غرض سے اسد نگر کی جانب روانہ فرمایا اور بوقت رخصت خلعت مع بالا بند سرپیچ اور اکیس عدد گھوڑے اور ہاتھی کے انعامات اور ہزاری منصب کے اضافہ سے دس ہزاری سہ ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا، اسی طرح سے جہاں پناہ نے شہزادہ رفیع القدر کو بھی ہزاری ذات کے اضافہ سے ہشت ہزاری ذات و ہفت ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا۔

شہزادہ محمد خجستہ اختر بھی اپنی یاوری تقدیر سے منصب ہفت ہزاری ذات پر فائز ہوئے، معمور خاں کے تغیر سے امانت خاں خجستہ بنیاد کی محافظت پر مامور ہوا، اور معمور خاں ولایت بیڑ کی فوج داری پر متعین فرمایا گیا اول الذکر کا منصب ہزار و پانصدی و شش صد سوار تھا تیں سواروں کے اضافہ سے سربلند ہوا، آخرالذکر کو جس کا منصب ہزاری و پانصد سوار تھا، چار سو سواروں کے اضافہ سے سرفراز ہوا۔

محامد خاں، سید مرتضٰی خاں کا فرزند جو پیشتر حامد خاں کے نام سے موسوم تھا، میوات کی فوج داری پر مامور ہوا اور پانصد سواروں کے اضافہ سے منصب سہ ہزاری ذات و دو ہزار پانچ سو سوار پر

فائز ہوا۔

جہاں پناہ نے عبدالرزاق خاں لاری حیدرآبادی کوفوج داری کوکن پر متعین فرمایا اور ہزار سوار کے اضافہ سے منصب چہار ہزاری ذات اور چار ہزار سوار عنایت فرمایا اضافہ کے علاوہ اس شخص کواسپ وفیل ونقارہ بطور انعام مرحمت ہوئے۔

شہزادہ محمد اعظم کی کتخدائی

شہزادہ محمد اعظم کا عقد روح اللہ خاں پسر خلیل اللہ خاں کی دختر کے ساتھ قرار پایا، قبلہء عالم نے شہزادہ مذکور کو سرپیچ اور سترہ ہزار روپیہ نقد اور باز وبند قیمتی آٹھ ہزار واسپ مع سامان واسباب مرصع وفیل کے عطیات اور ہزاری ذات کا اضافہ عنایت فرما کر دس ہزاری دو ہزار سوار کا منصب مرحمت فرمایا۔

سید محمد اور سید محمد جعفر

اسی اثناء میں سید محمد وسید محمد جعفر سجادہ نشینان روضہ قطب العالم وشاہ عالم رُوح اللہ روحہما احمد آباد سے قبلہء عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جہاں پناہ نے بدستور سابق ہر ایک کوخلعت و فیل اور ایک رقم معتد بہ مدوخرچ میں دے کر واپسی کی اجازت عطا فرمائی۔

یکم ذی قعدہ کو خان جہاں بہادر ظفر جنگ کے فرزند ہمت خاں ناظم صوبہ الہ آباد کے نام فرمان صادر ہوا کہ بہت جلد بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو۔

جہاں پناہ نے امیر الامرا کے فرزند بزرگ امید خاں ناظم صوبہ بہار کو ہمت خاں کے تغیر کے بعد ناظم صوبہ الہ آباد اور امیر الامرا کے دوسرے فرزند مظفر خاں کو بھی اس کے تغیر سے جون پور کا فوج دار مقرر فرمایا۔

روح اللہ خاں کی وفات

ممالک مدار روح اللہ خاں فوت ہوا، جس کی مثال اس قطرہ کی سی ہے جو دریا سے مل گیا ہو یہ امیر نسب میں آفتاب اور حسب میں لاجواب تھا، اس کے علاوہ خلیق ونیک ومہذب وفیض رساں بھی تھا، اور چونکہ یہ امیر حضرت کا فرزند خانہ زاد اور اصابت رائے وتیزی فہم وحسنِ اخلاص سے

منصف تھا اس کی مفارقت سے حضرت کے بے حد رنج ہوا، منجملہ دیگر علامات کے ایک علامت صبر یہی اس کے مغفرت کی یہ بھی ہے کہ قبلہء عالم اس کی عیادت کے لئے رونق افروز ہوئے اور اس مسافرِ ملکِ عدم کے حق میں مغفرت کی دعا فرمائی۔

جہاں پناہ نے روح اللہ خاں کے فرزند خانہ زاد خاں کو مخلص خاں کے تغیر سے قوربیگی کی خدمت پر بھی نامزد فرمایا، اور اس کے حال پر بے حد مہربانی فرمائی۔

بہرہ مند خاں روح اللہ خاں کے انتقال کے بعد اضافہ پانصدی پانچ سو سوار سے مع اصل اضافہ منصب چہار ہزاری دو ہزار و خدمت میر بخشی گیری پر فائز ہوا مخلص خاں بہرہ مند خاں کے تغیر کے بعد پانصدی منصب کے اضافہ سے معہ اصل و اضافہ منصب دو ہزار پانصدی اور ہفت صد سوار اور خدمت بخشی گیری دوم پر نامزد کیا گیا، جہاں پناہ نے عزیز اللہ خاں اور روح اللہ خاں کو منصب ہزار و پانصدی شش صد سوار مرحمت فرمایا۔

خواجہ عبدالرحیم خاں فوت ہوا اور اس کی وفات کے بعد امانت خاں خدمت بیوتاتی پر مامور ہوا۔

عنایت اللہ خاں، میر حسین امانت خاں کے تغیر کے بعد حضرت کے حکم کے مطابق دیوانی تن کی خدمت پر نامزد کیا گیا۔

قبلہء عالم نے عنایت اللہ خاں کو یک صدی ہشتاد سوار کے اضافہ سے ہفت صدی ہشتاد سوار کا منصب مرحمت فرمایا۔

اسی زمانہ میں جب کہ دیوانی صرف خاص بھی عنایت اللہ خاں کی سپرد ہوئی حضرت نے اس کے منصب میں بیس سواروں کا اضافہ اور بھی مرحمت فرمایا۔

صلابت خاں کی وفات

صلابت خاں نے اپنے مرض کے اشتداد کی وجہ سے دارالحکومت جانے کے لئے رخصت طلب کی تھی لیکن سفر کی چند ہی منزلیں اس نے طے کی ہوں گی کہ راہ میں فوت ہو گیا، اس زمانہ میں اکثر یہ شعر اس کے ورد زبان تھا۔ ؎

خود رفتہ ایم و کنج مزارے گرفتہ ایم
تا بار دوش کس نہ شود استخوانِ ما

یہ امیر راستی و درستی معاملہ اور اپنے مالک کی رضا جوئی میں بے حد مستعد و صادق تھا، محمد بدیع بلخی برطرفی کے بعد بار دگر منصب سہ ہزاری ہفت صد سوار پر فائز ہوا۔

18- ذی قعدہ کو قبلہء عالم نے حکم صادر فرمایا کہ شہزادہ محمد معظم عدالت گاہ میں حاضر ہو کر خدمت زمین بوسی و مجرا بجالایا کریں۔

امراء کے مناصب میں اضافہ

جہاں پناہ نے خدمت گار خاں ناظر کو پانصدی و یک صد و پنجاہ سوار کا اضافہ مرحمت فرمایا۔

طالع محمد یار خاں کو منصب پانصدی کے اضافہ سے دو ہزاری چار صد سوار کا منصب مرحمت ہوا، کاکر خاں جو محمد کام بخش کی فوج میں متعین تھا پانصدی سہ صد سوار کے اضافہ سے منصب ہزار و پانصدی ہفت صد سوار اور خدمت تھانہ داری جنجی پر نامزد کیا گیا میر حسین مشرف گرز برداروں کو رخصت عنایت ہوئی، تا کہ دار الحکومت جا کر خادمان محل شہزادہ محمد معز الدین کو حضرت کے حضور میں لے آئے۔

قبلہء عالم نے محمد جمیل فرستادہ حاکم حضرموت کو خلعت اور دو ہزار روپیہ نقد عطا فرما کر واپس جانے کی اجازت عنایت فرمائی۔

23- صفر کو شہزادہ رفیع القدر خجستہ اختر کے بارے میں حکم صادر ہوا کہ ہر دو شہزادگان اپنے والد کے ہمراہ نماز ظہر کے لئے مسجد میں حاضر ہوا کریں، لطف اللہ خاں اور اصالت خاں کو اسعد نگر کے تھانہ پر جانے کی اجازت عنایت ہوئی، شہزادۂ رفیع القدر کی فوج میں جو دو ہزار سواروں کی کمی وقع تھی وہ بحال ہو گئی خواجہ مبارک خدمت گار خاں کی نیابت میں سرکار شہزادہ محمد معظم میں عہدۂ نظارت پر نامزد کیا گیا۔

راجہ اودیت سنگھ زمیندار اوندچھ کے منصب میں جو فیروز جنگ کی فوج میں متعین تھا پانصدی پانصد سوار کا اضافہ ہوا، اور اب راجہ اصل و اضافہ کے اعتبار سے دو ہزاری ہزار و پانصد سوار کا منصب دار ہوا اور خدمت فوج داری ایرج پر مامور کیا گیا، عبدالحی مشرف فراش خانہ نے حضرت کے حضور میں عرض کیا کہ حضرت کے حکم کے مطابق دائرہ دولت شہزادہ بخوبی و خوش اسلوبی مرتب و مکمل ہو گیا، خدمت گار خاں اور دیگر خدامان کو حکم ہوا کہ سواری کے وقت حاضر ہو کر شہزادہ کو محل سرا

میں پہنچادیں، یکم ربیع الآخر کو قبلہء عالم نے کمال الدین خاں فوجدار بندون بیانہ کے منصب میں اطراف کے سرکشوں کے استیصال کے صلہ میں پانصدی پانصد سوار کا اضافہ فرمایا اور خان مذکور دو ہزاری و ہزار سوار کا منصب دار قرار پایا۔

امیر الامرا مرحوم کا فرزند اعتقاد خاں ناظم صوبہ اکبرآباد عہدہ فوج داری نواح پر مامور ہوا اور دوسو سوار کے اضافہ سے ہزار و پانصدی و ہزار و دوصد سوار کے منصب پر فائز ہوا جہاں پناہ نے ذوالفقار خاں بہادر کو منصب جلیل القدر چہار ہزاری سہ ہزار سوار مرحمت فرمایا، امیر الامرا مرحوم کا فرزند خدا بندہ خاں بہڑائچ کی فوج داری پر نامزد کیا گیا، خدا بندہ خاں کا منصب نہ صدی چار صد سوار تھا اس کو یک صدی منصب کا اضافہ عطا ہوا ابوالمحمد خاں بیجاپوری کا منصب سہ ہزاری ہزار سوار تھا پانچ سو سواروں کا اضافہ اس کو مرحمت ہوا۔

مختار خاں کا منصب سہ ہزاری ہزار و پانصد سوار تھا پانچ سو سواروں کی کمی اس کے حق میں بحال کی گئی، حمید الدین خاں بہادر نے طاقت و روتنومند ہاتھی حضرت کے حضور میں پیش کئے اس کا منصب ہزاری شش صد سوار تھا دو سواروں کا اضافہ اس کو بھی مرحمت ہوا، قبلہء عالم نے پندرہویں جمادی الآخر کو شہزادہ محمد عظیم کو ساٹھ عدد چیرہ و جامہ و سرپیچ و قوطہ و نیمہ استین و بالا بند بطور انعام عطا فرمائے۔

حکیم علیم الدین کا بیٹا انور خاں داروغہ خاصاں اور وزیر خاں شاہجہانی انتقال کر گئے ان میں بجز ظاہری نام و نمود کے کوئی خاص امر قابل ذکر نہ تھا، وزیر خاں کے بجائے، ملتفت خاں داروغہ آبدار خانہ اسی خدمت پر 14- رجب کو مامور ہوا، یہ امیر یک صدی پنجاہ سوار کے اضافہ ہزاری یک صد و پنجاہ سوار کے مرتبہ پر فائز ہوا، اور اپنے تقرب و مزاج دانی کی بدولت جلد سے جلد چند ہم عصروں میں محسود بن گیا۔

قلعہ چنجی کے حالات

ہرکارے کی تحریر سے معلوم ہوا کہ ذوالفقار علی خاں بہادر نے گرانی غلّہ کے سبب سے لشکر میں ثابت قدمی کے آثار نہ دیکھے اور قلعہ چنجی کے مورچال سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ہٹ آیا، اس سے کچھ قبل جاسوسوں کی عرضی سے اطلاع ملی تھی کہ قلعہ کے محاصرہ میں دشمن نے ذوالفقار خاں پر

نرغہ کیا ہے لشکر شاہی کو رسد نہیں پہنچتی ہے، اگر کمک پہنچ جائے تو اس مہم کی سختی میں آسانی پیدا ہو جائے۔

اس عرضی کی بنا پر جمدۃ الملک کے نام تاکیدی فرمان صادر ہوا کہ جلد اپنے آپ کو بیٹے کی مدد کے لئے پہنچائے، اس وقت جمدۃ الملک بید مال میں مقیم تھا چونکہ مشار الیہ نے موقع پر پہنچنے میں تساہل و تاخیر کی اس لئے عدالت گاہ میں دستخط خاص سے دوسرا فرمان تحریر ہو رہا تھا، اس وقت اتفاقاً مولف بھی حاضر اور تمام باتیں سن رہا تھا حضرت نے فضائل خاں میر منشی سے ارشاد فرمایا کہ لکھو:۔

> تم اپنے آپ کو فرزند پروالہ وشیدا ظاہر کرتے ہو اور ایسے نازک و تنگ موقع پر جلد پہنچنے میں تساہل و غفلت سے کام لیتے ہو گویا زبان حال سے یہ کہتے ہو

ملک الموت من نہ مہتی ام
من یکے پیر زال محنتی ام

مدعی ہونا اور بات ہے اور دعویٰ میں سچا ثابت ہونا شئے دیگر ہے چونکہ اس مہم پر جانے سے پیشتر غالباً جمدۃ الملک نے اسی جگہ کہا تھا کہ اب تک کسی کام کے لئے ہمیں حکم نہیں ہوا اگر ہم کسی حکومت پر مامور ہوئے تو لوگ دیکھ لیں گے کہ ترکیب کسے کہتے ہیں، یہ قول اسمع اقدس تک پہنچ چکا تھا، اس موقع پر فضائل خاں اور قابل داروغہ کتاب خانہ مخاطب ہوئے اور ارشاد ہوا ''ترکی تمام شد'' کیا مثل ہے دونوں کا کہا ہوا میرے کانوں نے سُنا۔

''دیگر بخود مناز کہ ترکی تمام شد''

یہ مصرعہ بھی اس فرمان میں درج ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا سینتیسواں سال

1104ھ/1694ء

اسی محمود و مسعود زمانہ میں جبکہ مظلوموں کے دوست اور ظالموں کے دشمن، بادشاہ کے معدلت گستری وانصاف پروری سے دنیا رشک گلزار ہورہی ہے، رمضان کی فیض بخشش و برکت آ گیں آمد سے مسلمانوں کے تفریح کے لئے عجب بہار کا عالم ہے زمانہ کا چمن مشرکوں کے جور و تعدی کے خس و خاشاک سے پاک ہو چکا ہے، بادشاہوں کا بادشاہ عبادت الٰہی کے مراتب طے کرنے میں مصروف ہے، تمام رعایا کے دل الطاف وتوجہات شاہانہ سے معمور و مسرور ہیں۔

بادشاہ زادہ عالی جاہ محمد اعظم شاہ کو مرض استسقا ہو گیا تھا اس لئے حضور سے پالکی آئینہ مرحمت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ سواری کے وقت میں کافی حفاظت واحتیاط کے ساتھ پالکی پر آیا کریں بعد میں فرمان مبارک صادر ہوا کہ سوا اس شخص کے جس کو حضور شاہی سے پالکی عطا ہوئی کوئی دوسرا حاضر دربار خواہ وہ بادشاہ زادہ یا شہزادہ یا امیر پالکی میں سوار حاضر نہیں ہوسکتا۔

چند روز کے بعد جمدۃ الملک اسد خاں اور مقرب الخدمت ملتفت خاں کو سوار آنے کی اجازت عطا ہوئی۔

رانی بدھنور کے وکیل نے رانی کی عرض داشت وپیش کش درگاہ معلیٰ میں پیش کی اور تین سو ہون کی نذر گزرانی۔

بادشاہ زادہ محمد کام بخش کا ایک کدورت افزا ناگہانی واقعہ

دنیائے فانی خیر وشر کی نیرنگیوں اور رنج وراحت کے کرشموں کا تعجب انگیز مجموعہ ہے اور اس کے جیب و دامن طرح طرح کے تغیرات وانقلابات سے ہر وقت معمور رہتے ہیں، اگر کسی

فرد کے حلق میں شیرینی کا ایک نغمہ پہنچتا ہے تو اس میں زہر کی سو تلخیاں بھی شامل ہوتی ہیں، جس شخص کے دامن میں صبح عیش طلوع ہوتی ہے اس کے اُفق سے شامِ کدورت بھی اپنا بھیانک چہرہ دکھاتی ہے۔

اس نفرت آمیز تمہید کی تشریح یہ ہے کہ جمدۃ الملک نے قلعہ نند پال فتح کرنے کے بعد کھڑپہ میں جو کرناٹک حیدرآباد کی سرحد ہے چھاؤنی ڈالی بادشاہ زادہ کام بخش کو حضور پُرنور سے قلعہ داکن کیرا سر کرنے کے لئے رخصت عطا ہوئی، بادشاہ زادہ، بخشی الملک بہرہ مند خاں کے ساتھ اس مہم کی تیاری میں مشغول ہوئے۔

بعد میں بخشی الملک روح اللہ خاں اس مہم کے انصرام پر مامور ہوا اور بادشاہ زادہ نے فرمان مبارک کی تعمیل میں جمدۃ الملک کو کمک پہنچانے پر توجہ کی۔

اسی دوران میں قبلہء عالم کی سواری کھڑپہ پہنچی اور ارشاد ہوا کہ بادشاہ زادہ مذکور جمدۃ الملک کے ہمراہ ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ کے مدد کو روانہ ہوں۔

نصرت جنگ اس زمانہ میں قلعہ چنجی کے محاصرہ میں مصروف اور رسد کے سد باب اور غنیم کے ہجوم کے وجہ سے سخت ترین مشکلات میں گرفتار تھا۔

بادشاہ زادہ نے تجربہ کار اشخاص کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور جوانی کے قوت اور بدخواہوں کی خوشامد کے فریب میں آ کر ابتدائے سفر سے آخر تک برابر گھوڑے پر سوار رہے، بہرہ مند خاں، مختلف تذکرے چھیڑتا اور خوشامد و نرمی سے گفتگو کرتا تھا اس امیر نے مرشد زادہ کی خوشنودی حاصل کر کے حسب اجازت بارگاہ شاہی کی راہ لی، اگرچہ جمدۃ الملک نے باوجود ضعف قوی و پیرانہ سالی کے ادب شاہی کو ملحوظ رکھا، اور تمام راہ سواری کی تکلیف برداشت کرتا رہا، مگر سفر میں تکلیف و ناخوشی کا احساس اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔

چونکہ شکوہ و شکایت کی گرہ زمین الفت میں رنج و کدورت کا بیج بن جاتی ہے اور مخالفت کا انجام عذاب و ندامت ہے اس لئے دل ہی دل میں کینہ نے پرورش پائی، اور بداندیش افراد کے واسطے سے طرفین کی ناخوشگواری و بدمزگی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا، افواج شاہی چنجی کے نواح میں پہنچیں اور خاں نصرت جنگ نے استقبال کے مراسم ادا کر کے شرف حضوری حاصل کیا، بادشاہ زادہ دیوان خانہ میں رونق افروز ہوئے، اور جمدۃ الملک، نصرت جنگ سرفراز خاں نے بیٹھنے کی

اجازت پائی، سید لشکر خاں پسر سید خان جہاں بارہہ نصرت جنگ کا ہم پایہ امیر تھا اس لئے وہ بھی اسی اعزاز کی توقع رکھتا تھا، لیکن صورتِ حال امید کے خلاف نظر آئی، اور یہ امیر رنجیدہ ہو کر دیوان خانہ سے نکلا اور پھر نہ حاضر ہوا۔

بعض حاضرین نے لشکر خاں کے خلاف بادشاہ زادے کے کان بھرے، ادھر اسی قسم کے دیگر افراد نے بادشاہ زادہ کی بے توجہی سید لشکر خاں کے دل نشیں کی، غرض کہ رنجش و بدخواہی کے اسباب جمع ہو گئے اور ان تمام امور نے تند خو بادشاہ زادہ کی بے دماغی و آشفتہ مزاجی میں اضافہ کر دیا۔

اسی اثناء میں بادشاہ زادہ کے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کے واسطے سے رانائے قلعہ نشیں سے مخفی طور پر مراسلت جاری ہوئی ان اسباب نزاع کے پیدا ہو جانے سے بدکیش مخالفوں کا دلی مدعا بر آیا، فتنہ انگیزی و چاپلوسی کا بول بالا و اغوا و فریب کا بازار گرم ہوا۔

نصرت جنگ ہر طرف سے قطعاً باخبر تھا یہ امیر حالات معلوم کرنے کی غرض سے اندرون قلعہ کے جاسوسوں کو ہزار روپیہ یومیہ معاوضہ دیتا تھا، سید لشکر خاں و سید خان جہاں ہر دو پدر و پسر نے اس راز و نیاز سے آگاہ ہو کر تمام کیفیت بارگاہ شاہی میں گزارش کی اور درخواست کر کے اجازت حاصل کر لی کہ راؤ دلپت بوندیلہ بادشاہ زادہ کے دولت خانہ پر شبانہ و روز پاسبانی کرے اور بغیر اجازت حمدۃ الملک سواری و دربار نہ کریں اور اجنبی افراد کی آمد و رفت نہ ہونے پائے۔

ان حالات سے باہمی رنجشیں آشکارا ہو گئیں، ادھر قلعہ کے جاسوسوں سے معلوم ہوا کہ بادشاہ زادہ حمدۃ الملک اور نصرت جنگ سے موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اندیش ملازمین کے ہمراہ تاریک شب میں قلعہ کے اندر جانے پر آمادہ ہے، باپ بیٹے بادشاہ کے رعب و ہراس کے غلبہ سے پریشان ہو گئے، اور روسائے لشکر سے مشورہ کر کے باتفاق باہمی بادشاہ زادہ کے دروازوں پر چوکی و نگرانی کا سختی سے انتظام کیا اور قلعہ کے گرد تھانہ داروں کو طلب کر لیا۔

قلعہ کے نواح کی فوج اپنے مقام سے ہٹی اور غنیم حالات کی اطلاع پاتے ہی اپنی جمعیت لے کر مقابلہ میں آ گیا اور میدان کارزار فوراً گرم ہوا، حمدۃ الملک کو ہنگامہ میں بادشاہ زادہ کی حفاظت کی فکر تھی اور نصرت جنگ کو مورچال میں بڑی بڑی توپیں اور سامان قلعہ گیری اٹھانے کا اندیشہ گھیرے ہوئے تھا، اس کشمکش میں دونوں کو اتنا موقع نہ ملا کہ تھانیداروں کی مدد کر سکتے ہر ممکنہ تدبیر سے کام لیا گیا اور جس مقام پر حسن اتفاق نہ ہو سکا وہاں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

اسمٰعیل خاں مکھا مشہور سردار کا تھانہ، قلعہ کے پیچھے واقع تھا خاں مذکور میدان جنگ میں جم گیا مگر حریف کے ہجوم اور بد بخت سنتا کی کوشش و جانفشانی سے زخمی ہوا، اسمٰعیل خاں کے ملازم اس کو میدان سے اٹھا کر لے گئے، اس سانحہ سے لشکر شاہی کو بے حد نقصان پہنچا۔

نصرت جنگ نے مورچال اٹھانے میں تعجیل سے کام لیا اور بڑی توپوں میں میخیں ٹھونک کر انہیں بیکار کیا اور خود مضبوط و قوی دل اور موجودہ جمعیت کو ترتیب دے کر تمام سامان جنگ ایک ساتھ میدان سے اٹھوایا، اور بنگاہ میں پہنچا دیا۔

اس وقفہ میں غنیم اطراف کے حملوں سے خاطر جمع ہو کر شاداں و فرحاں فخر و غرور کے ساتھ ایک لاکھ سوار و پیادہ فوج لئے ہوئے نصرت جنگ کے پڑاؤ پر پہنچا بنگاہ اس جگہ سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع تھی اور قلعہ کی دیوار پاؤ کوس، حریف کی چالاکیاں حد سے بڑھ گئیں اور مسلمانوں کو موت کا چہرہ سامنے نظر آنے لگا۔

اس وقت خان بہادر نصرت جنگ اور تمام سرداروں کے ساتھ دو ہزار سوار سے زیادہ فوج نہ تھی، امرائے شاہی حافظ و ناصر حقیقی کے مدد پر بھروسہ اور پیر و مرشد دارین کا تصور کر کے سرکشوں سے معرکہ آرا ہوئے، نبرد آزما سواروں کی طرف سے مردانہ حملے ہوئے، اور سخت کشمکش کے بعد تین ہزار پیادے غازیان اسلام کے گھوڑوں سے پامال اور تین سو سوار قتل ہوئے، خان بہادر سواری کا ہاتھی بڑھا کر قلعہ کے دروازے تک پہنچا، اگر چہ اہل قلعہ نے دروازہ بند کر لیا لیکن اس موقع پر بھی ایک ہزار غیر مسلم ضائع ہوئے، بہادران لشکر نے اقبال شاہی پر تکیہ کر کے دو دستی تلوار چلائی، اور دشمن کے خون سے چہرہ پر فتح کا گلگونہ لگایا، بد باطن غنیم نے عار فرار گوارا کر کے میدان کارزار سے منہ موڑا۔

حریف کی شکست

دشمنوں کے سامان میں ایک ہزار گھوڑیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، جنہیں وہ چھوڑ کر قلعہ میں گھس گئے تھے، فاتح بہادروں کے چار سو گھوڑے اور چار ہاتھی گولہ زنبورک سے کام آئے اسی قدر سپاہی جلو اور دوسری جماعتوں کے بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے، شاہی لشکر میں مشکل سے ایسے افراد تھے جنہوں نے کوئی زخم نہ کھایا ہو۔

خدا کی عنایت و کرم سے ایسی نمایاں فتح حاصل کر کے خان بہادر دن کے آخری حصہ میں بنگاہ پر پہنچا اور جمدۃ الملک سے ملا، چونکہ وہ بادشاہ زادہ اور اُس کے مصلحت اندیشوں کے ارادوں سے باخبر ہو چکا تھا کہ ان ہر دو پدر و پسر کے دیوان خانہ میں داخل ہوتے ہی ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی، اس لئے دونوں امیر سوار ہو کر دولت خانہ میں گستاخانہ گئے، اور ان لوگوں نے پیر و مرشد کی نمک خواری و خیر اندیشی کے لحاظ سے مرشد زادہ کو اپنی حراست میں لے لیا۔

دوسرے روز خان بہادر نے لشکر کے ہر خرد و بزرگ کو تسلی و دلاسا دے کر اسپ و فیل و خلعت ونقد وغیرہ انعام سے دل شاد کیا پھر اس فوج کو مطمئن کر کے خان مذکور نے بار بار غنیم سے معرکے کیئے اور فتوحات حاصل کئے، اس درمیان میں غلے کا ذخیرہ نہ رہا، اور فوج میں ہراسانی پیدا ہوئی تو دشمن سے خان بہادر ایک قسم کی صلح کر کے کوچ کرتا ہوا بادشاہی حدود سلطنت میں مقیم ہوا۔

اس مدت میں فرمان مبارک صادر ہوا کہ بادشاہ زادہ کو محرم خاں کے ہمراہ حضور میں پہنچا دیا جائے، جمدۃ الملک نے تو درگاہ معلیٰ کی راہ لی اور خان بہادر نے چار ماہ گزار کر دوبارہ قلعہ کا محاصرہ کیا اور اہل حصار پر دنیا تنگ کر دی تسخیر قلعہ کے واقعات اور راما کے سنتا کے ہمراہ فرار ہونے کے حالات کسی دوسرے مقام پر تحریر کئے جائیں گے۔

شہزادہ محمد کام بخش کی قبلہء عالم کے حضور میں باریابی

20- شوال کو بادشاہ زادہ محمد کام بخش عنایت و حمایت شاہی کے زیر سایہ اور خدا کی حفاظت و پناہ میں جنجی سے حضور پر نور میں پہنچے اور محل سرا میں نواب قدسیہ زینت النساء بیگم کے واسطے سے قبلہء عالم کی ملازمت حاصل کی ایک ہزار مُہر نذر اور ایک ہزار روپیہ بطور نچھاور نظر انور میں پیش ہوئی۔

اسی زمانے میں فرمان واجب الاذعان نافذ ہوا کہ جس امیر کو جواہر کا سرپیچ مرحمت ہوا ہو، وہ اسے سوائے یک شنبہ کے مبارک دن کے اور کسی روز نہ باندھے اور اسی عطیہ پر اکتفا کرے، خود دوسرا سرپیچ نہ بنائے اور اس معاملے میں سرتابی نہ کرے۔

21- ذی الحجہ کو خان جہاں بہادر ظفر جنگ کوکلتاش خاں ناظم معزول دار السلطنت لاہور بارگاہ اقدس میں باریابی سے مشرف ہوئے، ان کا فرزند ہمت خاں بہادر صوبہ دار معزول الہ آباد بھی آستان بوس ہوا اس امیر کو حکم ہوا کہ شاہزادہ محمد معزالدین کے متعلقین کو ان کے پاس پر نالا

میں پہنچائے۔

حمید الدین خاں غنیم کی سرکوبی کے لئے گیا ہوا تھا، 16- صفر کو آستانہ ءوالا پر حاضر ہوا یہ امیر پیشتر کڑہ (کٹھرہ) کے باہر کھڑا ہوتا تھا اب اس کی عزت افزائی فرمائی گئی اور اس کو اندر کھڑے ہونے کی اجازت عطا ہوئی۔

عنایت اللہ خاں ملا محمد طاہر اپنے خالو کی تعزیت میں بالا بند شال کا انعام پا کر ہمسروں میں سُرخ رُو ہوا۔

سنتا کی شکست

20- ربیع الاوّل کو عمدۃ الملک خان جہاں بہادر نے بارگاہ والا میں عرض کی کہ ہمت خاں کا سنتا سے تین دن تک مقابلہ رہا، بے حد کشمکش و سخت کوشش کے بعد غیر مسلم سردار مغلوب ہوا اور ہمت خاں کو فتح حاصل ہوئی۔

راجہ انوپ سنگھ نصرت آباد سکھر کی فوجداری پر اور رعد انداز خاں امتیاز گڑھ ادونی کے قلعہ داری پر، سزاوار خاں محمد آباد بیدر کی قلعہ داری پر اور معمور خاں بیروسوگانو کے فوج داری پر مقرر ہوئے، اور ہر ایک حسب حیثیت انعام واضافہ حاصل کر کے سربلند ہوا۔

عالی جاہ کا حضور پُر نور میں پہنچنا

بادشاہ زادہ عالی جاہ مرض لاحق ہونے کے وجہ سے حضور میں طلب کئے گئے تھے، 2- ربیع الاوّل کو بادشاہ زادہ محمد بیدار بخت اور شاہزادہ محمد والا جاہ نے سعادت ملازمت حاصل کی اور شفائے کامل سے فیض یاب ہوئے، ہنوز شاہ زادہ والا جاہ کا علاج و پرہیز جاری ہے، چونکہ ابھی صحت کلی حاصل نہ ہوئی تھی، اس لئے کلال بار کے درمیان دیوان خاص کے قریب ان کے قیام کے لئے خیمہ نصب کیا گیا اور محافظت کے لئے ایوان اور دو حجرے تعمیر کئے گئے، والا جاہ نے اس فرودگاہ پر قیام فرمایا۔

16- تاریخ بادشاہ زادہ کو ہفت ہزاری و دو ہزار سوار منصب اور علم و نقارہ عطا ہوا۔

خان زماں فتح جنگ جو بادشاہ زادہ کی فوج میں متعین تھا، حضور پُر نور میں باریاب ہوا۔

حکیم الملک علاج کے لئے اور فضائل خاں، میر ہادی میر منشی تسلی مدارات کے لئے بادشاہ زادہ کی خدمت میں روانہ کئے گئے، موصوف کے ہمرکاب ملازمت سے سرفراز ہوئے۔

قبلہء عالم کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا

حضرت اقدس روزانہ ایک بار بادشاہ زادہ کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، پھر خود اور نواب قدسیہ زینت النساء بیگم بادشاہ زادہ کے ساتھ پرہیزی کھانا بھی تناول فرماتے تھے، بادشاہ زادہ کی خاطر داری اور شفقت کی وجہ سے جب تک بیماری دور نہ ہوگئی قبلہء عالم و بیگم صاحبہ نے اسی کھانے پر اکتفا فرمایا، شافی مطلق کا شکر و احسان ہے کہ اس نے مشفق ولی نعمت کی برکت توجہ سے بادشاہ زادے کو ایسے مہلک مرض سے نجات عطا فرما کر حیات تازہ بخشی۔

تاریخ صحت

بادشاہ زادے کے نوکروں میں سے محمد سالم اسلم نے خلوص و عقیدت کے ساتھ تاریخ صحت نظم کی:۔

''شفائے شہ دعائے پادشہ بود''

یہ تاریخ حضرت اقدس کے گوش مبارک تک بھی پہنچی اور حضرت کی خوشنودی اور تاریخ گو کی تحسین یابی کا باعث ہوئی۔

5- جمادی الاوّل کو بادشاہ زادے خوش و خرم ایوان خاص میں آ کر حضور اقدس کے قریب بیٹھے، اور حضرت کے صفحہء خاطر سے غبار کدورت صاف ہوگیا، حکیم الملک جس نے علاج میں بے حد رات دن ایک کئے تھے ہزاری ذات کے اضافہ سے معہ اصل و اضافہ چار ہزاری امیر ہو کر اپنے ہم چشموں میں سربلند ہوا۔

شاہ عالی جاہ کے مرض کی تفصیل خود ان کے الفاظ میں

شاہ عالی جاہ اپنے مرض کی کیفیت خود اس طرح بیان فرماتے تھے جو یہاں انہیں کے الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔

''حکیم معصوم خاں نے استسقا ہونے سے تین سال پہلے ملاقات کے وقت کنایۃً اور پھر بذریعہ پیام صراحۃً عرض کیا تھا کہ ''مجھے آپ میں

استسقا کے آثار و علامات نظر آتے ہیں، میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ مرض دفع ہو جائے، اور صحت محفوظ رہے، اگر چند روز دوا و غذا اور ایسی چیزوں سے پرہیز کیا جائے جو اس مرض کا باعث ہیں تو کسی طرح کا خطرہ باقی نہ رہے گا'' میں نے حکیم مرحوم کی تشخیص پر توجہ نہ کی اور ان کے انتقال کے دو سال بعد میں چنجی میں مقیم تھا تو یہ مرض نمودار ہوا، ہر چند حکیم محمد شفیع، حکیم محمد رضا اور حکیم محمد امین ساوجی نے کوشش کی مگر مرض میں شدت پیدا ہوتی گئی، اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آستین کا دور چودہ گرہ تک پہنچ کر تنگ ہو گیا، اور پائجامہ کے دور میں ایک گز چھ گرہ تک اضافہ کرنا پڑا، پرہیز برابر جاری تھا، پانی کے بجائے عرق کاسنی و ملکو کا استعمال تھا مگر حکماء اپنے کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے یہی کہتے تھے کہ بادشاہزادہ پرہیز نہیں کرتے، آخر کو یہ حالت ہوئی کہ تمام اشخاص مایوس ہو کر کھال پھٹنے کا انتظار کرنے لگے، بیگم اور محمد بیدار بخت، گیتی آرا و بخت النساء اور حرم کی چند مستورات پلنگ کے آس پاس ہالا کئے ہوئے بیٹھی تھیں، میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ میرے پاس ایک نورانی شخص جن کی ڈاڑھی گندمی و سفید تھی نظر آئے، ان بزرگ نے میرے قریب تشریف لا کر فصیح زبان میں مجھ سے فرمایا کہ ''ابھی کچھ نہیں گیا ہے توبہ صادق کر حق تعالیٰ جلد شفا عطا فرمائے گا'' میں نے عرض کیا ''جس طرح ارشاد ہو توبہ کر لوں، انشاء اللہ تعالیٰ توبہ شکنی نہ کروں گا'' میں نے ان کامل بزرگ کی ہدایت کے مطابق توبہ کی اور اسی وقت میرے قلب کو اطمینان محسوس ہوا، اور وہ بزرگ غائب ہو گئے، میں نے بیگم اور دوسرے متعلقین کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر صحت کی خوش خبری سنائی اسی وقت مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی، اور اس قدر ادرار ہوا کہ ایک مرتبہ میں دو بڑے طشت بھر گئے، پیشاب کے ہوتے ہی فوراً تخفیف و فرحت کا اثر محسوس ہوا، آفتاب نکلنے تک پانچ بار اسی طرح پیشاب ہوا، اور سات حصہ ورم اُتر گیا، اکثر

اشخاص مجھ سے سوال کرتے تھے کہ جن بزرگ نے شافی مطلق کے حکم سے توجہ فرمائی تھی وہ کون تھے، میں نے یہی جواب دیا" مجھے نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھے اور ان کا کیا نام تھا، مگر دوسرے روز ادونی سے جو میرے قیام گاہ سے چالیس کوس پر واقع تھی شیخ عبدالرحمٰن درویش نے مجھ کو لکھا کہ آج تین گھڑی شب باقی رہنے پر حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج میں نے بادشاہ زادہ کو توبہ کی تعلیم کر کے اس کی شفاء کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کی، انشاء اللہ جلد شفا ہو گی، ہرگز خوف نہ کریں" صحت کے بعد میرے نوکروں میں مصطفیٰ کاسی و دیگر افراد نے اپنے پاس سے خاصی رقمیں نقد فقرا و مساکین کو تقسیم کیں میر زین العابدین نے بارہ ہزار روپیہ مستحقوں کو دیا، ہدایت خاں نے غسل صحت کے بعد ایک ہفتہ تک جشن کر کے پندرہ ہزار روپے کے صرف سے لوگوں کی دعوتیں کیں، بیگم نے مبلغ ساٹھ ہزار روپیہ نذر کے طور پر نجف اشرف و کربلائے معلیٰ روانہ کئے ایک لاکھ بیس ہزار روپے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور مقامات متبرکہ کے مستحقین کے لئے حضور پُرنور سے ارسال ہوئے، بیگمات اور شاہزادوں نے معتد بہ رقمیں اہل استحقاق کو تقسیم کیں، جس وقت حکیم الملک اور فضائل خاں، حضور پُرنور کے حکم سے میرے پاس پہنچے اس وقت تھوڑا ورم چہرہ اور ہاتھوں پر تھا، حکیم نے معجون الذہب دی، جس کے استعمال سے ورم میں کچھ اضافہ ہوا، مگر معالج نے عرض کیا کہ کوئی خوف کی بات نہیں ہے ورم قطعاً زائل ہو جائے گا، اس کے بعد حضور میں روانہ ہوا، حکیم کو دو ہزار اشرفی، خلعت و فیل بطور انعام عطا کئے اور فضائل خاں بھی نوازش و مراعات سے سرفراز ہوا۔"

عطیات و انعامات

فتح جنگ کا فرزند منور خاں پانصدی اضافہ کے ساتھ سہ ہزار و پانصدی دو ہزار سوار کے

منصب پر فائز ہوا، علی مردان خاں حیدر آبادی بدانجام غنیم کے قید میں گرفتار ہو گیا تھا اور یہ امیر آزاد ہوا اور غائبانہ پنج ہزاری پنج ہزار کے منصب پر فائز ہو کر شاد کام ہوا، جمدۃ الملک چنجی سے پلٹ کر حکم اقدس کے مطابق نصرت آباد سکھر میں مقیم تھا حسب طلب درگاہ معلّٰی میں حاضر ہوا۔

جمدۃ الملک کا قبلہء عالم کی خدمت میں حاضر ہونا

بادشاہ زادہ محمد کام بخش کے واقعہ کدورت خیز سے جمدۃ الملک کے دل میں بے شمار توہمات گھر کر گئے تھے، جس روز سے باریابی کی عزت ملی اور وہ سلام گاہ پر پہنچا تو ملتفت خاں نے جو داروغہء خواصاں کی حیثیت سے تخت مبارک کے قریب کھڑا تھا، آہستہ سے یہ مصرع پڑھا۔ ع

''در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست''

بادشاہ جرم بخش و خدام نواز نے فرمایا کہ یہ مصرع موقع پر پڑھا گیا، اور اس کے بعد نظر توجہ اس ممتاز و برگزیدہ سردار پر ڈال کر قدم بوسی کا ایما فرمایا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا سر اُٹھا کر تسلی دی۔

سپہدار خاں کے منصب میں اضافہ

سپہدار خاں پسر کوکلتاش خاں ظفر جنگ، بزرگ امید خاں کے انتقال کی وجہ الہ آباد کا ناظم ہو گیا تھا علاوہ اس خدمت کے جونپور کی فوجداری پر بھی فائز ہوا پیشتر سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار کا منصب دار تھا، اب پانصد سوار کا اضافہ اور ایک کروڑ دام بطور انعام کے عطیات سے سرفراز ہوا۔

خانہ زاد خاں جو کرہ نمونہ کی سمت راہ داری کے لئے روانہ ہوا تھا، 22- جمادی الآخر کو حضور پُرنور میں پہنچا۔

شاہ زادہ بیدار بخت بہادر دشمن کی سرکوبی کے لئے رخصت ہوئے، دستہ ماہی کا خنجر مع علاقہ مروارید قیمتی دس ہزار مرحمت ہوا، خان فتح جنگ اور اس کے فرزند و اقربا و دیگر اشخاص جو ہمرکابی پر مامور ہوئے، سب کو خلعت اضافہ منصب، جواہرات و اسپ و فیل مرحمت ہوئے۔

21- رجب کو شاہزادہ محمد معزالدین پرنالہ کا محاصرہ ترک کر کے حضور میں حاضر ہوئے اور

خلوت میں اپنے فرزند اعزالدین کے ہمراہ آستانہ اقدس پر سر جھکایا۔

مختار خاں میر آتشی کی خدمت پر ممتاز ہوا، نوازش خاں رومی نے چکلہ مراد آباد کی محافظت کی خدمت حاصل کر کے دل کی مراد حاصل کی۔

سادات بارہہ کا فتنہ

سادات بارہہ کا ایک سیّد منصب دار سرکار والا کا ملازم تھا اور امان اللہ شاہ عالی جاہ کا معتبر خادم تھا، ان ہر دو افراد کی ایک دوسرے سے ملاقات تھی ایک روز ساتھ ساتھ جا رہے تھے، جب وقت آ جاتا ہے تو ایک لمحہ میں عمر بھر کی دوستی پر پانی پھر جاتا ہے، موافقت نے مخالفت کی جگہ پائی اور جھگڑا اتنا بڑھا کہ امان اللہ نے سید پر جمدھر کا ایک پورا ہاتھ چھوڑا، ضرب کاری لگی، سید بے دم ہو گیا، سادات نے متفق ہو کر شاہ عالی جاہ کے فرودگاہ میں امان اللہ کے دائرہ پر ہجوم کیا اس طرف سے بھی بے شمار افراد جمع ہو گئے اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔

قبلہء عالم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، اور مختار خان میر آتش کو حکم ہوا کہ موقع پر پہنچ کر جہاں تک ممکن ہو مصالحت کی سعی کرے، خان مذکور نے ارشاد عالی کے مطابق لڑائی روکنے کی کی کوشش کی لیکن سادات جنگ سے باز نہ آئے، مختار خاں نے حقیقت واقعی کا معروضہ پیش کیا اور حضرت نے عرضی پر دستخط مبارک سے یہ آیت کریمہ ثبت فرمائی۔

وان طائفتان من المومنین اقتتلانا صلحوا بینھما فان بغت احدا ھما علی الاخری فقاتلو التی تبغی حتی تفیئی الی امر اللّٰہ۔

(ترجمہ: اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو، اور اگر ان میں سے کوئی دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا حکم مان لے)

خدا خدا کر کے وہ روز گزرا اور دوسرے دن سادات کی ایک جماعت دیوان عدالت میں باہر کی جانب آ کر کھڑی ہو گئی، حکم ہوا کہ قاضی القضاۃ سے رجوع کریں، تا کہ شریعت کا جو حکم ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس بے خبر جماعت کی زبان سے نکلا۔

''ہم کو قاضی سے کیا سروکار، ہم خود اپنے حریف سے سمجھ لیں گے۔''

یہ امر خاطر اقدس پر گراں گزرا اور حضرت نے آستین الٹ کر فرمایا کہ:۔

''جس گروہ نے ہمیشہ میرے ہاتھ سے ضرب کھائی اور زک اٹھائی ہے وہ معاملات شرعی میں اس طرح کی بدزبانی و گستاخی سے کام لیتا ہے، یہ تمام افراد جمع ہو کر حاضر ہوں۔''

پھر حکم ہوا:۔

''سادات میں جو اشخاص خاں چوکی اور جلو قدیم کے ملازم ہیں سب برطرف کئے جائیں اور دروازہ غسل خانہ کے سامنے والے خیمہ پر جو افراد مقرر تھے وہ بھی علیحدہ ہو جائیں۔''

اب ان میں کون ایسا مرد تھا جو دم مار سکتا۔

سیف خاں، سید خاں وغیرہ سردار مقرب و صاحبِ اقتدار ارکان کے مکانات پر حاضر ہوئے، اور ہزار طرح پر کہا کہ ہم نافرمان گروہ میں شامل نہ تھے لیکن ان کا عذر مسموع نہ ہوا اور ایک زمانہ تک معتوب و برطرف رہے، ایک مدت کے بعد مقربانِ دولت کی سفارش اور اپنی التماس و نیازمندی سے خدمات پر بحال ہوئے، اس واقعے کے بعد ان اشخاص نے بارِ دگر ایسی حرکت نہ کی اور ہمیشہ ادب کے ساتھ اپنے خدمات انجام دیتے رہے۔

ایک اور ناخوشگوار واقعہ

اسی زمانہ میں چند اجل رسیدہ یعنی شاہزادہ محمد معزالدین کے بنیس نفر ملازم افضل علی خاں دیوان سرکار سے بے ادبانہ پیش آئے، ان کی سفلہ مزاجی نے فساد کو اس درجہ طول دیا کہ کسی کی نصیحت نے کام نہ کیا جس نے سمجھایا وہ رسوا ہوا۔

یہ شکایت سمع مبارک تک پہنچی اور چونکہ اسی زمانہ میں سادات کا نفرت انگیز واقعہ پیش آ چکا تھا فرمان والا صادر ہوا کہ حمیدالدین خاں اس جماعت کو اس کے اعمال کی سزا دے۔

حمیدالدین خاں موقع پر پہنچا اور اہل فساد نے اپنی جگہ سے قدم پیچھے نہ ہٹایا بلکہ وہ جلتی آگ میں گر پڑے اور دیدہ دلیری سے مقابلہ کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ پروانہ کی بساط ہی کیا، اگر ہزار جمع ہوں تو بھی ایک مشت خاک کے برابر ہیں، مگر چونکہ یہ چند نفر جان دینے پر تلے ہوئے تھے اس لئے جب ایک ہزار شاہی سواروں پر حملہ

کرتے تھے تو ہر طرف اہلِ لشکر کے قدم ڈگمگاتے نظر آتے اور سوائے فرار کے کسی امر پر قرار نہ ہوتا تھا، اسی اثناء میں ہجوم کے شور وغل کی وجہ سے خان بہادر کی سواری کا ہاتھی بھڑک کر معرکے سے نکلا اور گنج بادشاہی کی طرف ایک کوس تک چلا گیا، بڑے بڑے کھلیان (غلہ رکھنے کی جگہ) خان بہادر کو نظر آئے جیسے ہی ہاتھی ان کے برابر سے گزرا خان بہادر نے اپنے آپ کو تول کر ہودج سے جست کی اور کھلیان پر جا رہا، ملازمین نے ہاتھی کا پیچھا کر کے اسے قابو میں کیا اور خان بہادر دوسری سواری پر سوار ہو کر پھر میدان میں پہنچا، آخر کو یہ بد بخت گروہ خود جلائی ہوئی آگ میں جل کر راہی عدم ہوا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا اڑتیسواں سال

1105ھ/1695ء

رمضان المبارک کے متبرک چاند نے دُور سے اپنی جھلک دکھا کر اسلامی دنیا کو اپنی آمد کے برکات ومسرت سے معمور کر دیا، قالب عدل وداد کی جان یعنی بادشاہ اسلام روز وشب کی اطاعت و عبادت سے ثواب وسعادت حاصل کرنے میں مصروف ہوئے قبلہء عالم نے اپنے واقعات و حالات کو روحانی مسرتوں اور خیر وثواب کی برکتوں سے زینت دی۔

شائستہ خاں کی وفات

مخبروں کے نوشتے سے جہاں پناہ کو معلوم ہوا کہ امیر الامراء شائستہ خاں ناظم اکبر آباد نے وفات پائی، اس برگزیدہ امیر عالی شان سردار کے اخلاق ومحاسن اس سے زیادہ اور کیا ہوں گے کہ تمام عالم میں اس کے جود واحسان کی شہرت ہے اور مسافر خانے اور پُلوں کی قسم کے نیک آثار وعمارات جن میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا تھا، ہندوستان میں ہر چہار طرف اس کی یادگار موجود ہیں۔

مرحوم کے انتقال کے بعد صالح خاں پسر اعظم کو کہ باپ کے خطاب فدائی خاں سے مخاطب ہوا اور اس کو گوالیار کی فوجداری کے بجائے اکبر آباد کے صاحب صوبہ کا عہدۂ جلیل مرحمت ہوا۔

بخشی الملک بہرہ مند خان چار ہزاری دو ہزار و پانصد سوار تھا، 18- ذی الحجہ کو ایک ہزاری کے اضافہ سے پنج ہزاری کے منصب پر فائز ہوا۔

ذوالفقار علی خاں بہادر چار ہزاری وتیس ہزار سوار کا منصب دار تھا، اسے بھی ایک ہزاری ذات کی نمایاں ترقی عطا ہوئی۔

بخشی الملک مخلص خاں دو ہزار و پانصدی شش صد سوار کے اضافہ سے سہ ہزاری ہفت صد سوار کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔

فاضل خاں خانساماں پانصدی اضافہ پا کر دو ہزار و پانصدی پانصد سوار کا منصب دار قرار پایا۔

27- صفر کو اسمٰعیل خاں مکھا غنیم کے ہاتھ سے رہا ہو کر حضور میں پہنچا، ایندی سے مرتضٰی آباد تک کی راہداری پر مقرر ہوا، پہلے پنج ہزاری پنج ہزار سوار تھا، ہزاری ذات کے اضافہ سے بہرہ مند ہوا۔

خانہ زاد خاں خدام چوکی خاص کا داروغہ مقرر ہوا، عسکری خاں حیدر آبادی صوبہء اودھ کے انتظام پر مقرر ہوا۔

راجہ بھیم سنگھ کی وفات

راجہ بھیم سنگھ پنج ہزاری نے انتقال کیا، اعتقاد خاں اور ابوالمعالی امیر الامراء کے بیٹے اور مرلی دھر دیوان علاقہ مرحوم 7- جمادی الاوّل کو حضور میں باریاب ہو کر ماتمی خلعت کے عطیہ سے سرفراز ہوئے۔

اخلاص کیش مئولف حضور کے ایما سے بعض معاملات کے تصفیے کے لئے اجین گیا ہوا تھا اپنے خدمات کو انجام دینے کے بعد حاضر بارگاہ ہو کر آستاں بوس ہوا۔

8- رجب کو بزرگ امید خاں ناظم صوبہء بہار نے دنیا کو خیر باد کہا، اعتقاد خاں اور ابوالمعالی کو بھائی کے ماتم میں خلعت عطا ہوئے۔

بزرگ امید خاں کے بجائے فدائی خاں بہار کا صوبہ دار مقرر ہوا، اور اس کے تغیر سے صوبہء اکبر آباد کی نظامت پر مختار خاں کا تقرر عمل میں آیا، مختار خاں کی خدمت پر خانہ زاد خاں میر آتش کے عہدے پر سرفراز ہوا، یہ امیر پیشتر دو ہزار و پانصدی کا منصب دار تھا، اب پانصدی اضافہ سے دل شاد ہوا۔

فرمان مبارک صادر ہوا کہ کوکب سپہر عظمت بادشاہ زادہ محمد معظم کا منصب چہل ہزاری چہل ہزار سوار سپاہ میں درج کیا جائے۔

راجپوتوں پر نظر کرم

دربار عالی و نیز صوبہ جات میں فرمان ہوا کہ سوائے فرقہ پوت کے دیگر اقوام کے ہندو ہتھیار نہ لگائیں، اور ہاتھی اور عراقی و عربی گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔

26- شعبان کو قطب آباد سے کوچ ہوا اور 28- کو پانچویں مرتبہ نواح بیجاپور سمت نورس پور و افضل پور کو فرودگاہ والا بننے کا شرف حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا انتالیسواں سال

1106ھ/1696ء

ماہ رمضان کا برکت خیز وسعادت انگیز چاند طلوع ہوا، جہاں پناہ نے اس مقدس مہینہ کو بھی خواہانِ ملک کو سرفراز اور اعدائے سلطنت کو تباہ کرنے میں صرف کیا، قبلہء عالم نے ماہ مبارک میں دینی و دنیوی سعادتوں کے حاصل کرنے میں خیر وسعادت کے مدارج طے فرمائے چونکہ مقام برہمن پوری ایسے مبارک زمانہ کے بسر کرنے کے لئے موزوں نہ تھا، لہٰذا جہاں پناہ نے اس مقدس مہینہ میں خیر واحسان فرما کر اس قیام کی تلافی فرمائی۔

ایک لطیفہ

خان جہان بہادر ظفر جنگ نے عدالت پناہ کے حضور میں چینی کا ایک چھوٹا اور مدوّر آفتابہ پیش کیا، اور کہا کہ یہ لوٹا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات میں سے ہے جہاں پناہ نے اُس پر ایک نگاہ ڈال کر آفتابہ شاہزادہ معزالدین ومحمد عظیم کو عنایت فرمایا دوسطروں کا ایک نقش خط کے طور پر اس آفتابہ پر کندہ تھا شاہزادوں نے فرمایا کہ غالباً یہ خط عبرانی ہوگا، خان جہاں بہادر نے انداز گفتگو کو پہچانا اور عرض کیا کہ یہ عبرانی نہیں جانتا جس نے فروخت کیا ہے اس کا بیان ہے کہ آفتابہ چینی کا ہے، جہاں پناہ نے فرمایا کہ عبرانی ایک خط ہے آفتابہ کی چینی خراب نہیں ہے، خان مذکور کے بے شمار عجیب وغریب حکایات افواہاً مشہور ہیں جو قطعاً قیاس سے باہر ہیں چونکہ لطیفہء مذکور راقم الحروف نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اس لئے حوالہء قلم کر دیا۔

بادشاہ محمد معظم

عنایات جہاں پناہی کی خوش گوار ہوا چلی اور حکم ہوا کہ خدمت گار خاں خواجہ منظور کے ہمراہ

حضرت قطب عزت بادشاہ محمد معظم کو خلعت خاصہ پہنچائے شاہ زادہ مذکور تسبیح خانہ میں آداب بجا لائے، اور جہاں پناہ کے ہمراہ دیوان عدالت میں آ کر شرف قدم بوسی سے سرفراز ہوئے، عدالت پناہ نے شاہ زادہ کے پیشانی کو بوسہ دیا، اور آداب و بندگی بجالانے کے بعد سر پیچ الماس قیمتی ایک لاکھ و شمشیر اور دو گھوڑے مع ساز و مینا و طلا اور ایک ہاتھی مع سامان نقرہ مرحمت فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ اپنے مکان کو واپس جائیں۔

خدا بندہ خاں پسر امیر الامراء اپنے باپ کی وفات کے بعد بہرائچ کی فوجداری سے حضور میں حاضر ہوا اور خلعت ماتمی کے عطیہ سے سرفراز ہوا، حمید خاں کے منصب میں ایک صد سوار کا اضافہ ہوا اور امیر مذکور ہزار و پانصدی پانصد سوار کے گروہ امراء میں داخل ہوا۔

شاہی دربار کا دستور تھا کہ شاہ زادہ محمد معظم ہمیشہ جہاں پناہ کے دست راست بیٹھتے تھے، شاہ زادۂ مذکور کی گوشہ نشینی کے زمانہ میں شاہ زادہ عالی جاہ کو یہ عزت عطا ہوئی، شہزادۂ معظم نے جہاں پناہ کے حضور میں معروضہ پیش کیا کہ عید کے روز فدوی کو کیا حکم ہوتا ہے، فرمان خداوندی صادر ہوا کہ سواری کے آگے عیدگاہ چلیں اور دستِ راست کی طرف نشست اختیار کریں۔ شاہی حکم کے مطابق عمل درآمد ہوا، سواری مبارک زینہ پر پہنچی اور شہزادہ محمد معظم، شرف مُجری و قدم بوسی سے مشرف ہوئے، حضرت نے ان سے معانقہ فرمایا، اور ان کا بایاں ہاتھ اپنے دستِ راست سے پکڑ کر جانبِ مُصلیٰ تشریف لائے اور شاہ زادۂ مذکور کو اپنی داہنی جانب بیٹھنے کی اجازت عطا فرمائی، شاہ زادۂ مذکور جہاں پناہ سے بالکل مل کر بیٹھے، شاہ زادۂ عالی جاہ ان کے عقب میں آ رہے تھے اور شمشیرِ خاصہ ان کے ہاتھ میں تھی عالی جاہ نے اپنے بھائی کا بازو پکڑ کر اپنے لئے جگہ نکال کر جہاں پناہ کے داہنی جانب بیٹھنے کا ارادہ کیا حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑ جانبِ چپ بٹھلا دیا، ظاہر ہے کہ حکم جہاں پناہی کے باوجود کس کو تقدیم و تاخیر کی طاقت ہو سکتی ہے، نماز کے بعد خطیب نے حضرت کا نام نامی لیا، اور جہاں پناہ شاہ زادہ عالی جاہ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھے اور شاہ زادۂ محمد معظم کو سوار ہو کر واپس جانے کی اجازت دی شاہ زادہ محمد معظم مع فرزندوں کے تیسرے دروازے سے برآمد اور جہاں پناہ دروازۂ دور سے باہر تشریف لائے۔

ذکیتہ النساء اور صفیتہ النساء محمد اکبر کی دونوں بیٹیاں جہاں پناہ کے حکم کے مطابق حاضر بارگاہ ہوئیں، اور ان کا نکاح شاہزادہ رفیع القدر اور نجستہ اختر سے کر دیا گیا۔

شاہزادہ محمد معظم 5- شوال 39 پنج شنبہ کے روز تسبیح خانے میں تشریف لائے اور بعد ادائے آداب ان کو اکبرآباد جانے کی اجازت مرحمت ہوئی، شاہ زادے کو خلعت رخصت عطا ہوا جو خواجہ منصور کے ہمراہ ان کے لئے روانہ کیا گیا، شاہ زادہ محمد معظم جہاں پناہ کے ساتھ دیوانِ عدالت میں تشریف لائے، اور شرف قدم بوسی حاصل کر کے معزز و مکرم ہوئے، جہاں پناہ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور فاتحہ خیر پڑھ کر شاہ زادہ کو رخصت فرمایا، رفیع القدر اور نجستہ اختر کو محمد معظم کے ہمراہ جانے کی اجازت مرحمت ہوئی، اور معزالدین اور محمد عظیم کو حکم ہوا حضورِ شاہی میں مقیم رہیں، اور حکم ہوا کہ شاہ زادہ محمد معظم کو دائرہ تک پہنچا کر واپس آئیں۔

بادشاہ کا بیجاپور سے موضع برہم پوری کو واپس آنا

7- شوال کو نورس پور سے کوچ ہوا، اور قبلہء عالم موضع پوری میں وارد ہوئے، یہ موضع دریائے بہمیرا کے کنارہ آباد ہے، شاہی حکم کے مطابق تمام بادشاہ زادے اور نیز اعیان مملکت تسلیمات مبارک باد بجالائے، قبلہء عالم دولت خانہ کو تشریف لاتے ہوئے شاہِ عالی جاہ کے خیمہ کی طرف سے گذرے معلوم ہوا کہ شاہ زادہ مذکور کے دائرہ کا دور بے حد زیادہ ہے جہاں پناہ نے حکم دیا کہ جریب کش دائرۂ مذکور کی پیائش کرے اور نیز یہ کہ عالی جاہ کے خیمہ کا احاطہ جہاں پناہ کے احاطہ سے جو قبل جلوس تھا زیادہ نہ ہو۔

روح القدس اور فیروز بخت کی پیدائش

روح اللہ خاں کی دختر کے بطن سے شاہزادہ محمد عظیم کے محل میں بیٹا پیدا ہوا، جہاں پناہ کے حضور میں پانچ سو اشرفیاں نظر کی پیش ہوئیں، قبلہء عالم نے مولود کو روح القدس کے نام سے موسوم فرمایا۔

22- محرم کو مختار خاں کی دختر کے بطن سے شاہزادہ بیدار بخت کے محل میں لڑکا پیدا ہوا، شاہ زادۂ عالی جاہ نے حاضر حضور ہو کر بعد ادائے آداب پانچ سو اشرفیاں بہ طور نذر پیش کیں، نوزائیدہ فرزند فیروز بخت کے نام سے موسوم کیا گیا۔

22- صفر کو محمد معزالدین و محمد عظیم رخصت کے وقت تخت گاہ، اکبرآباد میں شاہ عالی جاہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے شاہزادہ کوخلعت وبالا بند بانیمہ وطرہ ومالائے مروارید عطا ہوئے۔

خدابندہ خاں کا عمدۃ الملک کی دختر سے عقد ہوا، اور نامبردہ کوخلعت عطا فرمایا گیا۔

ذوالفقار خاں بہادر اصل واضافہ کے اعتبار سے پنج ہزاری چہار ہزار سوار کا منصب دار مقرر ہوا۔

بخشی الملک بہرہ مند خاں آستانہ شاہی پر حاضر ہوا قبلہء عالم نے امیر مذکور کو پنج ہزاری وسہ ہزار سوار کا منصب بلاشرط عطا فرمایا۔

بخشی الملک مخلص خاں کو سہ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا، حمید الدین خاں اصل واضافہ کے اعتبار سے دو ہزاری منصب داروں میں شمار کیا گیا۔

قاسم خاں وخانہ زاد خاں کا قضائے الٰہی سے گرفتار ہونا اور سنتا سے جنگ

قبلہء عالم کو معلوم ہوا کہ مسمی سنتا پریشان وتباہ حال اپنے ملک کو واپس جا رہا ہے اور شاہی لشکر سے اسّی کوس کے فاصلہ سے اس کا گزر ہوگا، جہاں پناہ نے محمد قاسم خاں کے نام فرمان صادر فرمایا کہ خانہ زاد خاں وصف شکن خاں وسید اصالت خاں ومحمد مراد خاں وغیرہ سرداران فوج کے ہمراہ جلوداران خاصہ وخاص چوکی وہفت چوکی وتوپ خانہ کی جمعیت کے ساتھ جو اس مہم پر نامزد کی گئی ہیں سنتا کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو۔

قاسم خاں کو جو ملک سرا کا ناظم وبے حد معزز وکارگزار امیر تھا ادونی میں فرمان مبارک ملا، 22- جمادی الآخر کو غنیم کی گزرگاہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر خانہ زاد خاں قاسم خاں سے جا ملا، قاسم خاں کا تمام ساز وسامان ادونی میں تھا لیکن اس کو منظور نہ ہوا کہ خانہ زاد خاں وغیرہ امراء کی دعوت کرے، قاسم خاں نے طلائی ومسی وچینی کے برتن قلعہ سے نکال کر اپنے ونیز دیگر امراء کے پیش خانہ کی ہمراہ تین کوس کے فاصلہ سے روانہ کئے۔

قاسم خاں کی اس کارروائی سے غنیم آگاہ ہوا اور اس نے اپنی جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم کیا، حریف نے ایک گروہ کو توپ خانہ کی غارت گری کے لئے روانہ کیا اور ایک حصہ کو اہل لشکر کے مقابلہ کے لئے نامزد کر کے تیسرے گروہ کو محفوظ رکھا، دشمن کی اُس جماعت نے جو پیش خانہ پر حملہ آور ہونے کے لئے متعین کی گئی تھی، چار گھڑی دن گزرنے پر دھاوا کیا اور بیشمار افراد کو قتل وزخمی کر

کے تمام موجودہ مال واسباب کو تاراج کیا۔

قاسم خاں کو دفعتہً اس واقعہ کی خبر ہوئی اس امیر نے خانہ زاد خاں کو بیدار نہ کیا اور خود مقابلے کے لئے بہ تعجیل روانہ ہو گیا، قاسم خاں نے ہنوز ایک کوس کی مسافت طے کی تھی کہ دشمن کی فوج جو مقابلے کے لئے آمادہ تھی سامنے نمودار ہوئی، اور میدان کارزار گرم ہوا۔

خانہ زاد خاں سو کر اُٹھا اور اس خبر کو سنتے ہی بہیرو بنگاہ اور خیموں اور اسباب کو اسی جگہ چھوڑ کر بہت جلد میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا، خانہ زاد خاں کو معلوم تھا کہ دشمن کے ہمراہ کالا پیادہ یعنی بندوقچی بے شمار ہیں، اور ان کے علاوہ دیگر جمعیت وسوار بھی بے انتہا موجود ہیں۔

فریقین میں سخت وعظیم الشان جنگ ہوئی اور طرفین سے بے شمار افراد کام آئے باوجود لشکر اور سرداران کی ثابت قدمی وقائمی اور غنیم کے سپاہ کے قتل وزخمی ہونے کے دشمن ایک قدم پیچھے نہ ہٹا، اور غنیم کے استقلال میں خلل واقع نہ ہوا۔

اسی اثناء میں ایک جماعت نے جسے سنتا نے علیحدہ محفوظ رکھا تھا بہیرو بنگاہ پر حملہ کیا اور تمام افراد کو قتل کر کے جملہ سامان واسباب کو تاخت وتاراج کیا۔

معرکہء کارزار خوب گرم تھا کہ قاسم خاں وخانہ زاد خاں کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اور ان کی ثابت قدمی میں فرق آنے لگا، ہر دو اشخاص نے باہم یہ صلاح کی کہ چونکہ جس مقام پر پیش خانہ روانہ کیا گیا ہے وہ قلعہ دیرندی سے قریب ہے اور اس کے سامنے تالاب بھی واقع ہوا ہے اس لئے ہم کو اس مقام پر پہنچ کر قیام کرنا چاہئے، قاسم خاں وخانہ زاد خاں نے ایک کوس راہ جنگ کنال طے کی اور شام کو تالاب کے قریب پہنچے، دشمن نے اس جماعت کو قیام پذیر نہ ہونے دیا، اور خود بھی ایک جانب مقیم ہو گیا، بادشاہی لشکر جو قلعہ کے اندر تھا اس نے قلعہ میں داخل ہونے کی راہیں دشمن پر مسدود کر دیں قاسم خاں اور دیگر سرداروں نے جو کھانا کہ ان کے ہمراہ تھا دیگر افراد میں تقسیم کر کے کھالیا اور تمام لشکر نے صرف تالاب کا پانی پی کر بسر کی، دانہ اور گھاس کا نام تک لینا محال نظر آتا تھا۔

شب کے وقت روسیاہ دشمن نے ان کو چہار جانب سے گھیر لیا، بادشاہی لشکر نے بھی کمر ہمت وجاں نثاری مضبوط باندھی، اور دشمن کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن دشمن تین روز تک سامنے آتا مگر جنگ نہ کرتا تھا یہاں تک کہ ہزار پیادہ اس بومی کی جانب (حیلدرک) جو قاسم خاں

سے عاجزانہ امان طلب کر چکے تھے، قابو پا کر مخاصمت کے لئے پہنچ گئے، چوتھے دن سپیدۂ صبح نمودار نہ ہوا تھا کہ پیادہ بندوقچی پہلے سے وہ چند زیادہ جنگل میں آ کر کھڑے ہو گئے اور لڑائی شروع ہو گئی چونکہ شاہی توپ خانے کا مسالہ زیادہ مقدار میں تباہ و برباد اور جو ہمراہ تھا وہ صرف ہو چکا تھا، چند ساعت تک دوڑ دھوپ کر کے عاجزی کے ساتھ خاموش بیٹھ گئے اور سنتا کی جانب سے بندوق کی گولیوں کی بارش مثل اولوں کے ہو رہی تھی، غرض کہ بے شمار سپاہی اس جگہ بھی کام آئے، اور باقی ماندہ لشکر نے چہار جانب سے راہِ فرار مسدود دیکھ کر مجبوراً قلعہ میں پناہ لی، معتبر اشخاص جو اس قیامت خیز معرکہ میں بذات خود شریک تھے اور جن افراد نے جنگ میں حصہ لیا تھا ان کا بیان ہے کہ تیسرا حصہ جنگی سپاہ کا اور ہر دو پیش خانہ راہ میں اور لبِ تالاب ضائع ہوا، غنیم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اور یہ خیال کر کے کہ اہل قلعہ بھوک کی وجہ سے مر جائیں گے قطعاً مطمئن ہو گیا۔

بادشاہی لشکر قلعہ میں داخل ہوا اور اوّل روز تو قلعہ کے ذخیرہ سے باجرہ اور جوار کی روٹی تمام خورد و بزرگ کو دستیاب ہو گئی اور نئے و پرانے چھپر کی گھاس جانوروں کے کام آئی، لیکن دوسرے دن نہ آدمیوں کو غذا میسر ہو سکتی تھی اور نہ گھوڑوں کو چارہ، غرض کہ اس لشکر کا یہی خیال تھا کہ اگر اس بے درماں درد کی وجہ سے جان جائے تو بہتر ہے، قاسم خاں چونکہ افیون کا عادی تھا اور اس کی زندگی اسی پر منحصر تھی افیون کے نہ ہونے سے ہلاک ہوا، قاسم خاں نے تیسرے دن وفات پائی، اور اس طرح دشمن کے ہاتھوں سے اپنی جان بچا لے گیا۔

سنتا اس خبر کے مشہور ہونے سے زیادہ دلیر اور اہل قلعہ بے حد پریشان و بدحواس ہوئے، شجاع و بہادر افراد نے ہر چند کہا کہ بھوک کی تکلیف اٹھانا اور اس خرابی سے جان دینا بے حد ناگوار ہے ہمارا فریضہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہم سب حریف پر حملہ کریں تا کہ یا شہادت نصیب ہو یا فتح، ہر دو حالت میں ہم کو عذاب سے نجات ہوتی ہے اور ہم ثواب کے مستحق قرار پاتے ہیں لیکن رؤساء نے اس امر کو قبول نہ کیا جس وجہ سے بے شمار افراد بھوک کی وجہ سے مر گئے چارہ نہ ملنے سے گھوڑوں کی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے کی دم بجائے گھاس کے چباتے تھے۔

سنتا سے صُلح

اسی اثنا میں دشمن نے ایک برج کو بنیاد سے اڑا دیا، اور لڑائی ہر طرف شروع ہو گئی، خانہ زاد

خاں نے مجبوراً پناہ جوئی کی تدبیر اختیار کی اور اس شرط پر صلح قرار پائی کہ قاسم خاں کے نقد وجنس و جواہر و اسپ و فیل سنتا کے حوالہ کئے جائیں اور بیس لاکھ روپیہ اور سنتا کا فرزند مسمی بال کشن جو صاحب اعتماد منشی اور اپنے پدر کے کارخانہ جات کا مختار کامل ہے خانہ زاد خاں کے ہمراہ رہے، غرض کہ ان شرائط پر عمل کیا گیا اور سنتا نے یہ پیام بھیجا کہ تمام اشخاص بلاخوف وخطر قلعہ کے باہر آئیں اور رات کے وقت دروازۂ قلعہ پر قیام کریں جس شخص کے پاس جو چیز ہے وہ اس کی ملک ہے ہماری جانب سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی، اور جس شخص کو جس چیز کی ضرورت ہو اس کو میرے لشکر سے خرید سکتا ہے۔

بادشاہی لشکر تیرہ روز کے بعد قلعہ سے باہر آیا، سنتا کے ملازمین سپاہیوں کو ایک جانب سے روٹی اور دوسری جانب سے پانی تقسیم کرتے تھے بادشاہی لشکر نے دوراتیں قلعہ کے دروازہ پر بسر کیں اور تیسرے دن خانہ زاد خاں مع اپنے رفقا کے دشمن کی رہنمائی سے شاہی بارگاہ کی طرف روانہ ہوا حمید الدین خاں بہادر حضرت کے حضور سے اور رستم دل خان حیدرآباد سے محصورین کے امداد کی اجازت پاکر روانہ ہوئے تھے ادونی کے متصل ان امیروں اور خانہ زاد خاں وغیرہ سے ملاقات ہوئی ان ہر دو امیر نے خیمہ و پوشاک ونقد وغیرہ سے امداد کی، رعد انداز خاں قلعہ دار نے اپنی حیثیت سے زیادہ مدد دینے میں کوشش کی اور تمام ضروری اشیاء حاجت سے زائد ہر شخص کے مکان واطراف وجوانب سے فراہم ہوگئیں۔

سنتا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا اس کا خیال تھا کہ ہمت خاں بہادر سے جنگ کرے جو بسواپٹن میں مقیم تھا اور جسے جنگ کرنے کا حکم ملا تھا۔

ہمت خاں کی وفات

ہمت خاں بہادر جس کے ہمراہ ایک ہزار سوار سے زیادہ جمعیت نہ تھی سنتا کے مقابلہ کے لئے پہنچا، اور قریب تھا کہ اس کے اعمال کی سزا دے کہ دفعتہً ایک بندوق کی گولی اس کے کلیجہ پر لگی، اور وہ فوراً فوت ہوگیا، فیل بان نے ارادہ کیا کہ ہاتھی کو پھیرے، باقی بیگ سپہ دار خاں فوراً وہاں پہنچ گیا اور فیل بان سے کہا کہ خان زندہ ہے ہاتھی کو آگے بڑھاتا کہ میں دشمن کو اپنے سامنے سے بھگادوں باقی بیگ نے مقابلہ کیا اور بے حد ثابت قدمی کے ساتھ جنگ آزمائی کرتا رہا لیکن

ظاہر ہے بلا سردار کے کیونکر لڑ سکتا تھا اس امیر کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور چونکہ قلعہ نزدیک تھا داخل ہو گیا، دشمن کی فوج نے خیمہ گاہ کو لوٹ لیا اور قلعہ کا چند روز تک محاصرہ کیا لیکن اپنی اس حرکت کو بے سود خیال کر کے محاصرہ سے دست بردار ہوا۔

قبلہء عالم کے احکامات

باقی بیگ موقع پا کر قبلہء عالم کے حضور میں حاضر ہوا، حضرت نے حکم صادر فرمایا کہ خانہ زاد خاں نظامت صوبہ ظفر آباد اور صف شکن خاں دہامونی کی فوج داری اور سید اصالت خاں رن تن بھور کی قلعہ داری اور محمد مراد خاں دوحد اور کوروہ کی فوج داری پر روانہ ہوں اور بقیہ لشکر اردوئے معلی میں شامل ہو جائے۔

قبلہء عالم نے خان جہاں بہادر اور اس کے فرزندوں کو خلعت ماتمی عطا فرما کر ان کو رنج سے آزاد فرمایا، اور کلمات تسلی آمیز سے ان کے دل کی تشفی فرمائی جہاں پناہ نے چند کہروبی اپنے دست مبارک سے خاں جہاں کو عطا فرمائیں اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔

بہت عرصہ گزرا کہ میں بجائے پان کے اسی کو کھاتا ہوں، باقی بیگ کو پانصدی کا منصب عنایت ہوا، قبلہء عالم نے صف شکن خاں کے تغیر سے خدمت آختہ بیگی پر اور خدمت داروغگی خاص چوکی پر خانہ زاد خاں کے تغیر سے لطف اللہ خاں کو نامزد فرمایا محمد کاظم خاں کے تغیر سے اخلاص کیش امین جزیہء صوبہء بیدر خدمت امانت اور فوجداری پرگنہء اندور کی خدمت امانت وفوج داری پر مامور ہوا، اخلاص کیش کا منصب چہارصدی و پنجاہ سوار تھا، سو سواروں کا اصافہ مرحمت ہوا۔

شاہ عالی جاہ، بہادر گڑھ کی طرف روانہ ہوئے، جہاں پناہ نے بادشاہ زادہ مذکور کو خلعت مع نیمہ آستیں و بالا بند و تکیہ زمردنگیں لعل مرحمت ہوا شہزادہ والا جاہ کو خلعت و آرسی اور جہاں زیب بانو بیگم کو گلوآویز لعل کے عطیات مرحمت ہوئے، ملتفت خاں داروغہ خواصاں مع اصل و اضافہ منصب ہزار و پانصدی دوسو سوار پر فائز ہوا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا چالیسواں سال

1107ھ/1697ء

اس پُر بہار زمانے میں خالق اکبر نے پیشتر ماہ رمضان کی آمد سے دین داروں کے دل باغ باغ کئے، پھر عبادتِ صوم کے مقدس چمن میں بڑی آب وتاب کے ساتھ عید کے پھول کھلا کر عالم کو معطر فرمایا، خاقان عالم پناہ نے خدا پرستی وانجام بینی کا احترام کر کے اعمال خیر وعبادت سے دین ودنیا کی سعادت حاصل کی، پہلے روزے کی نگہداشت، نماز جمعہ کی تیاری واعتکاف ونماز عیدالفطر ادا کرنے کی غرض سے قبلہء عالم یکم رمضان کو اسلام پوری سے شولا پور کی جانب روانہ ہوئے، تمام ماہ عبادات وحصول حسنات میں اس مقام پر بسر ہوا۔

سلطان محی السنۃ پسر بادشاہزادہ محمد کام بخش نے شرف ملازمت حاصل کیا، شاہزادہ مذکور کو یومیہ عطا ہوا جو احباب کی خوشی کا باعث ہوا۔

شیر افگن خاں پسر شاہ وردی خاں کو زور کی فوج داری عطا ہوئی اور اصل واضافہ کے اعتبار سے ہزار و پانصدی یک ہزار و ہفت صد سوار کا منصب دار قرار پایا۔

دیوان صائب

ارسلان خاں یک ہزاری امیر تھا اس کو پانصدی کا اضافہ عطا ہوا، تربت خاں دوصد سوار کا اضافہ پا کر دو ہزاری ہزار و دوصد سوار کا منصب دار ہوا، بخشی الملک مخلص خاں نے صائب کا دیوان پیش کیا جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، چونکہ اس کے اکثر اشعار پند وفوائد پر مبنی ہیں اس لئے حضرت اقدس نے یہ دیوان پسند فرمایا، صائب کی ایک غزل جس کا مطلع و بیت الغزل اور مقطع یہاں درج کیا جاتا ہے ایک مدت تک محفل مقدس میں پڑھی اور دلچسپی سے سنی گئی، موزوں طبع

حضرات اکثر اس کا تتبع کرتے تھے۔

خم چو گردید قد افراختہ می باید رفت
پل بریں آب چو شد ساختہ می باید رفت
ہرچہ در کار بود ساختنش خود سازیست
گو مشو کار جہاں ساختہ می باید رفت
ایں سفر ہمچو سفر ہائے دگر صائب نیست
رختِ ہستی زخود انداختہ می باید رفت

تربیت خاں جو سرکشوں کی تنبیہ کے لئے کوہ مہادیو کی جانب روانہ ہوا تھا، ملازمت سے مشرف ہوا اور خلعت کے عطیہ سے سربلند ہوا، اعتقاد خاں پسر امیر الامراء مرحوم فوج داری اسلام آباد کی خدمت پر بجائے راجہ بشن سنگھ کے مامور ہوا۔

رام چند تھانہ دار کھتانوں اصل و اضافہ کے ساتھ دو ہزاری ہزار پانصد سوار دو اسپہ کی عزت افزائی سے سرفراز ہوا، ڈونڈی راؤ تربیت خاں کا آوردہ ہزار و پانصدی منصب اور کوہ مہادیو کی تھانہ داری پر مقرر ہوا، راجہ کلیان سنگھ زمیندار بھدا ور جو آستانہء مبارک پر حاضر ہوا تھا اسے واپسی کی اجازت عطا ہوئی، پیشتر ہفت صدی چار صد سوار کا امیر تھا، اب اس کو دو صدی دو صد سوار کا اضافہ مرحمت ہوا۔

مرید خاں کے بجائے خدا بندہ خاں احدیوں کا میر بخشی اول مقرر ہوا۔

بارگاہ اقدس میں معروضہ پیش ہوا کہ بادشاہ زادہ محمد معظم 22- ذی الحجہ کو حسب فرمان والا سوار ہو کر دار الامان ملتان کے عزم سے روانہ ہو گئے، ارادت خاں ابن اعظم خاں عرف مبارک اللہ نواح خجستہ بنیاد (اکبر آباد آگرہ) کی فوج داری پر فائز ہوا، اور مع اصل و اضافہ ہفت صدی سوار کے منصب پر ممتاز ہوا۔

حمید الدین خاں بہادر جو سنتا سے جنگ کرنے اور گڑھی دودھیری کا محاصرہ اٹھانے کے لئے گیا ہوا تھا، حضور پُر نور میں پہنچ کر تحسین و آفرین کا مستحق قرار پایا، اور بہادر کے خطاب سے معزز ہوا، اس کی التماس کے مطابق رستم دل خاں اور دوسرے مامورین مناسب اضافوں سے سرفراز ہوئے۔

شجاعت خاں محمد بیگ ناظم احمد آباد کو چار ہزاری چار ہزار سوار کے منصب پر ترقی عطا ہوئی، پیش گاہ والا میں معروضہ پیش ہوا کہ عاقل خاں ناظم صوبہ دار الخلافتہ سے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ شخص فقر و آزادی و استغنا اور استقلالِ مزاج کے عمدہ اوصاف سے متصف تھا فخر و ناز کے ساتھ ملازمت کرتا اور ہمسروں کے درمیان متکبرانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

مہابت خاں کی ایک خواہش

مہابت خاں ابراہیم کو صوبہ دار السلطنت لاہور کی نظامت کا عہدہ عطا ہوا اس امیر نے بارگاہ اقدس میں گزارش کی کہ قلعہ اور دولت خانہ دار الملک کے عمارات کے سیر کرنا چاہتا ہوں عاقل خاں کے نام مہابت خاں کی درخواست منظور ہونے کا فرمان صادر ہوا، عاقل خاں نے جواب میں لکھا کہ میں اس کو بعض موانع کے سبب طلب کرنا مناسب نہیں خیال کرتا، اوّل تو اس قسم کے لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ بادشاہی عمارات کو سیر و تماشہ کی نظر سے دیکھیں، دوسرے یہ کہ تمام عمارات کے دروازے ہاتھ لگنے اور خراب ہو جانے کے خیال سے ہر وقت بند رہتے ہیں نیز یہ کہ محلات میں فرش نہیں ہے اور تماشا دیکھنے والا اس قابل نہیں کہ اس کے لئے صفائی کر کے اور فرش بچھائے جائیں، اس کے علاوہ ملاقات کے وقت یہ شخص جس سلوک کی مجھ سے توقع رکھتا ہے وہ میری طرف سے ظاہر نہ ہوگا، پس ان تمام وجوہ سے اس کو اجازت نہ ملنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، مہابت خاں نے دار الحکومت پہنچنے کے بعد جب یہ پیام سنا تو سیر و تماشا کے خیال سے باز رہا، اور صبر و خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ عاقل خاں نے سفر آخرت اختیار کیا اور یہ امیر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔

عاقل خاں رازی کی وفات

قدر داں بادشاہ بھی عاقل خاں کے خدمات، دیانت داری و اخلاص کی وجہ سے اس کی خود رائی و خود آرائی سے چشم پوشی فرماتے اور عمدہ و اہم خدمات اس کے حوالے فرماتے تھے، عاقل خاں کمال ظاہری سے بھی خالی نہ تھا، رازی تخلص کرتا، ایک دیوان اور ایک مثنوی اس کی یادگار ہے، مثنوی مولانا روم کے دقائق حل کرنے میں اپنے آپ کو یکتا خیال کرتا تھا، صاحبِ خیر و توفیق و نیز

پسندیدہ خصائل کا مجموعہ تھا۔

محمد یار خاں جو حضور پُرنور سے دارالحکومت پہنچا تھا اور بیکاری میں بسر کر رہا تھا عاقل خاں کے انتقال کی وجہ سے صوبہ داری پر فائز ہوا، دو ہزار پانصدی و ہزار و پانصد سوار کا امیر تھا پانصدی پانصد سوار کے اضافہ سے معزز ہوا۔

صدرالدین خاں ہزار و پانصدی کا منصب دار تھا، اسے پانصدی اضافہ کی عزت عطا ہوئی عبدالصمد خاں کے بجائے یکہ تاز خاں پسر یکہ تاز خاں احمد آباد کھورہ متعلقہ صوبہ ءالہ آباد کی فوج داری پر سرفراز ہوا، تہور خاں پسر صلابت خاں کو سہارن پور کی فوج داری عطا ہوئی، ستر سال جو لطف اللہ خاں کی فوج میں مامور تھا سرفراز خاں کے تغیر سے نصرت آباد سکھر کا قلعہ دار مقرر ہوا۔

خان عالم ولد خان زماں فتح جنگ شش ہزاری چار ہزار سوار کا امیر تھا اس کو ایک ہزار سوار کا اور اس کے بھائی منور خاں چار ہزاری دو ہزار سوار کو پانصد سوار کا اضافہ اور فتح اللہ خاں دو ہزاری پانصد سوار کو دو صد سوار کے اضافے مرحمت ہوئے۔

خانہ زاد خاں جو صوبہ ءظفر آباد کے عہدۂ نظامت پر مامور تھا آستانہ ءاقدس پر حاضر ہو کر زمین بوسی سے مشرف ہوا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا اکتالیسواں سال

1108ھ/1698ء

آسمان فیض کے بدرہ دیوان خیر کے صدر ماہ رمضان نے اس مبارک زمانے میں پردۂ اخفا سے سر نکال کر مسلمانوں کے سرودوش پر خیر وحسنات کا سایہ ڈالا، بادشاہ جہاں پناہ عبادات کے انصرام کے لئے اسلام پوری سے شولا پور تشریف لائے، اور اپنے ورود مسعود سے اس سرزمین کو نوانی فرمایا پھر دوگانہ عید ادا کرنے کے بعد درگاہ کو مراجعت فرمائی۔

بادشاہ زادہ محمد کام بخش، جمدۃ الملک و دیگر خرد و بزرگ امراء جو بنگاہ میں تھے خدمتِ حضور میں پیش کئے گئے، اور شرف ملازمت حاصل کرنے کے اعزاز سے سربلند ہوئے۔

بخشی الملک مخلص خاں نے بتقریب تولدِ پسر، مناسب نذر ملاحظہ میں پیش کی مولود محمد حسن کے نام سے نامور ہوا۔ عبدالرحیم پسر فاضل خاں خانساماں دارالحکومت سے حاضر ہوکر آستاں بوس ہوا، اس کے پدر نے چند چینی وخطائی پارچہ جات خوش وضع ملاحظہ ءوالا میں پیش کئے اور تحسین و خوشنودی سے سرفراز ہوا۔

رشید خاں کے انتقال کی وجہ سے کفایت خاں میر احمد دیوان معزول صوبہ ءبنگالہ، رشید خاں کے دفتر خالصہ کا پیش دست مقرر ہوا، ہدایت اللہ پسر عنایت اللہ خاں پیش دست تن خاں مذکور کے بجائے نواب قدسیہ زینت النساء کا میر سامان مقرر ہوا۔

سبحان وردی پسر یلنگتوش خاں نے تولد پسر کی نذر پیش کی اس کے لڑکے کا نام رحمٰن وردی رکھا گیا، فاضل خاں خان سامانی کی خدمت سے مستعفی ہوکر ابونصر خاں کی بجائے صوبہ کشمیر کے نظامت پر مقرر ہوا، خان سامانی کے خدمت خانہ زاد خاں کو بعطائے خطاب روح اللہ خاں عطا ہوئی۔

ابونصر خاں مکرم خاں کے بجائے لاہور کا صوبہ دار مقرر ہوا اور مکرم خاں حضور میں طلب کر لیا گیا، خدابندہ خاں بیوتات حضرت کی خدمت پر فائز ہوا۔

سروپ سنگھ ولد راجہ اودت سنگھ نے باپ کے سامنے رخصت پائی، پیشتر ہفت صدی پانصد سوار کا امیر تھا، اب تین صدی اضافہ سے سرفراز ہوا، وجیہ الدین خاں کو غنیم کی گوشمالی کے لئے انندا پور کی جانب رخصت عطا فرمائی گئی۔

قلیچ خاں بہادر پسر خان فیروز جنگ باپ سے رنجیدہ ہو کر عازم بارگاہ اقدس ہوئے امیر موصوف لشکر معلیٰ کے قریب ایک ماہ تک مقیم رہے اس کے بعد بارگاہ اقدس میں باریابی کی عزت عطا ہوئی۔

اخلاص کیش مئولف روح اللہ خان سامان کی پیش دستی پر مقرر ہوا، شاہزادہ بیدار بخت بہادر کو ارشاد ہوا کہ بہادر گڑھ میں شاہ عالی جاہ کے پاس حاضر ہوں شاہزادہ مذکور کو خلعت واسپ عراقی مع ساز طلا مرحمت ہوا۔

مطلب خاں ہزاری چار صد سوار کا منصب دار تھا پانصدی صد سوار کے اضافہ سے سربلند ہوا، اہتمام خاں الہ یار نامی شخص تیمارداری وانتظام کے ساتھ طبعی مناسبت رکھنے کی وجہ سے لطف اللہ خاں کی بجائے آختہ بیگی مقرر ہوا۔

شاہ زادہ محمد معظم کا صوبہء بنگالہ کا ناظم اور کوچ بہار کا فوجدار مقرر ہونا

تہور خاں پسر صلابت خاں فوج داری سہارن پور کی خدمت سے تبدیل ہو کر حضور میں حاضر ہوا اور داروغہ توپ خانہ مقرر فرمایا گیا، شاہزادہ محمد عظیم صوبہ بنگالہ کی شاندار نظامت اور کوچ بہار کی فوج داری پر بجائے ابراہیم خاں کے مامور ہوئے، ابراہیم خاں سپہدار خاں کے بجائے الہ آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا، اور اس کے بیٹے یعقوب خاں کو جون پور کی فوج داری عطا ہوئی۔

دستور کے مطابق امسال بھی بادشاہ زادۂ شاہزادہ سلاطین، امرائے عظام اور حضور وصوبہ جات کے ہر خرد و بزرگ کو بارانی خلعت مرحمت ہوئے، معتقد خاں لشکر خاں شاہ جہانی کا پوتا بجائے عنایت خاں پسر سعد اللہ مرحوم صوبہء برہان پور کا ناظم مقرر ہوا۔

ذوالفقار بیگ پسر داراب بیگ گرز بردار ہونہار ثابت ہوا جس کو اصطبل کی مشرفی سے

دیوان خاص کی مشرفی پر ترقی عطا ہوئی۔

ملتفت خاں اور عنایت اللہ خاں کو یاقوت زرد کے نگینہ کی انگشتری عطا کر کے شرف امتیاز بخشا گیا۔

اسمٰعیل خاں مکھا بجائے عبدالرزاق خاں لاری اسلام گڑھ عرف راہیری کا فوجدار مقرر ہوا، عبدالرزاق خاں کو کن عادل خانی کی فوج داری پر مامور کیا گیا۔

دریائے بھیمرا کی طغیانی

یوم عاشور کی صبح کو دریائے بھیمرا میں طغیانی کا حادثہ گویا دنیا میں طوفانِ نوح کا بار دگر رونما ہونا تھا، زمانہ کی کرشمہ سازی سے جو عجیب واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان میں یہ حادثہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا، دور دراز مقامات پر بکثرت بارش ہوئی اور پانی جمع ہو کر دریائے بھیمرا میں ایسی حیرت افزا اور روح فرسا طغیانی ہوئی کہ اس کے ہیبت ناک اور بھیانک نظارہ سے دیکھنے والوں کی جان نکلتی تھی کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف تیز نگاہ سے دیکھ سکے دریا کے جوش وخروش اور روانی وطغیانی میں ساعت بہ ساعت ترقی ہوتی تھی، اگر کسی کی نگاہ پانی پر جا پڑتی تھی تو خوف وخطر سے زیرلب یہ شعر پڑھتا تھا۔

دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ است
پائے در زنجیر و کف برلب مگر دیوانہ است

بہادر گڑھ سے تیس کوس کے فاصلے پر شاہ عالیجاہ کا لشکر گاہ تھا گھاس کی گنجیاں اور چوب پٹتی جسے بیوپاریوں اور سوداگروں نے جمع کیا تھا سب اکٹھا اور جمع بہتی چلی آ رہی تھیں اکثر دیہات کو سیلاب کی تیز روانی نے اُکھاڑ پھینکا، انسان وحیوان دریا کی سطح پر چھپروں پر سوار مجبور و بے بس دوڑتے چلے جا رہے تھے، جو جاندار ایک دوسرے کے فطری دشمن تھے وہ بھی اس وقت باہم رفیقِ طریق نظر آتے تھے، بلی، چوہا، کتا اور خرگوش ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، مگر اپنی جان کے خوف سے دم نہ مارتے اور اپنی حالت پر خاموش وصابر تھے۔

پانی پھیل کر جنگلوں میں بڑھا اور جمدۃ الملک اسد خاں، مخلص خاں و دیگر اہل ثروت کے دل کش و دل چسپ امکانات وتفریح گاہیں جو کثیر روپیہ صرف کر کے دریا کے کنارے تعمیر کی گئی

تھیں سیلاب کی زد میں آ کر تباہ ہوگئیں، جن اشخاص کو استطاعت تھی وہ کشتی پر سوار گرتے پڑتے دریا کے کنارے سلامت پہنچ گئے، لیکن مجبور خلقت کی جان و مال دریا بُرد ہوا۔ ؎

دل بستگی خلق بعمرِ گزراں چیست
استادگی نفس بریں آب رواں چیست

امراء پشتہ ءکوہ پر سلطنت خانہ ءوالاشکوہ وشاہ عالی جاہ بادشاہ زادہ محمد کام بخش اور غربا کے خیمے برپا تھے، یہ پشتہ جو زمین سے چالیس گز کم وبیش بلند تھا طغیانی کی شدت میں پانی کی سطح سے صرف تین چار گز بلند رہ گیا، پشتہ پر جو لوگ مقیم تھے وہ شبانہ روز متعدد سواریاں اور کشتیاں مہیا رکھتے تھے۔

اس پریشانی سے متاثر ہو کر حضرت ظل اللہ جن کا لقب معارف الٰہی کا قلزم ہے بارگاہ خداوندی میں سر بہ سجدہ ہو کر عجز وزاری کے ساتھ مصروف دعا ہوئے، تیسری شب کو نصف رات گزرنے کے بعد بحر رحمت الٰہی جوش میں آیا، اور پانی کا زور کم ہونا شروع ہوا، خدا کی مخلوق قید الماء اشد من قید الحدید (پانی کی قید لوہے کی زنجیروں کی قید سے زیادہ سخت ہے) کی قید سے رہا ہوئی اور جامہ ءحیات نے غرقابی سے نجات پائی ہر چند دریائے معرفت کے پیراک اور بحر حقیقت کے ساحل نشینوں نے سنایا کہ ؎

بہ نشیں برلب جوئے و گزر عمر بہ بیں
کیں حکایت زجہاں گزراں مارا بس

لیکن کسی نے نہ سنا۔ السلام علی مَن سلک الصراط السدید (اس پر سلام ہو جو سیدھے راستہ پر چلے)

قبلہ ءعالم کا خان جہاں بہادر کی عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور خان موصوف کی وفات

اسی زمانے میں خان جہاں بہادر ظفر جنگ کے مرض نے سختی اختیار کی اور حضرت اقدس و اعلیٰ نے شولا پور سے بنگاہ واپس ہوتے وقت 16- جمادی الاوّل کو خان مذکور کے مکان پر تشریف لے جا کر عزت بخشی اور اس کے مکان کو مخزنِ انوار بنا دیا، خان موصوف صاحب فراش تھے، بستر

سے نہ اُٹھ سکے حضرت مسند پر بیٹھ گئے اور ظفر جنگ نے رو رو کر عرض کیا۔

قدم بوسی کی عزت حاصل کرنے سے محروم ہوں میری دلی آرزو تو یہ ہے کہ میں کسی معرکے میں جان نثار کرتا اور حضرت پر تصدق ہو کر سعادت دارین حاصل کرتا۔

حضرت نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ''تمام عمر بندگی و اخلاص کی راہ میں جان نثار کر چکے ہو مگر ابھی اس کی آرزو باقی ہے۔''

سبحان اللہ فدوی با اخلاص کے خلوص عقیدت اور آقائے ولی نعمت کی قدر افزائی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، 19- تاریخ مذکور کو خان بہادر ظفر جنگ نے وفات پائی۔

خان موصوف عالی شان امیر تھا، خیر و احسان کا جامع اور عظیم المرتبہ سپہدار تھا اس کی محفل کی شان اس درجہ بلند تھی کہ اس کے سوا کوئی بہت کم بات کر سکتا تھا خود وہ جو کچھ چاہتا کہتا تھا حاضرین سوائے ''بجا و درست'' کچھ نہ کہہ سکتے تھے، زیادہ گوئی اسے پسند نہ تھی، اس کی مجلس میں اکثر نظم و نثر، شمشیر، جواہر، گھوڑا، ہاتھی اور مشتہی ادویہ کے تذکرے رہتے تھے، بڑے بڑے مشکل اور اہم کام اور شجاعت و دلاوری کے کارنامے اس سرگروہ بہادراں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے، یہ کارنامے اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا تھوڑا ذکر بھی بہت ہے اس لئے انہیں بیان و تعریف سے بے نیاز خیال کرنا چاہئے۔

شہزادہ کام بخش کو صوبہ برار کا نظام سپرد کرنا

20- جمادی الآخر کو بادشاہزادہ محمد کام بخش کو صوبہ برار کا انتظام تفویض ہوا، بادشاہ زادہ مذکور بست ہزاری و ہفت ہزار سوار کے منصب پر فائز تھے، اب سہ ہزار کا اضافہ حاصل کر کے دل شاد ہوئے، میرک حسین دیوان سرکاران کا نائب مقرر ہوا۔

چونکہ جمدۃ الملک مرض کی وجہ سے دستخط کرنے میں تساہل کرتے تھے، اس لئے ہرج کار کے خیال سے فرمان والا صادر ہوا کہ عنایت اللہ خاں دستخط کرتے رہیں۔

قلعہ جنجی کے حالات

جمدۃ الملک نے ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ کی عرض داشت ملاحظہ اقدس میں پیش

کی جس سے قلعہ چنجی کے حسب ذیل حالات معلوم ہوئے۔

قلعہ چنجی بلند پہاڑوں پر تعمیر کیا گیا ہے اور دار الجہاد کرناٹک کے تمام اضلاع واقسطاع کے قلعوں پر بلندی وکثرت آلات وذخائر کر کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے کارساز مطلق کا شکر ہے کہ اس کی امداد سے غازیان دین ومجاہدان اسلام نہایت جرات ودلاوری کے ساتھ اس قلعہ پر چڑھ گئے، اور غلبہ وفتح ونصرت کا جھنڈا بلند کر کے دشمنوں کی جماعتوں کو فرشِ خاک پر سلا دیا، جس نے اس مضبوط قلعے کو اپنا مامن وملجا سمجھ کر بے حد غرور کے ساتھ یہاں قیام کیا تھا، فتح مند لشکروں کے صولت ودبدبہ وکامیابی کا حال دیکھ کر رعب وخوف سے مغلوب ہو گیا، اور بے دم وبے حواس ہو کر عیال واطفال اور مال واسباب کو قلعے میں چھوڑا، اور ہزار ذلت ورسوائی رنج وبے قراری کے ساتھ سنتا کے ہمراہ فرار ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے 6- شعبان کو یہ محفوظ ومضبوط قلعہ جس کے اندر سات قلعے اور بھی ہیں جبراً وقہراً مفتوح ہو کر اولیائے دولت کے ضبط وتصرف میں آ گیا، مفرور کی چار بیویاں تین بیٹے اور دو لڑکیاں اور بے شمار دیگر متعلقین ویار ومددگار قید میں گرفتار ہوئے، اس کے علاوہ سو دیگر حصار جن سے ملک کرناٹک مراد ہے مع فرنگیوں کے کئی بندرگاہوں کے ممالک محروسہ میں شامل ہو گئے، شوریدہ سر وسرکش زمینداروں نے اطاعت قبول کر کے مناسب وشائستہ نذرانے مرتب کئے اور خان بہادر کے واسطہ سے آستانہ اقدس پر روانہ کئے۔

عطیات ومناصب میں اضافہ

جمدۃ الملک کو بصلہ حُسنِ خدمات ہزار سوار کے اضافہ سے ہفت ہزاری وہفت ہزار سوار کا منصب عطا ہوا، نصرت جنگ ہزار سوار کے اضافہ سے پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا امیر مقرر ہوا، اور اس عزت افزائی سے اس کی شان وشوکت میں نمایاں اضافہ ہوا، راؤ دل پت سنگھ نے بھی جو نصرت جنگ کے ہمراہ مامور تھا، اس معرکہ میں بے حد محنت ومشقت اٹھائی تھی اس لئے اس کو بھی پانصدی دوصد سوار کا اضافہ مرحمت ہوا، پیشتر دوہزار وپانصدی ہزار وسہ صد سوار تھا، مفتوحہ حصار نصرت گڑھ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اعتقاد خان جو مختار خاں کے بجائے صوبہ دار الحکومت اکبر آباد کے عہدۂ نظامت پر مامور ہوا تھا، اس امیر کو پانصد سوار مشروط عطا کئے گئے تھے، اب ان سواروں کو بلا شرط قرار دے کر اعتقاد

خاں کو نقارہ بھی عنایت ہوا۔

سیادت خاں کی وفات

سیادت خاں مرض وبائی میں دنیا سے رخصت ہوا، اس کا فرزند باپ کے خطاب سے سربلند ہوا، اور جانشین فرزند و مرحوم کے دیگر اقربا کو ماتمی خلعت اور اضافے مرحمت فرما کر مسرور فرمایا۔

دیوان خاص کی داروغگی مرحوم کے انتقال کی وجہ سے روح اللہ خاں کو تفویض ہوئی اور ارشاد ہوا کہ خان سامانی کے فرائض کے ساتھ یہ خدمت بھی انجام دے خدمتِ صدارت کا خلعت قاضی عبداللہ کو عطا ہوا۔

جلوس عالمگیری کا بیالیسواں سال

1109ھ/1699ء

رمضان کا مبارک مہینہ آیا اور بادشاہ حق آگاہ نے حق پرستی وحق وسانی پر بیش از بیش توجہ فرمائی، قبلہء عالم نے سال گزشتہ کی طرح اس سال بھی شولا پور میں قیام فرمایا، تمام ماہ طاعات و عبادات میں ختم ہوا، ختم صیام کے بعد حضرت نے دوگانہء عید ادا فرما کر اہلِ عالم کو کامیاب و دل شاد فرمایا۔

شاہزادہ بیدار بخت بہادر، بہادر گڑھ سے حضور میں طلب ہوئے تھے اور دیوگاؤں میں مقیم تھے، بخشی الملک بہرہ مند خاں اور منصور خاں میر توزک شاہزادہ کا استقبال کر کے موصوف کو حضور میں لائے، شاہزادہ نے دیوان میں تشریف لانے سے پہلے مسجد میں سعادت ملازمت حاصل کی، قبلہء عالم نے شاہزادہ کو پرنالا جانے کا حکم دیا اور خلعت مع سرپیچ لعل وزمرد پہنچی مرصع واسپ وفیل کے عطیات سے سرفراز فرمایا، شاہ زادہ کے ہم رکاب جو اشخاص مقرر تھے، وہ بھی عنایات لائقہ سے سربلند فرمائے گئے۔

بھاگو بنجارہ کی معافی

بھاگو بنجارہ جو بیشتر آستانہء معلیٰ پر پہنچ کر پنج ہزاری چار ہزار کے منصب سے سرفراز ہوا تھا اور پھر دشمنوں کے گروہ میں شامل ہو گیا تھا، اب دوبارہ خدمت والا میں حاضر ہوا اور بعدز میں بوسی سابقہ منصب وخلعت واسپ وفیل کے عطیات حاصل کر کے ممتاز ہوا۔

ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

قاضی عبداللہ کی وفات

قاضی عبداللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیر آباد کہا، ان کے بجائے محمد اکرم جو دارالحکومت کے موروثی مفتی تھے اُردوئے معلّٰی کی خدمت قضا پر حضور پُر نور میں طلب فرمائے گئے، عنایت اللہ خان کو حکم ہوا کہ چونکہ دفتر صدارت دفتر دیوانی کا ایک جزو ہے اس لئے کسی دوسرے شخص کے مقرر ہونے تک خان مذکور یہ خدمت بھی بطور نائب انجام دے، امیر مذکور نہ صدی ہفتادسوار کا منصب دار تھا اب ایک صدی سے سوار کے اضافے سے اس پر مزید عنایت فرمائی گئی۔

شیخ اسلام کے نام فرمان

محبت خدا دوستی وشفقت بندہ نوازی کے لحاظ سے شیخ الاسلام کے نام ایک اشتیاق آمیز فرمان ان کے برادر نورالحق کے ہمراہ ارسال ہوا۔فرمان مبارک کا مضمون یہ تھا کہ شغلِ قضا سے مستعفی ہونے اور سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد ایک بار بھی حضور میں نہیں آئے، اگر اس طرف توجہ کریں تو مناسب ہے، شیخ الاسلام اس وقت احمد آباد میں مقیم تھے، حضرت کا منشا یہ تھا کہ اگر شیخ مذکور حضور میں آ جائیں، اور صدارت کی خدمت اختیار کریں تو یہ عہدۂ جلیلہ ان کو تفویض فرمایا جائے۔شیخ کا ارادہ تھا کہ طواف کعبہ کا احرام باندھیں کہ دفعتاً مرض نے شدت اختیار کی، اور مرحوم کو سفر آخرت طے کرنا پڑا، اللہ مغفرت کرے۔

محمد امین خان کے نام حکم والا شرف صدور دلایا کہ خان فیروز جنگ کی فوج سے جائزہ دے کر حاضر حضور ہوا، اور اس عہدۂ جلیلہ کے خدمات انجام دے۔

ارشد خان ابوالعلا، امانت خان کا داماد کابل کے کسی عہدے سے معزول ہو کر حضور میں آیا ہوا تھا، اسے کفایت خان کے انتقال کی وجہ سے دیوانی خالصہ کی خدمت مرحمت ہوئی۔

امیر خان ناظم کابل کی وفات

بارگاہ والا میں معروضہ پیش ہوا کہ امیر خان ناظم دارالملک کابل نے 27- شوال کو وفات پائی، امیر مذکور صاحبِ خیر وعالی شان رئیس وفدویان دولت کے گروہ میں حد درجہ مخلص وآقا پرست ونیز کار پردازوں میں نہایت ممتاز وسرفراز تھا، صوبہ کابل کے ابتر انتظامات میں جس قدر نمایاں

کامیابی اس نے حاصل کی اور جو اہم خدمات انجام دیں حضور پُر نور کی نگاہ میں بے حد قابلِ قدر تھیں، اور حضرت امیر مرحوم پر کامل اعتماد رکھتے تھے، مرحوم چونکہ حضرت کا خانہ زاد بھتیجا تھا، اور اس کی خدمات شاندار ہونے کی وجہ سے اس عہد میں اس کی ذات کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، اس لئے اس کے انتقال سے حضرت کو صدمہ ہوا۔

شہزادہ محمد معظم کا کابل کے انتظام کے لئے روانہ ہونا

شہزادہ محمد معظم کے نام فرمان کرامت عنوان صادر ہوا کہ صوبہ کابل کی نگہداشت کے لئے روانہ ہوں، فرمان کے ہمراہ سرپیچ قیمتی و پچاس ہزار روپیہ بھی ارسال ہوا۔

درگا داس راٹھور

20- ذیقعد کو درگا داس راٹھور محمد اکبر کے بیٹے بلند اختر کو جو محمد اکبر کی آوارگی کے زمانے میں راٹھوروں کے ملک میں پیدا ہوا تھا، اور محمد اکبر نے فرار ہوتے وقت لڑکے کو وہیں چھوڑ دیا تھا۔ اور جس کی راجپوت جنگ و صلح کے مصالح آئندہ کے خیال سے حفاظت کرتے تھے، اپنے لئے عفو جرائم کا ذریعہ بنا کر شجاعت خان ناظم صوبہ احمد آباد کے سفارش نامے کے ہمراہ حضور میں لایا، درگا داس باریابی کے وقت دست بستہ حاضر ہوا تھا، حکم ہوا کہ اس کے ہاتھ کھول دیئے جائیں جمدھر مرصع اور خلعت عطا کرنے کے بعد اسے سہ ہزاری دو ہزار پانصد سوار کا منصب عطا ہوا۔ بلند اختر نے خلوت میں سعادت ملازمت حاصل کی، اسے خلعت و سرپیچ عنایت ہوا اور قیام کے لئے گلال بار میں ایک دائرہ مقرر فرما دیا گیا۔

ابوالفتح خان پسر خان جہاں مرحوم کو کتخدائی کی تقریب میں خلعت، اسپ عطا ہوا اور اکبر آباد جانے کی اجازت مرحمت ہوئی، نیک نام خان پسر ہمت خان ابن اسلام خان سے ہزارہ بیدار بخت کی فوج میں بخشی گری اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور ہوا، اور اس کو ایک صدی دو صد سوار کے اضافے سے ہزاری سی صد سوار کے منصب پر ترقی عطا ہوئی۔

چین قلیچ خان بہادر بیجاپور کی سمت ناگواری مفسدوں کی سرکوبی کرنے کے بعد آستانہ بوس ہوئے، ستور دفلیہ منعم خان کے واسطے سے زمین بوس خدمت ہوا، اسی شش ہزاری پنج ہزار سوار کا

منصب ونقارہ عطا فرمایا گیا۔

بخشی الملک مخلص خان کا منصب اصل واضافے کے اعتبار سے سہ ہزاری دوصد سوار قرار پایا۔ تربیت خان میر آتش غنیم کی چھاؤنی اٹھانے کے لئے برار کی جانب رخصت فرمایا گیا اور دو ہزار و پانصدی ہزار دوصد سوار کے رتبہ پر فائز ہوا، اس منصب (میر آتش) پر روح اللہ خان خانساماں کو سرفرازی عطا ہوئی۔

محتشم خان پسر شیخ میر مرحوم برطرفی کے بعد دو ہزاری ہزار سوار کے منصب پر بحال ہوا، قلیچ خان بہادر دشمن کی سرکوبی کے لئے کوٹہ کی طرف رخصت ہوئے، اور موصوف کو کمر خنجر انعام میں مرحمت ہوا۔

ہدایت کیش بھولا ناتھ نومسلم پسر چھترمل اپنے باپ کے مرنے کے بعد وقائع نگاری کل کی خدمت پر فائز ہوا۔ فضل علی خان (مرشد قلی خان) صوبہء ملتان کا دیوان مقرر ہوا۔

ملاّ ابوالقاسم تیز ہوش

ملا ابوالقاسم اکبر آباد میں والد شاہ عالی جاہ کے روضہ پر درس دینے کی شرط پر ایک روپیہ یومیہ کا ملازم تھا، قسمت کی یاوری سے دکن کے جذبہ منصب داروں میں شامل ہو کر فضیلت کے سہارے سے بادشاہزادہ محمد کام بخش کا بخشی اوّل ہوا، اور پھر بیجاپور کی دیوانی تک ترقی کر کے ورایت خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ ملائے مذکور کا قول تھا کہ میری طبیعت موزوں بھی ہے، یہ شخص تیز ہوش تخلص کرتا تھا۔

حمید الدین خان بہادر جو بیجاپور کا بت خانہ منہدم کرنے اور مسجد تعمیر کرنے کے لئے گیا تھا۔ حکم حضور کے مطابق اپنا فرض ادا کر کے واپس آیا اس کی کارگزاری پسند فرمائی گئی، اور دروغگی غسل خانہ کی تقرب افزا خدمت پر سرفرازی عطا ہوئی۔

عسکر خان حیدر آبادی، بادشاہزادہ محمد کام بخش کے وکلا کے تغیر کی وجہ سے برار کی صوبہ داری پر مامور ہوا۔

محمد امین خان حضور پُرنور میں حاضر ہو کر ہندوستان کے صدارت کلی کے عہدۂ جلیلہ پر مقرر ہوا اور اس نے انعام میں چاندی کی تین زمردی تگ کی مینا کی ہوئی انگوٹھیاں حاصل کر کے

سعادت و برکت حاصل کی۔

نہایہ، مُصنفہ ءعبداللہ طباخ

محمد اکرم آباد سے ہم رکاب اقدس واعلیٰ حاضر ہوا اور اردوئے معلّٰی کی خدمت قضا پر مامور ہوکر سربلند ہوا۔ ہیبت اللہ عرب حیدر آباد سے قابلِ ملاحظہ سامان لے کر حاضر ہوا اور ملاحظہء عالی میں پیش کیا۔ اس مال میں ایک جلد نہایہ کی بھی تھی جو ملا عبداللہ طباخ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کی پہلی جلد سرکار میں پہنچ چکی تھی، حضرت کو دوسری جلد درکار تھی، عرب مذکور کو ایک زنجیر فیل و پنجاہی اضافہ ہزاری منصب اور ایک ہزار روپیہ بطور انعام مرحمت ہوا۔

قطب الدین سفیر بخارا کو آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، سفیر کو خلعت دس ہزار روپیہ ایک مہر دوصد مہری اور ایک روپیہ دوصد قیمتی روپیہ کا باریابی کے روز اور واپسی کے دن ایک مادۂ فیل اور پندرہ ہزار روپیہ عنایت ہوا۔

زبردست خان ناظم صوبہ اودھ سہ ہزاری دو ہزار پانصد سوار کے منصب پر ممتاز ہوا، فتح اللہ خان نواح پربندہ کے دورہ پر مامور ہوا اور خلعت و مینا کار خنجر بطور انعام حاصل کر کے معزز و مکرم ہوا۔

یاقوت خواجہ سرا کے تیر لگنا اور پاداشِ عمل میں مجرم کا اپنی سزا کو پہنچنا

خواجہ یاقوت ناظر بادشاہزادہ محمد کام بخش جب کبھی درست اعتقادی اور دولت خواہی کی راہ سے سخت اور سچی بات بادشاہزادے سے عرض کرتا تھا تو وہ بعض مقرب اوباشوں کے جگر میں پیوست ہوکر کھٹکتی تھی، اور یہ بد باطن افراد جو حق کے دشمن اور باطل کے دوست تھے اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی موقعہ پر خواجہ یاقوت کو اپنے راستے سے ہٹادیں۔

اتفاقاً 18- جمادی الآخر کو رات کے وقت یاقوت بادشاہزادہ کے دولت خانہ سے اپنے گھر جارہا تھا کہ راستہ میں کسی بداندیش نے موقعہ پاکر ایک دوزبان تیر نیزہ کی طرح اس کی طرف پھینکا چونکہ ابھی اس کی حیات باقی تھی، اس لئے وہ تیر پردۂ شکم تک نہ پہنچ سکا اور خواجہ کا ہاتھ سپر بن گیا۔ تیر ایسا جاں سوز اور پرکالہء آتش بنا تھا کہ اگر لوہے کے لگتا تو اس سے دھواں اٹھنے لگتا، اور پتھر پر

پڑتا تو اس کی رگوں سے خون جاری ہو جاتا۔ بہر حال ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست

یہ خبر حضرت اقدس و اعلیٰ کے سمع مبارک میں پہنچی اور قبلہء عالم نے خدام نوازی اور بندہ پروری کے تقاضے سے مقدمہ کی پیروی تحقیق و تفتیش کی طرف سختی سے توجہ فرمائی، حکم محکم صادر ہوا کہ کوتوال اردوئے معلیٰ بادشاہزادہ کے ممتاز نوکروں کے جمعداروں سے پانچ آدمیوں کو نظر بند کر کے اور تیرزن کی تحقیق و تلاش میں جدوجہد سے کام لے، کوتوال نے چار اشخاص کو حراست میں لیا جو اپنی خوشی سے ہاتھ آ گئے اور اطلاع دی کہ بادشاہ زادے کا کوکہ سرکشی کی فکر میں ہے۔ حضرت نے حکم دیا کہ خواجہ محمد، بادشاہزادہ کا بخشی کو کہ کو حضور میں حاضر کرے۔ بخشی موصوف نے اپنی چرب زبانی سے کوکہ کو ہموار کیا اور اپنے ساتھ دولت خانہ بادشاہی تک لے آیا۔ لیکن کوکہ اپنے طالع کی بدنصیبی سے چند اوباشوں کے دام مکر میں گرفتار ہو کر واپس گیا، خواجہ محمد نے خدمت والا میں عرض کیا کہ ملزم حاضری سے انکار کرتا ہے اور سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہے، ارشاد ہوا کہ بادشاہزادہ اس کو اپنے لشکر سے نکال دیں۔

بادشاہزادہ نے کوکہ کو اپنے پاس طلب کر کے دوسو اشرفی و خیمہ و سامان باربرداری عنایت کیا اور اس کو رخصت فرما دیا مگر اس کے جانے سے بے حد رنجیدہ ہوئے۔ ابھی اس نے دریا کو عبور بھی نہ کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کی غرض یہ ہے کہ بادشاہزادہ اسے اپنے ہمراہ لائیں اور اس کی عفو تقصیر و جسارت کے لئے سفارش کریں، بادشاہزادہ حسب ایمائے اقدس اسے طلب کر کے اپنے ہمراہ دربار میں لے گئے، حاضری کی اطلاع ہوئی، ارشاد ہوا کہ بادشاہزادہ خود حضور میں آئیں اور کوکہ کو دیوان خاص میں رہنے دیں، مگر بادشاہزادے نے کہا، ہم اور یہ ایک ساتھ مجرئی کریں گے، یہ کہہ کر اپنا بالا بند کھول کر اپنی اور اس کی کمر میں مضبوط باندھ دیا، ان ناپسندیدہ امور کے پیش آنے کے بعد حکم ہوا کہ بادشاہزادہ عدالت گاہ میں حکم سلطانی کا انتظار کریں۔

اس کے بعد بخشی الملک مخلص خان نے حسب فرمان خسروی بادشاہزادہ کو منشائی اقدس سے مطلع کیا۔ چونکہ اس زمانے میں بادشاہزادہ سے نصیحت پذیری کی توفیق سلب کر لی گئی تھی اس لئے طبیعت خیر کی جانب مائل نہ ہوئی، اس واقعہ کے بعد سیدالدین خان بہادر کو حکم ہوا کہ اس بدمصاحب کو بادشاہزادے سے جدا کر دے، خان مذکور نے تعمیل ارشاد کا ارادہ کیا اور

بادشاہزادہ نے کمر سے اپنی کٹار کھولی، خان مذکور نے ہاتھ پکڑ کر چاہا کہ کٹار چھین لے اس کوشش میں خان کے زخم آ گیا۔ بادشاہزادہ خدا کی حمایت سے محفوظ رہا، اور اس بدمعاش ہمنشیں پر جو کچھ گزرنا تھی گزر گئی۔

یہ حادثہ پیش آنے کے بعد حکم ہوا کہ جواہر خانے کے قریب خیمہ نصب کر کے بادشاہزادے کو بطورِ تادیب نگرانی میں رکھا جائے، اور کوکہ کو قید خانہ پہنچایا جائے، بادشاہزادہ منصب سے برطرف ہوئے، اوران کا مال واسباب اور اثاثہ وسواری وغیرہ ضبط ہوگیا۔ بعض بادشاہزادے کے ممتاز نوکر حسب ارشاد والا ملاحظہ میں پیش ہوئے، اوران کو خلعت عنایت فرما کر سرکار ابد قرار کے خدمات پر مامور کئے گئے۔

سنتا کی شکست اوراس کا سر

اسی مبارک زمانے میں غازی الدین خاں فیروز جنگ کی کارگزاری کا نتیجہ برآمد ہوا اور سنتا بدانجام کا سر آستانہء اقدس پر پہنچا۔ قبلہء عالم نے قہر وعتاب کے اظہار عام کی غرض سے دکن کے بڑے اور مشہور شہروں میں اس کی تشہیر کر دی، سنتا کے بعض حالات اکثر مواقع پر درج ہو چکے ہیں، بقیہ واقعات حسب ذیل ہیں۔

سنتا کے حالات

دودھیری کے واقعہ اور ہمت خان بہادر کی شہادت کے بعد سنتا نے چنجی کی طرف رُخ کیا، حمیدالدین خان بہادر اُس کے تعاقب پر مامور ہوئے اور روح اللہ خان کی رفاقت ترک کر کے جلد اس کے سر پر جا پہنچے، حریف سے دو ایک معرکے ہوئے اور حمیدالدین خان بہادر نے قاسم خان کے چند ہاتھی سنتا سے چھین لئے۔

اسی اثناء میں حمیدالدین خان بہادر کے نام دوسرا حکم صادر ہوا۔ شاہزادہ بیدار بخت کو اس کے تعاقب کا حکم ہوا ہے اپنی فوج کے بعض اشخاص کو جو شاہزادۂ موصوف کے ہمرکابی پر مامور ہوئے ہیں وہیں چھوڑ کر خود حضور میں حاضر ہو۔

شاہزادہ بیدار بخت کے ساتھ بھی سنتا نے سخت معرکہ آرائی کی، سنتا پر متعدد سخت حملے ہوئے

مگر وہ ہر مرتبہ سلامت نکل گیا۔ سنتا چنجی کی مسافت طے کر رہا تھا کہ راہ میں دہنا جادو سے دوچار ہوا یہ شخص سنتا کا دشمن تھا، اور اس وقت راما کو چنجی لے جا رہا تھا۔ اس مقابلے میں سنتا غالب آ گیا اور امرت راؤ کے برادر مانکو جی کو جو دہنا کا رفیق و مددگار تھا زندہ گرفتار کر کے ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ اور راما کو قید کر لیا، دہنا کسی طرح جان بچا لے گیا۔

اس واقعہ کے دوسرے روز سنتا ہاتھ باندھ کر راما کے سامنے کھڑا ہوا، اور کہا کہ میں وہی خادم ہوں، گستاخی اس وجہ سے ہوئی کہ آپ دہنا کو مجھ پر فوقیت دے کر اس کی اعانت سے اپنے آپ کو چنجی پہنچانے کے خواہاں تھے، اب جس خدمت کا حکم ہو میں اسے انجام دوں، سنتا نے راما کو رہا کر کے اس کو تو چنجی پہنچایا اور خود ذوالفقار خان بہادر کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ یہاں اس کی مکاری سے بادشاہزادہ محمد کام بخش کے برگشتہ کرنے سے معاملات تسخیر قلعہ کے خراب ہوئے۔ اور اس کے ہاتھوں اسمٰعیل خان مکھا کے اسیر ہونے کے جو واقعات پیش آئے ان معاملات میں شریک غالب یہی سنتا ثابت ہوا۔

قلعہ چنجی فتح ہوا اور سنتا راما کے ساتھ قلعے سے نکل کر دہنا سے لڑنے کے لئے اس مقام پر پہنچا، جہاں دہنا مقیم تھا، فریقین میں مقابلہ ہوا مگر اس مرتبہ قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور شکستِ فاش کھا کر بحالِ تباہ چند اشخاص کے ساتھ میدان سے بھاگا اور مانکو جی کی زمینداری میں پہنچ کر اس کے دامن میں پناہ گزیں ہوا۔

مانکو جی مروت سے پیش آیا لیکن مانکو جی کی بیوی نے جس کے بھائی کو سنتا نے مار ڈالا تھا اپنے شوہر اور اپنے دوسرے بھائی کو ابھارا کہ اب اسے زندہ نہ چھوڑنا چاہئے مگر مانکو جی نے اُس کی دل دہی کر کے سنتا کو رخصت کر دیا۔ لیکن مانکو جی کا دوسرا بھائی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور موقعہ تلاش کرتا ہوا اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

اسی زمانے میں خان فیروز جنگ کے نام سنتا کے تعاقب کا حکم صادر ہوا اور شاہزادہ اور حمید الدین خان کی متعینہ جمعیت ان کے ہمراہ مقرر کی گئی۔

مطلب خان سزاوالی پر مامور تھا۔ اس نے سنتا کے متعلق یہ خبریں سنیں اور موقعہ پر جا پہنچا، غرض کہ باختلاف رائے سنتا خان فیروز جنگ کے ہاتھوں اسیر ہوا یا یہ کہ مانکو جی کے سالے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مختصر یہ کہ اس کا سر فیروز جنگ کے سپاہیوں کے ہاتھ آ گیا جو بعد میں درگاہ والا

میں روانہ کر دیا گیا۔ ؎

ہر نقش پائے مور بآہستگی خدام
زنجیرِ فیلِ مست مکافات پارہ است

اِس کارگذاری کے صِلہ میں علاوہ تحسین وآفرین کے عنایاتِ خسروی بھی خان فیروز جنگ کے شامل ہوئے، مطلب خان بھی پانصدی کے اضافہ سے سرفراز ہوا۔

☆☆☆☆☆

جلوس عالمگیری کا تینتالیسواں سال

1110ء/1700ء

ورودِ ماہ رمضان کی وجہ سے جمعہ وعید کی نمازیں ادا کرنے اور اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے حضرت اقدس واعلیٰ نے شولا پور میں قیام فرمایا۔ منصور خان کو حکم ہوا کہ بادشاہزادہ محمد کام بخش کے محل کو فرودگاہ سے لائے۔

آتش خان کے انتقال کی وجہ سے معمور خان کو کرناٹک کی فوج داری مرحمت ہوئی، حمید الدین خان بہادر خواجہ محرم علی مردان خانی یعنی محرم خان کے انتقال کے بعد جواہر خانہ دوم کا داروغہ مقرر ہوا۔ رستم بیگ خان چرکس جو رستم خان بہادر شاہجہانی کا عزیز قریب اور بندگانِ دولت کے زمرے میں حال ہی میں شامل ہوا تھا، یحییٰ خان کے بجائے منگل بیدار کا قلعہ دار مقرر ہوا۔

بادشاہزادہ محمد کام بخش کے نام فرمان

بادشاہزادہ محمد کام بخش کی نسبت فرمانِ شفقت عنوان صادر ہُوا کہ نماز ظہر دولت خانہ حسن باری کی مسجد میں اور نماز عصر ہمارے ساتھ پڑھا کریں۔ محمد امین نائب سربراہ خان کو تو ال کو حکم ہوا کہ بادشاہزادہ کا دیوان و نائب معزول میرک حسین خزانہء بادشاہی کی ایک کثیر رقم پر متصرف ہوا ہے، اہلِ دیوان جو تحریر تمہارے حوالہ کریں اس کے مطابق میرک حسین کو چبوترہ میں بٹھا کر اس سے رقم وصول کریں۔

میرک حسین کے قصور کی معافی

مؤلف اور میرک حسین کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے یہ شخص عمدہ عادات سے متصف

تھا، مگر ملازمت کا سلیقہ نہ رکھتا تھا، اس کی مشہور غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے زیر دست ملازموں اور مصاحبوں میں مرحوم کے دو تین کمینہ خیال عزیز بھی تھے، جن کے ساتھ وہ اپنی کارگذاری و تدین کے باوجود نباہ رہا تھا، مگر ظاہر ہے کہ اس طرح کب تک نباہ ہوسکتا ہے، میرک کے نیابت میں اُس کی ناخلف فرزند واعزہ نے جو نہایت تباہ کار واوباش تھے اور چالاک فقرا، جن کی محبت میں میرک گرفتار تھا، غریب کو غافل و ناتجربہ کار سمجھ کر بادشاہ اور بادشاہزادے کا مال غبن کیا غرض کہ میرک بیچارہ کو گرفتار کر کے چبوترہ کوتوالی پر پہنچایا گیا اور اس کے بد باطن حاشیہ نشین وطن چل دیئے، بیچارہ میرک مصیبت وتنگدستی کی تکلیف میں تنہا گرفتار رہ گیا۔ آخر کو صاحبِ خیر واحسان ارکان و بزرگانِ دولت مثلاً مخلص خان، ملتفت خان اور عنایت اللہ خان مرحوم نے اس سید کے حال پر رحم کھا کر امداد کی اور حضور پُر نور میں بھی بالاتفاق کلمہء خیر سے سفارش کی، ان امیروں کی سفارش سے غریب سیّد کو قید سے نجات ہوئی، لیکن اس کے بعد پھر کسی خدمت پر مامور نہ ہوسکا۔

شاہزادہ کام بخش کی اپنے منصب پر برقراری

قبلہء عالم کے حکم کے مطابق خدا بندہ خان بنگاہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوا اور جمدۃ الملک نماز عید ادا کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا۔ عید کے روز بادشاہزادۂ محمد کام بخش رکابِ سعادت میں سوار وخوش تھے، حاضرین کی پیشکش اور نذریں نظر انور سے گذریں۔ جو اس احتیاج عنایت ورعایت کے منتظر تھے۔ وہ اپنے دلی مدعا میں کامیاب ہوئے۔

سلطان بلند اختر نے مبارک باد عید کی تسلیمات عرض کر کے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا، روح اللہ خاں داروغگی دیوانِ خاص پر تبدیل ہو کر اضافہ سے سرفراز ہوا۔ اصل منصب دو ہزار و پانصدی تھا۔ پانصدی اضافہ ہوا۔ ہدایت اللہ خان نے تولد پسر کی نذر پیش کی۔

مبینہ اکبر باغی کی گرفتاری

منصور خان داروغہء توپ خانہء دکن نے معروضہ پیش کیا کہ میرے بھائی محمد یوسف خان قلعہ دار قمرنگر نے ایک شخص کو گرفتار کر کے حضور میں روانہ کیا ہے جو اپنے آپ کو اکبر باغی ظاہر کرتا تھا، حکم ہوا کہ مجرم حمید الدین خان کے حوالے کر دیا جائے۔

29- شوال کو بادشاہزادہ محمد کام بخش اس خیمہ میں تشریف لے گئے جو گلال بار کے باہر ایک جریب کے فاصلہ پر نصب کیا گیا تھا، 26- ذیقعدہ کو رانا امر سنگھ کے فرستادہ افراد آستان بوسی سے سرفراز ہوئے قاصدوں نے ایک فیل و دو اسپ و نو قبضہ شمشیر اور 9 چرمی پاجامہ ملاحظہء عالی میں پیش کئے۔

امیروں کے عہدہ میں اضافہ

کامگار خان اور راجہ مان سنگھ ولد روپ سنگھ دو ہزار پانصدی امیر تھے ان میں سے ہر ایک کو پانصدی اضافہ مرحمت ہوا، عبدالرحیم خان برادر خان فیروز جنگ ایک ہزاری امیر تھا، پانصدی اضافہ پاکر مسرور ہوا، 10- ذی الحجہ کو بادشاہزادہ محمد کام بخش سواری والا کی آمد و رفت سے پہلے عیدگاہ گئے اور واپس آئے، 29- کو بست ہزاری منصب پر بحال ہو کر تسلیمات نوازش بجالائے۔

چین قلیچ خاں

6- محرم کو چین قلیچ خان کوٹہ سے غنیم کی مہم سر کر کے درگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے امیر موصوف کی عزت افزائی کے خیال سے حکم ہوا کہ بخشی الملک مخلص خان قلعہء اسلام پوری تک استقبال کر کے ہمارے حضور میں لائے، ملازمت کے وقت چین قلیچ خان بہادر پانصدی دو ہزار سوار کا اضافہ حاصل کر کے سہ ہزار و پانصدی و سہ ہزار سوار کے منصب دار قرار پائے۔

محمد ابراہیم کی قید سے رہائی

22- محرم کو محمد ابراہیم ولد نجابت خان مرحوم جس کا خطاب خان عالم تھا قید سے رہا ہو کر عنایتانہ سہ ہزاری دو ہزار سوار منصب پر فائز ہو کر فوج داری جون پور کی خدمت پر مامور ہوا۔ اندر سنگھ و بہادر سنگھ پسران راجہ راج سنگھ میں سے اوّل الذکر کو دو ہزاری ہزار سوار اور دوم کو ہزاری پانصد کے مناصب عنایت ہوئے۔

اسلام گڑھ کی فتح

محمد امین خان نے حسب تحریر خان فیروز جنگ حضور پُرنور میں یہ خبر گذارش کی کہ اسلام گڑھ

کا بد بخت زمیندار افواج اسلام پور کے غلبہ سے شکست کھا کر فرار ہوا، اور اسلام گڑھ پر اولیائے دولت کا قبضہ ہو گیا، گرز بردار نے بلند اختر جعلی کو جس نے نواح الہ آباد میں اپنے آپ کو شجاع کا فرزند ظاہر کیا تھا، گوالیار پہنچایا اور قلعہ دار کی مُہری رسید حاصل کی۔

سنگِ مرمر کا پیالہ

کسی تقریب میں سنگِ مرمر کا ایک پیالہ جو شجاعت خان نے ملتفت خان کے پاس روانہ کیا تھا، نظر انور سے گزرا چونکہ جالدار تھا اس لئے پسند آیا، ملتفت خان کو حکم ہوا کہ شجاعت خان کو لکھ دو کہ اس وضع کے پیالے اور رکابی تیار کر کے حضور میں روانہ کرے، شجاعت خان نے حکم کی تعمیل کی اور ظروف کے ساتھ تخت وحوض چوکی بے جوڑ وسنگ فرش نہایت عمدہ وخوش تر شوا کر بھیج دیئے۔

وحید خان دروغائے مشہور کا پوتا غور بند کی تھانہ داری پر مقرر ہوا، اسی صدی سی صد سوار کا امیر تھا، اس کو چار صدی چار صد سوار اضافہ عطا ہوا۔ ستواد فلیہ جو درگاہ والا میں حاضر ہو چکا تھا برگشتہ بختی سے منحرف ہو کر لشکر سے بھاگ گیا، تربیت خان میر آتش، سید خان، شکر اللہ خان کاشغری اور دیگر امراء کو حکم ہوا کہ اس کا تعاقب کر کے سزا دیں۔

حاجی خانم پر نظر کرم

حاجی خانم ہمشیرہ خان بہادر بھائی کے انتقال کے بعد دار الحکومت سے حضور میں حاضر ہوئی، خانم مذکور کو پانچ ہزار روپیہ کے جواہرات، نیم آستین، دوشالہ اور دو ہزار روپیہ نقد مرحمت ہوئے، نصرت خان پسر خان جہاں بہادر نہصدی پانصد سوار کا امیر تھا ایک صدی کے اضافہ سے اور خان جہاں بہادر کا چھوٹا بیٹا ابوالفتح خاں ہفت صدی سہ صد سوار کا منصب دار تھا سہ صدی یک صد سوار کے اضافہ سے سرفراز ہوا۔

ضیاء اللہ پسر عنایت اللہ خان نے فرزند کے تولد کی تقریب میں شاہانہ پیش کش گزرانی، مخلص خان نے عمدۃ التجار ایران محمد تقی کو ملازمت اقدس میں پیش کیا۔ محمد تقی نے مصحف مجید (قرآن شریف) لنگری غوری، 27- تھان زربفت اور عطر فتنہ ملاحظہ عالی میں پیش کئے۔

ذوالفقار خان بہادر کے بجائے روح اللہ خان داروغہ جلو کی خدمت پر مامور ہوا۔ سیادت

خان کو عبدالرحمٰن خان کی جگہ داروغہ عرض مکرر کا عہدہ عطا ہوا۔ یہ امیر پیشتر ہزاری و دوصد سوار کا منصب دار تھا، اب پانصدی اضافہ عنایت ہوا۔ صف شکن خان بادشاہزادہ محمد معظم ولی عہد سلطنت کا وکیل مقرر ہوا۔

فرمان مبارک صادر ہوا کہ سروپ سنگھ ولد انوپ سنگھ راما کے متعلقین کو ذوالفقار خان بہادر کے پاس سے حضور میں لائے اور حمید الدین خان سیوا کے متعلقین کو جو جمدۃ الملک کے دائرے میں مقیم ہیں راجہ ساہو کے پاس گلال بار میں پہنچائے۔

حفظ اللہ خان پسر سعد اللہ خان ناظم صوبہ ٹھٹھہ وفوج دار سیوستان کو جو پیشتر دو ہزاری ہفت صد سوار کا امیر تھا۔ شاہزادہ محمد معز الدین کی التماس پر سہ صد سوار کا اضافہ عنایت ہوا، حمید الدین خان بہادر دو ہزاری ایک ہزاری و چار صد سوار کا منصب دار، پانصدی اضافہ کی عنایت سے شاد کام ہوا۔

ملتفت خان ہزار و پانصدی دوصد سوار کے امیر کو یک صد سوار اضافہ مرحمت ہوا، شیخ سعد اللہ مشرقی خواصان کی خدمت سے تبدیل کیا گیا۔ یہ خدمت علاوہ خدمات سابقہ کے مؤلف کو تفویض فرما کر عزت افزائی فرمائی گئی۔

خان نصرت جنگ نے سعادت باریابی حاصل کی، خلعت و اسپ و فیل و خنجر مرصع کے عطیات سے سرفراز ہوا۔

قلعہ بسنت گڑھ کی فتح

کارکنان قضا و قدر نے نظام عالم کو حضرت بادشاہ دین پناہ کی رائے سے اس لئے وابستہ کر رکھا ہے کہ حضرت کے ہر شگون میں ایک سکون، اور ہر حرکت میں خیر و برکت کے آثار نمایاں ہیں۔

قبلہ عالم نے اسلام پوری میں چار سال قیام فرمایا اس مدت میں خلق خدا نے بے حد امن و امان اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کی اور مخلوق خدا پر طرح طرح کے الطاف و احسانات شاہی مبذول ہوتے رہے، اگرچہ اس دوران میں بھی جرار لشکر شاہی نے باغیوں کے گروہ کو دم لینے کی فرصت نہ دی، اور ان کو قتل و اسیر کرنے میں برابر سرگرم رہے لیکن پھر بھی اکثر صاحب دل عارفوں

کی بشارت، القائے طبیعت اور مصلحت ملک گیری کے تقاضے سے جہاں پناہ کی دلی آرزو یہی رہی کہ ثواب جہاد کو حاصل کرنے کے لئے خود بدولت توجہ فرمائیں، چونکہ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ربط ساعتہ خیر من عبادۃ ستین سنۃً (جہاد کے لئے ایک ساعت کمر بستہ ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے)۔ اس لئے حضرت کا قلبی منشا یہ تھا کہ اشخاص حربی غیر مسلم کے ذیل میں آئیں اُن کے شہر اور قلعے سمندِ اقبال سے پامال فرمائیں۔

ڈھائی کوس کا گھیرا پندرہ دن میں تعمیر کیا گیا

قبلہء عالم نے حکم دیا کہ اس چھوٹے مضبوط قلعے کے ہر چہار طرف جو ایک سال قبل دائرہ دولت کے گرد کچ اور پتھر سے بنایا گیا ہے ایک خام قلعہ جس میں ڈھائی کوس کا رقبہ ہو تیار کیا جائے، فرمان والا کے مطابق تعمیر شروع ہوئی اور جو کام عقلاً سال میں پورا ہوتا سربراہ کار منتظموں کی کوششوں سے پندرہ دن میں تکمیل کو پہنچ گیا، حضرت نے نواب قدسیہ زینت النساء بیگم اور بادشاہزادہ کی والدہ اور دیگر خدام محل و متعلقان خلائق کو اس بنگاہ میں امن و امان کے ساتھ منتقل فرمایا، اور جمدۃ الملک اسد خان مدار المہام کو فوج مناسب کے ہمراہ حفاظت کے لئے مقرر فرما کر 5- جمادی الاوّل کو مبارک و مسعود ساعت میں آفتاب کی طرح جو بساطِ عالم پر جہاں گردی کے لئے نکلتا ہے خود بدولت و اقبال جہانگیری کے عزم سے روانہ ہوئے۔

مئولف کے قلم میں یہ قدرت کہاں کہ تمام منزلوں کے سفر و قیام کا روزنامچہ معرضِ تحریر میں لائے، مختصر یہ کہ قبلہء عالم 20 روز میں راستہ طے کر کے مرتضیٰ آباد عرف مرج میں رونق افروز ہوئے اور حضرت کے ورود سے شہر کی برکت و خوش حالی کا کچھ دوسرا ہی عالم ہو گیا۔

بادشاہزادہ عالی جاہ محمد اعظم شاہ جو بیدگاؤں سے حضور پُر نور میں طلب ہوئے تھے حاضر ہوئے اور اسی منزل میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے بے شمار عنایات و الطاف شاہی سے سرفراز ہوئے، جہاں پناہ نے عالی جاہ کو خلعت خاصہ و ھگدھگی مرصع و اسپ مع ساز مینا کار بطور انعام مرحمت فرمایا۔

مخبروں کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ رامابد بخت برار کی طرف فرار ہو چکا ہے، اور جہاں پناہ نے شہزادہ والا تبار محمد بیدار بخت کو مامور فرمایا کہ اپنی بنگاہ کو مرتضیٰ آباد میں چھوڑ کر اس کے تعاقب

میں روانہ ہوں۔

روح اللہ خان کو خلعت و شمشیر اور حمید الدین خان بہادر کو خلعت اور کٹار بہ طور انعام عنایت ہوئے اور ارشاد ہوا کہ پرنالہ گڑھ سے ستارہ گڑھ تک تمام حصہء ملک اس طرح تباہ و تاراج کیا جائے اور گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیں کہ آبادی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

قبلہء عالم سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے نواح پرگنہ میں رونق افروز ہوئے اور معروضہ پیش ہوا کہ اس مقام پر ایک بادشاہی تھانہ قائم تھا، جس کو بدانجام دشمن نے تباہ کر دیا ہے اس کے علاوہ ایک مسجد بھی اسلاف کی تعمیر کردہ و یادگار ہے اور وہ بھی اس زمانہ میں غیر مسلم حریف کے دل کی طرح بے نُور ہے۔ اس اطلاع پر حضرت دو کوس مسافت طے کر کے نشادہ دادہ مسجد میں تشریف لے گئے اور دوگانہء شکر ادا فرمایا، قبلہء عالم نے اس مکانِ خیر کو آباد رکھنے اور تھانہ قائم کرنے کے لئے فرمان صادر فرمایا، حضرت کے ورود کے بعد مفرور رعایا امن و امان و انعام سے مطمئن ہو کر دوبارہ آباد ہو گئی اور ایک جمعیت اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہو گئی۔

قلعہ بسنت گڑھ

جہاں پناہ نے اس مقام سے کوچ کر کے دوسرے تھانہ سواری نام میں جو اسلامی لشکروں کی چھاؤنی ہے قیام فرمایا۔ اس کے سامنے تین کوس کی مسافت پر پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط قلعہ واقع ہے جو بسنت گڑھ کے نام سے مشہور ہے یہ قلعہ دشمن کے تصرف میں تھا اور مضبوطی اور استحکام کے اعتبار سے دنیا میں مشہور و معروف تھا، اس میں وسعت اتنی زیادہ تھی کہ پائے خیال کو اس کی سیر شاق گذرتی تھی، بادشاہ دین پناہ کے کمالِ اقبال کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ جدھر حضرت نے توجہ فرمائی اقبال خود قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ دشمن اگر سرتاپا آہن ہوا تو بھی بادشاہ کے آفتاب قہر کی طاقت سے موم ہو گیا۔ فرمانِ مبارک نافذ ہوا کہ تربیت خان میر آتش اس پہاڑ پر پہنچ کر قلعہ سے بدباطن افراد کو نکالنے کی کارروائی شروع کرے۔

تربیت خان نے دو سال تک اس قلعہ کو سر کرنے کے لئے جانفشانی کی، اس امیر نے توپ خانہ کے عملہ کو دیوار قلعہ کے نیچے تک پہنچا دیا اور آتشبار توپ قلعہ کے مقابل نصب کر کے یہ امیر دشمن سوزی میں مشغول ہوا۔ مگر قلعہ نشینِ دشمن کی توپ اندازی ختم نہ ہوتی تھی، اور برابر آگ

برسائے جاتا تھا۔

یہ خبر قبلہء عالم تک پہنچی ارشاد ہوا کہ دولت خانہ دریائے کرشنا کے کنارے جو قلعہ کے نیچے ایک کوس تک بہتا ہے نصب کیا جائے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس اقدام بابرکت سے مقصود یہ ہے کہ جہاد کر کے خدا و رسول کی خوشنودی حاصل کی جائے انشاء اللہ صبح کو رکاب میں پاؤں رکھ کر غیر مسلم اشرار کی تیغ و خنجر سے خبر لی جائے گی۔

دولت خانہ نصب ہونے اور حضرتِ اقدس و اعلیٰ کی تشریف آوری کی خبر مشتہر ہونے سے باطل پرست دشمن کی جو پیشتر مطمئن و قوی دل تھا کمرِ ہمت بالکل ٹوٹ گئی اور اس نے اسی روز فریاد وزاری کر کے پناہ و امان طلب کی اور اپنی آبرو بہ اہلِ و عیال کو سلامت نکال لے جانا ہی غنیمت خیال کیا، چونکہ قبلہء عالم کی بارگاہِ عاجز نواز اور بیکسوں کی جائے پناہ سے فرمانِ مبارک صادر ہوا کہ محصور ہتھیار ڈال کر خالی ہاتھ نکل جائیں اور اُن پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ رات کے وقت روسیاہ دشمن قلعہ سے نکلے اور صبح کو بروز یک شنبہ بتاریخ 12- جمادی الآخر قلعہ شاہی پر قبضہ ہو گیا۔ یہ قلعہ بعد میں کلید فتح کے نام سے موسوم ہوا۔

تاریخ فتح

اس قلعہ سے دفینے اور بے شمار ذخائر و اسلحہ عمال سرکار کے قبضہ میں آئے، مسرت و شادمانی کے نعرے بلند ہوئے اہلِ زمین کی یہ مبارکباد کہ یہ فتح آئندہ فتوحات کا مقدمہ ہے اہلِ آسمان کے کانوں تک پہنچی غازیانِ لشکر بے حساب عطیات و انعامات سے بہرہ مند ہوئے۔ ایک تاریخ گو نے کفر شکست سے اس کا مادہ تاریخ نکالا اور اس کو اس قدر انعام عطا فرمایا گیا کہ دولتِ دنیا سے بے نیاز ہو گیا۔

راما کی شکست اور فرار

4- جمادی الآخر کو سمعِ مبارک تک یہ خبر پہنچی کہ شاہزادہ محمد بیدار بخت کا دریائے نربدا کے دوسرے ساحل پر راما سے مقابلہ ہوا، فریقین میں سخت لڑائی ہوئی، اور خان عالم اور سرفراز خان نے کارہائے نمایاں انجام دیئے راما بحالِ تباہ خیمہ و خرگاہ وغیرہ تمام سامان غازیانِ لشکر کے لئے چھوڑ

کر خود فرار ہو گیا۔

شاہزادہ اور دیگر کارگزار خدام کو بے حساب انعامات مرحمت ہوئے اور اُن کے فخر و اعزاز میں اضافہ فرمایا گیا۔ خان بہادر کو حکم ہوا کہ شاہزادے کے ہمرکاب راما کا تعاقب کریں اور جہاں کہیں وہ سر اٹھائے کافی سرکوبی کر کے فتنہ و فساد کو فرو کریں۔

محمد اکبر کی عرضداشت

محمد اکبر کے دو ملازم عرضداشت عفو جرائم و صندوقچہ ءعطر لے کر قندھار سے آستانہ ءشاہی پر حاضر ہوئے، ان اشخاص کے ہمراہ خلعت و فرمان محمد اکبر کے نام روانہ کیا گیا جس میں ہدایت تھی کہ جب تک آپ کو سرحد تک نہ پہنچاؤ گے، خطائیں معاف نہ ہوں گی، ملک بادشاہی میں داخل ہونے کے بعد صوبہ داری بنگالہ کا فرمان مرحمت ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر عنایات و مراحم خسروانہ سے سرفراز ہوں گے۔

امانت خان متصدی بندرسوت نے وفات پائی اس کا بڑا بھائی دیانت خان اس کی خدمت پر مقرر ہوا، سیف الدین خان صفوی شولاپور کا قلعہ دار ہو کر مطمئن اور دل شاد ہوا۔

لطف اللہ خاں ناظم بیجاپور

لطف اللہ خان صوبہ بیجاپور کا ناظم مقرر ہوا، دو ہزار پانصدی و یک ہزار و چار صد سوار کا امیر تھا اب پانصدی سہ صد سوار کے اضافے سے سرفراز ہوا اور اپنے فرائض کو حسن و خوبی سے انجام دے کر نیک نام و مصروف ہوا۔

تسخیرِ قلعہ ستارہ

دقیقہ سنج، اختر شناس و روشن ضمیر حضرات کو معلوم ہے کہ زمین و آسمان کو زینت دینے والے اور حمد و ثنا سے بے نیاز و قادر مطلق صانع باکمال نے ہر مصنوع میں ایک سعادت و برکت اور ایک مصلحت و کمال ودیعت فرمایا ہے جس کی وجہ سے وہ مصنوع اپنی صنف کے اور دیگر مخلوقات میں خاص شرف و امتیاز حاصل کرتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ستارہ نام ایک قلعہ نہایت بلند پہاڑ کے پشتے پر واقع ہے جس

کی رفعت و بلندی کی نسبت یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ: ؎

بالائے سرش زار جمندی تابندہ ستارہ بلندی
بر پشت دے آسماں نمودے چوں بر شترے جل کبودے

اس پہاڑ کو آسمان اور قلعے کو ستارہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ قلعہ کیا ہے ایک دنیا ہے جس کے طول و عرض کو دیکھ کر ایک عالم حیران ہے۔ اس کی وسعت حدِ قیاس سے باہر ہے حصار نہایت درجہ محفوظ و مضبوط ہے، اس ستارے کی پیشانی میں یہ نوشتہ درخشاں تھا کہ آفتاب عالم تاب میں حصار کو دشمن کے قبضے سے نکالنے کے لئے شہاب ثاقب کی طرح بہ نفس نفیس توجہ فرمائیں اور اسے مسخر فرما کر اس کی خوش قسمتی میں چار چاند لگا دیں۔

25- جمادی الآخر 43 جلوس کو قبلہء عالم نے قلعے کے نیچے نصف کوس کے فاصلے پر قیام فرمایا اور اس کی دوسری جانب بادشاہزادہ عالم محمد اعظم شاہ کا خیمہ نصب ہوا لشکر ظفر موج قرب و جوار میں فروکش ہوا۔

حسب فرمان اقدس و اعلیٰ تربیت خان میر آتش نے قلعہ گیری کی تیاری کی غرض سے مورچال بندی شروع کر دی، بہادران لشکر کمر کوہ تک پہنچ کر چند روز میں اپنی کوشش سے اس قابل ہو گئے کہ زبردست و مہیب توپیں پہاڑ پر پہنچا دیں۔ بلا مبالغہ ان توپوں کی آواز سے پتہ پانی ہوتا ہے، اور ان کی ضرب نہایت روح فرسا و فیصلہ کن ہے، دیوار حصار کی یہ کیفیت ہے کہ وہ دیکھنے میں تو دیوار نظر آتی ہے مگر یکسر پہاڑ ہے، جس کی بلندی تیس گز ہے اور اس کے اوپر چھ گز تک گچ اور پتھر سے سنگین فرش بنا دیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ چونکہ حصار ایک جنگ جُو دشمن کا مستقر و مرکز ہے اس لئے استحکام و حفاظت کے تمام اسباب یعنی توپ خانہ ذخیرہ وغیرہ سے معمور ہے۔ قلعہ میں پانی کی بھی افراط ہے جس کے لئے عین موسم گرما میں بھی چشمے جاری رہتے ہیں، علاوہ بریں جاں نثار سواروں کی کثیر تعداد انتظام و حفاظت کے لئے مقرر ہے۔

دشمن کی طرف سے روز و شب بان، تفنگ (بندوق)، حقہ، چادر، مشک اور متوالہ کی مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے اور اس کی بے شمار بیرونی فوجیں رسد پر دھاوا کر کے حملہ آور ہوتی تھیں، قرب و جوار میں بیس کوس کے فاصلہ تک گھاس کا نام و نشان نہ تھا غنیم بارہا جسارت و بے حیائی کے ساتھ اردوئے معلیٰ کے قریب تک آ پہنچا مگر اس گستاخی کی سزا پا کر بے نیل و مرام مفرور ہوا۔ غلہ اور

گھاس کی گرانی انتہا کو پہنچ گئی۔

ان حالات کو دیکھ کر ظاہر پرستوں کا یہ خیال ہو گیا کہ اس قلعہ کو فتح کرنا محال ہے، مگر بادشاہ دین پناہ جن کو خدا کی طرف سے توفیق حاصل ہے اور جو راہِ خدا کے مجاہد میں اسی طرح مستقل و ثابت قدم تھے، قبلہء عالم کا دل قوی اور عزم راسخ تھا، اسی استقلال کا نتیجہ تھا کہ دیوار قلعہ سے تیس ہاتھ کے فاصلہ پر برج کے مقابل ایک دمدمہ قائم کیا گیا۔ دمدمہ کے قیام وانتظام کی وجہ سے تیس چالیس کوس کے گرد درخت کا نام ونشان نہ رہا۔

پھر بادشاہزادے کی طرف سے ہر مورچال قلعے کے نیچے تک بڑھائی گئی اور حکم ہوا کہ چابک دست نقب زن لگانے کی کارروائی شروع کریں، چنانچہ اسی دمدمے کے نزدیک چند روز کے اندر چوبیس گز کے سنگِ خارا کو جس کا نام برج ہے خالی کر دیا، پھر وہ پیام قوم طلب ہوئی جو پادیہ کے نام سے مشہور اور قلعہ گیری میں کمال رکھتی ہے، حسب الحکم دو ہزار نفر حاضر ہوئے، تین سال کی پیشگی تنخواہ یعنی ایک لاکھ چھتیس ہزار روپے ان اشخاص کو مرحمت ہوئے۔ قلعے پر چڑھنے کا اسباب زینہ ومال اور چرمی کپڑے وغیرہ ضروریات کا انتظام کیا گیا۔

دست اگر در کمر راہبر دل زدۂ
بے تکلف بمیاں دامن منزل زدۂ

چونکہ تجربہ کار افراد کی نظر میں یہ تمام سامان قلعہ گیری کے لئے مفید وکافی نہ تھا اس لئے تربیت خان نے اس دمدمہ کے نیچے زینہ لگایا، جو چوبیس گز اونچا تیار کیا گیا۔ اس تمام کارروائی میں ہزار کجاوے اور ٹاٹ کے تھیلے (جو کم یابی کی وجہ سے روپے کے چار گز بھی نہ ملتے تھے) مہیا کئے گئے اور جنگل کی لکڑی صرف ہوئی پھر خاک ریزی کے بعد نقب، قلعہ کے نیچے پہنچائی گئی، اور قلعہ کے اوپر چوبی زینے نصب کئے گئے۔

لیکن اس اہتمام سے اس سے زیادہ نتیجہ نہ نکلا کہ تربیت خان نے پہلے دمدمہ کے راستے بند کر دیئے جس کی وجہ سے محصور دیوار قلعہ سے سر اٹھا نہ سکے، اور انہیں بندوق چلانے کی مجال باقی نہ رہی، چونکہ حریف اب ایک چور دیوار کے نیچے بیٹھ کر پتھر برساتے تھے اس لئے بہادران لشکر یورش کر کے دیوار پر چڑھنے میں کامیاب نہ ہوتے تھے۔

فرمان مبارک صادر ہوا کہ بہادر فتح اللہ خان روح اللہ خان کے اہتمام میں ایک اور

مورچال قلعے کے دروازے کی طرف سے بڑھائیں۔ 5- شوال 44 جلوس کو خان مذکور نے اپنی بہادرانہ فکر و تدبر سے ایک ماہ کی مدت میں ایوانی قلعے کے نیچے تک مورچال پہنچائی۔

تربیت خان نے اپنی سُست کارگزاری کی تلافی میں جو زینہ نصب کرنے میں ظاہر ہوئی تھی قلعہ کے سنگ چیین میں ایک طاق کھودا جس کی وجہ سے ایک طرف سے چودہ گز اور دوسری جانب سے دس گز دیوار خالی ہوگئی، اس قلعہ اور ان بہادران لشکر کے درمیان جو اس طاق میں پہرہ دیتے تھے ایک پردہ سے زیادہ حجاب باقی نہ رہا لیکن طرفین میں کسی شخص کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس ہاتھ بھر زمین کو طے کر لے۔ آخر یہ قرار پایا کہ اس تمام جوف (طاق) کو بارود سے بھر کر دیوار اڑا دی جائے تا کہ راہ نکل آئے اہلِ یورش قلعے کے اندر آسانی سے داخل ہوسکیں، جہاں پناہ نے حکم دیا کہ علاوہ پیادہ و سوار اور توپ خانہ و خاص چوکی و افغان و کہکر و دیگر مامورین اور کرناٹک کی فوجوں کے جو شب و روز وہاں حاضر رہتی ہیں، بخشی الملک مخلص خان اور حمید الدین خان بہادر بھی چند ہزار سواروں کے ہمراہ موقع کے منتظر رہیں تا کہ جب نقب اڑائی جائے اور سرفروش جماعت قلعہ میں داخل ہو تو اُس کی امداد کریں۔

ماہ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ صبح کو جو اپنی ہول و دہشت کی وجہ سے شام کا حکم رکھتی تھی پہلے فتیلہ کو آگ دی گئی، جس کی وجہ سے قلعہ کی اندرونی دیوار گری، اور اہلِ قلعہ کثیر تعداد میں نذرِ آتش ہوگئے۔ شاہی لشکر نے اس خیال سے کہ یہ دیوار بھی اندر کی جانب گرے گی ان فوجی دستوں کی خبر نہ لی جو یورش کے منتظر تھے دیوار زمین پر آئی اور اُن کو ہٹنے کا موقعہ نہ ملا اور فلیتہ سلگتے ہی دیوار بجائے اس طرف کے اس طرف گری، چند ہزار اشخاص پر پتھر اور مٹی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اور جو لوگ زمین کے نیچے خندقوں میں پناہ گزیں تھے وہ وہیں دفن ہو کر رہ گئے، اس قیامت خیز سانحے سے ایسا زلزلہ برپا ہوا کہ تقریباً دو ہزار بہادر ایسے پامال ہوئے کہ ان کے پوست و استخوان ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اب موقع اس قدر خطرناک ہوگیا تھا کہ اگرچہ اس وقت شاہی لشکر کے حصار میں داخل ہونے کی کافی گنجائش خود بخود نکل آئی تھی اور معقول و وسیع راہ پیدا ہوگئی تھی، اور بعض پیادے دوڑ کر گئے اوپر چڑھ کر کہہ بھی رہے تھے کہ بلا خوف و خطر حصار میں داخل ہو جاؤ، دشمن اس مقام پر نہیں ہے لیکن اہل مورچال پر اس قدر خوف و ہیبت طاری تھی کہ کسی کو اس راہ میں قدم رکھنے کی

ہمت نہ ہوتی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ بنا بنایا کام بگڑ گیا اور انتظام میں ابتری پیدا ہوگئی چند ساعت گزرنے کے بعد موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا اور جب محصورین نے دیکھا کہ بادشاہی فوج کا کوئی شخص بھی ادھر نظر نہیں آتا تو دیوار پر چڑھ کر بندوق زنی شروع کی، دمدمے اور توپیں گر چکی تھیں اور کارگزاروں نے کام سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، دشمن کے مقابلے پر کوئی نہ تھا اور ایسے نازک وقت میں صرف قبلہء عالم کا مقدس وجود اپنی روحانیت سے سپاہ کے افسردہ دلوں میں حرارت پیدا کر رہا تھا۔ اور وہ ہمت پاکر کشتوں کے پشتے پر سے گزرتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوتے رہے۔ سچ ہے کہ جب تک کوئی کام بننے والا نہ ہو، تمام کام خراب ہو جاتے ہیں، اور بغیر سردار کے زبردست بہادروں کے قلوب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اگر زبردست سوار تعداد میں ایک لاکھ بھی ہوں تو بغیر سردار کے اُن کا عدم وجود برابر ہے۔ اور سردار اگر تن تنہا میدان میں آ جائے تو اُن ایک لاکھ کی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔

آفتابے بباید انجم سوز
از چراغ تو شب نگرد و روز

اسی مصلحت کی بنا پر جہاں پناہ نے پیش بینی و عاقبت اندیشی کے اصول پر عمل کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وسطِ کوہ میں ایک خیمہ نصب کیا جائے تا کہ خود بدولت اور بادشاہزادہ اس میں مقیم ہو کر بنفس نفیس کارفرمائی فرمائیں، مگر چونکہ تقدیر کا منشاء کچھ اور ہی تھا اس لئے تمام مدبرانِ سلطنت نے بالاتفاق منت وسماجت کے ساتھ قبلہء عالم کو اس ارادہ سے باز رکھا۔

اس روز بھی سواری مبارک کی تیار تھی لیکن ظاہر ہے کہ کام ابتر ہو جانے کے بعد سعی و کوشش سے فائدہ نہیں ہوتا، قبلہء عالم نہایت عزم و استقلال اور وقار و حوصلہ کے ساتھ بار بار جرأت دلا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے **یا لیتنی کنت معھم فانوز فوزاً عظیما** جہاں پناہ نے افسردہ دل سپاہیوں کو پیام بھیجا۔

> ''کیوں تم نے اپنے آپ کو اس قدر وہم و اضطراب میں گرفتار کیا ہے، ظاہر ہے کہ تم پر کوئی چھاپہ نہیں مارا گیا بلکہ ہمیں نے ایک تدبیر کی تھی جو کارگر نہ ہوئی، چھت کے گر پڑنے سے ایک جماعت کا اس طرح ہلاک ہونا کوئی پریشان کن و تعجب انگیز واقعہ نہیں ہے۔''

قبلہء عالم نے پھر اسی روز سید سرفراز خان مناجی اور بخشی الملک بہرہ مند خان کی جمعیت کو

حکم دیا کہ موقعہ پر پہنچ کر تربیت خان کی رفاقت میں مورچہ قائم رکھیں۔

جو اشخاص زمین میں دب کر مر گئے تھے ان کے بعض وارثوں کے وقت پر پہنچ جانے کو حکم دیا کہ موقعہ پر پہنچ کر تربیت خان کی رفاقت میں مورچہ قائم رکھیں۔

جو اشخاص زمین میں دب کر مر گئے تھے ان کے بعض وارثوں کے وقت پر پہنچ جانے کی وجہ سے لاشوں اور زخمیوں کے اٹھالانے کا موقعہ مل گیا، ان غریبوں کے ورثا نے مردہ اجسام کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور زخمیوں کی تیمارداری اور علاج میں مشغول ہوئے جن تباہ حال کے سر پر کوئی مددگار نہ پہنچ سکا وہ زبان حالی سے یہ کہہ کر وہیں ختم ہو گئے۔

پے گم گشتگی، ستارۂ ماست •
بالِ عنقا کلیدِ چارۂ ماست

تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بھلیسہ پیادوں نے جو اپنے بھائی بیٹوں واعزہ واحباب کے دب جانے کی وجہ سے ملول ومغموم ہو گئے تھے، اور میر آتش سے خار کھائے بیٹھے تھے یہ معلوم کر کے کہ پتھروں اور زمین کے نیچے سے مُردوں کا لانا دشوار ہے اور لاشوں کا جلانا ان کے دین وآئین میں واجب ہے، دفعتاً ہنگامہ آرائی کی اور اسی رات کو خفیہ طریقہ پر اس مورچال میں آگ لگا دی جو سر سے پاؤں تک لکڑی سے تیار کی گئی تھی، یہ آگ سات دن تک متواتر روشن رہی۔ اتنا پانی وہاں موجود نہ تھا جو اس آگ کے جنگل کو بجھاتا، تمام ہندو اور مسلمان جن کو نکلنے کا موقع نہ مل سکا وہیں جل کر خاک ہو گئے، سبحان اللہ دنیا کا آتش کدہ بھی عجیب مقام ہے، جس کے تباہ کن شعلے دوست دشمن کسی سے بھی رعایت نہ کرتے، اور اس کے کرشموں پر کسی فرد کو زبان کھولنے کی ہمت نہ ہوتی۔

ایں مرحلہ گرچہ دل نشیں است
ہشدار کہ شِ آتشیں است

ان سرداروں نے شکم سیری کی امید اور جان کے خوف سے جو ملازمین کو بادشاہوں کی خدمت سے وابستہ کرتی ہیں، قلعہ کی تسخیر کے لئے چند ایسی کوششیں بھی کیں جن کے تصور سے وہم قاصر ہے، مگر یہ کلیہ مسلمہ ہے کہ جب تک وقت نہیں آتا کوئی کام درست نہیں ہوتا۔ اور پیش از وقت اور تقدیر کے مقابلے میں تمام تدبیریں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔

اللہ اللہ اقبال شاہنشاہی اور قبلہء عالم کے طالعِ بیدار اور رفعت و بلندی کا کیا اندازہ ہو سکتا

ہے کہ پچاس سال متواتر جس جانب توجہ فرمائی اقبال ہمرکاب رہا اور فتح وظفر نے ہر مرتبہ سعادتِ قدم بوسی حاصل کی۔

راما اور اس کے لڑکے کی وفات

25- رمضان 44 جلوس کو پرچہ نویسوں نے اطلاع دی کہ راما بد بخت جو اس زمانے میں برار کی سمت آوارہ وطن تھا ناکام و نامراد دنیا سے رخصت ہوا۔ 10- شوال کو معلوم ہوا کہ راما کی جمعیت نے اس کے جس پنج سالہ فرزند کو اپنا سردار مقرر کیا تھا اس نے بھی متوفی باپ کی رفاقت حاصل کی۔

اس غیبی تائید اور آسمانی امداد کو دیکھ کر اقبال بادشاہی کی ہیبت اور اپنے انجام کے خوف سے پرسرام جو راما کا مختار تھا، قلعہ ءستارہ سے نکل کر روح اللہ خان کے توسط سے عفو جرائم کے لئے بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوا۔

نگہبان قلعہ کی عرضداشت

سوبھان، قلعہ ءستارہ کا نگہبان بے حد ہوشیار و خوش نصیب تھا، جب اُس نے دیکھا کہ دیگر اشخاص التجا اور کار برآری کرنے میں سبقت لے جائیں گے اور قلعہ کی دیوار تربیت خان کے مورچال کی طرف سے نصف برج تک 70 گز کے قریب گر چکی ہے، بے شمار جمعیت کڑک، بجلی اور بے مروت لوگوں سے تباہ ہو چکی ہے، خصوصاً ملک ضبط (نام توپ) جو بادشاہزادہ کے مورچال کے عقب میں پشتہ کوہ پر لگائی گئی ہے، قلعہ کی عمارت کو منہدم کر رہی ہے، چار سو آدمی نقب کی آگ سے جل کر خاک سیاہ ہو چکے ہیں، اور فتح اللہ خان مورچال کو قلعے کے دروازے تک پہنچا کر ارادہ کر رہا ہے کہ پنجہ ءآہنی کی ایک ضرب سے قلعہ کو اکھاڑ پھینکے، اور ایک زبردست حملے سے دیوار قلعہ کو زمین کے برابر کر دے تو بجز اس کے کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ جہاں پناہ کے آستانہ ءاقدس پر حاضر ہو کر عجز و نیازمندی کی نذر پیش کرے۔

قلعہ کی فتح

یہ خیال کر کے سوبھان نے اپنا ایک قاصد رحم و پناہ جوئی کے التماس کے لئے بادشاہزادہ جم

جاہ محمد اعظم شاہ کی خدمت میں روانہ کیا، بادشاہزادے نے قلعہ کے کئی ہزار مرد وعورت کی جانوں پر رحم کیا اور اجل گرفتہ دشمن کی سفارش حضرتِ اقدس کی بارگاہ میں کی، خدا کا شکر ہے کہ شاہزادہ جمشید نشان کی استدعا قبول ہوئی اور فرمانِ مبارک شرف صدور لایا کہ محصوروں کو امن وامان کے ساتھ قلعہ سے نکل جانے کا موقعہ دیا جائے۔

13-ذی قعدہ سنہ مذکور کو فتح ونصرت کے علم قلعے کے برج وفصیل پر نصب ہو گئے اور نوبت ونقارہ کی آواز سے آسمان تک گونج اٹھا۔ کمال تو یہ ہے کہ یہ قلعہ پہلے بے نور ستارہ تھا اب بادشاہ دین پناہ کی نظر تسخیر اثر سے منور ہو کر آفتاب ہو گیا، قلعے کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ پہلے ایک ویرانہ تھا جس میں بوم صفت اشخاص آباد تھے، اب قبلہء عالم کی معدلت گستری کی بدولت ممالکِ محروسہ میں شامل ہو کر، آباد ومعمور ہوا۔ اہلِ عالم نے اثر پذیر انداز بیان میں بادشاہ عالم وعالمیان کی حضور میں گذارش کی۔ ؎

اے رُوئے تو برق عالم افروز
مہتاب شب و ستارۂ روز
اے چشم تو وردم نظارہ
برق افگنِ خرمن ستارہ

اور مقبول طرز میں خدا سے دعا مانگی کہ دست حق پرست اشرار کے قلعے منہدم کرنے اور فاسقوں اور بدکاروں کے شہر برباد کرنے میں ہمیشہ تائید یافتہء غیب رہے۔

قلعہ ستارہ کے بجائے قلعہ اعظم تارا

چونکہ حصار مذکور بادشاہزادۂ عالی جاہ محمد اعظم شاہ کے توسط سے سر ہوا تھا اس لئے قلعہ اعظم تارا کے نام سے موسوم فرمایا گیا۔ دوسرے روز بادشاہزادہ عالی جاہ سوبھان کو ہاتھ اور گردن باندھے ہوئے بارگاہِ اقدس میں لائے حکم ہوا کہ اس کے بند کھول دیئے جائیں، اور اس کے سر نیاز کو درگاہِ والا کی بندگی سے سرفرازی بخشی جائے، قبلہء عالم نے سوبھان کو منصب پنج ہزاری ودو ہزار سوار اور خلعت وکٹار واسپ وفیل وعلم وطوغ ونقارہ اور بیس ہزار روپے نقد مرحمت فرما کر سربلند وممتاز فرمایا، سوبھان نے بکمالِ عقیدت اپنی زبان میں عرض کیا۔ ؎

ریاض بخت بخندید ازیں ترانہء شکر
کہ نقشِ سجدہ ام آخر بکوئے شاہ نشست

سن جلوس کے بقیہ حالات

تسخیر قلعہ کی کارروائی 25- جمادی الآخر 42 جلوس کو شروع ہوئی اور 13- ذیقعدہ 44ھ کو یعنی 4 ماہ 18 دن میں ختم ہوئی، چونکہ مولف الٰہی واقعات کے جمع وترتیب میں متوجہ رہا، اس لئے دیگر مسلسل واقعات موقع پر قلمبند نہ ہو سکے۔ خاکسار مؤلف اب تسلسل قائم کر کے وہ واقعات ہدیہء ناظرین کرتا ہے جو اس مدت میں پیش آئے۔

23- جمادی الآخر 42 جلوس کو حمدۃ الملک نے کلید فتح کی تہنیت میں چار سو اشرفیاں پیش کیں جو نظر انور سے گذریں۔ بخشی الملک مخلص خان نے حسب فرمان والا شاہزادہ محمد کام بخش کو شاہ عالی جاہ (محمد اعظم) کی خدمت میں حاضر کیا شاہ عالی جاہ کے التماس پر حکم ہوا کہ بادشاہزادے دیوان کے وقت بھی آتے رہیں۔

شیخ فرید پسر حمید خان خانی کے خطاب سے سرفراز ہوا، 14- رجب کو شاہزادہ محمد بیدار بخت بہادر رانا کی سرکوبی سے واپس ہو کر سعادت ملازمت سے مشرف ہوئے۔ نصرت جنگ نے آستانہ بوسی کی عزت حاصل کی اور بے شمار عطیات سے مسرور ہوا۔

اخلاص خان کی وفات

5- رجب کو اخلاص خان المخاطب بہ اہتمام خان گشت وطلایہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ لشکر شاہی سے ایک کوس کے فاصلے پر دشمن کی جمعیت نمودار ہوئی، اور فریقین میں سخت مقابلہ ہوا، اخلاص خان اپنے اور نجابت خان مرحوم کے فرزند کے ہمراہ شہید ہوا، اور دیگر بے شمار ہمراہی بھی قتل وزخمی ہوئے۔

اخلاص خان کی خدمت حمید الدین خان کو تفویض ہوئی اور اس امیر کو خلعت خاصہ سمعہ کمر مرصع مرحمت ہوا۔

جہاں پناہ کے حضور میں معروضہ پیش ہوا کہ لشکرِ شاہی سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر محمد امین

خان غنیم سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اگر خان مذکور کو مدد پہنچے تو دشمن مغلوب ہوسکتا ہے، حکم ہوا کہ حمید الدین خان بہادر امداد کو روانہ ہو۔

بخشی الملک بہرہ مند خان اور حمید الدین خان بہادر کھتانوں کی طرف رسد لانے کے لئے روانہ ہوئے تھے اس اثناء میں اُنہیں جس مقام پر دشمنوں سے سابقہ پڑا اُن امیروں نے قتل کیا اور بکثرت رسد مہیا کر کے لشکرِ شاہی میں پہنچائی۔ امراء ملازمت سے مشرف ہوئے، اور ان کی کارگزاری پر تحسین فرمائی گئی، بہرہ مند خان کو زمرد کا جڑاؤ تکیہ اور حمید الدین خان کو سرپیچ بشور انعام مرحمت ہوا۔

رام چندر تھانہ دار کھتانوں اصل واضافے کے ساتھ دو ہزاری وسہ ہزار سوار کے منصب پر ممتاز ہوا۔

20- شعبان کو بادشاہزادہ محمد معظم مہین پور خلافت براہیر خان کے بجائے دارالسلطنت لاہور کے ناظم مقرر ہوکر عنایاتِ شاہی سے سرفراز ہوئے۔ جہاں پناہ نے بلند اختر کو شمشیر وخنجر وسپر ترکش وکمان وقربان بلند اختر کو مرحمت فرمائیں اور شاہزادۂ مذکور خلوت میں تسلیمات بجالائے۔

☆☆☆☆☆

الفاظ "ھذا نصر اللّٰہ" سے اس فتح مبین کی تاریخ نکالی گئی۔

بھوسان گڑھ کی طرف کوچ

نورس تارا کی تسخیر کے بعد قبلہء عالم نے بھوسان گڑھ کی طرف کوچ کا عزم فرمایا، اگر چہ اس قدر شدید محنت برداشت کرنے کے بعد ایسے مکان تکلیف نشان سے قدم نکالنا امراء وغربا تمام افراد کے لئے بیحد غنیمت تھا، مگر چونکہ ارضی وسماوی حوادث کے سبب سے لشکر شاہی میں بار برداری کا نشان تک نہ تھا اور اہلِ لشکر جانوروں کے لئے اِس درجہ ترس گئے تھے کہ پہاڑوں نے اس خوف سے کہ کہیں ہماری بربادی کی شہرت سے ہمیں اونٹ سمجھ کر بیگار میں نہ لے لیں اپنے آپ کو زمین پر عاجزی کے ساتھ گرا دیا تھا، اور گردن اٹھا کے زبانِ حال سے فریاد کر رہے تھے، اس لئے اہل لشکر اس مقام پر ٹھہرنا اپنے لئے کمال عیش خیال کرتے تھے اور کوچ وسفر کی جاں فرسا محنت برداشت کرنے پر تیار نہ تھے۔

لیکن جہاں پناہ کی رائے مبارک رعایا ومخلوق کے آرام کی کفیل ہے اگر خدام بارگاہ مرضی مبارک کے خلاف عمل کرتے تو ایک متنفس بھی اس مہلکہ سے نہ بچ سکتا۔ غرض 15- محرم کو کوچ کا جھنڈا بلند ہوا اور اہلِ لشکر مجبوراً خود سامان اٹھا کر چلے سفر میں ایک کوچ اور دو مقام ہوتے تھے، بہرطوران بے سروساماں اشخاص کو منزل پر پہنچانا تھا، اکثر لشکریوں نے پانچ کوس کی مسافت تین منزل میں قطع کی اور دریائے کشنا کے کنارے پہنچے۔

اس وقت دریا طغیانی پر تھا اس لئے عبور میں بھی کئی دن گزر گئے، غرض بے حد پریشانی کے بعد لشکر شاہی سابت گڑھی اور اطراف قلعہ کے دوسرے مواضع میں پہنچا، 19- صفر کو بھوٹان گڑھ کے میدان میں حضرت جہاں پناہ کے خیام اقبال نصب ہوئے۔ بارش موقوف ہوئی اور ہمراہیوں کو اطمینان میسر ہوا نالوں اور دریاؤں کا شور ختم ہوا اور اہلِ دنیا کو آرام وسکون نصیب ہوا۔

تازہ دم لشکر کے لئے فرمان

بادشاہزادہ جم جاہ کو حکم ہوا کہ خاندیس پہنچ کر برہان پور میں قیام کریں تا کہ ان کا لشکر بھی آرام حاصل کرے۔ اسی طرح اور خستہ حال لشکروں کو ملک کے قدیم کے اطراف ونواح میں

جانے کی اجازت مرحمت ہوئی صوبہ جات کے عمال کو فرمان روانہ ہوئے کہ تازہ دم لشکر، فوج ظفر موج میں شرکت کے لئے روانہ کریں۔

بیدار بخت کا قلعہ پرنالہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہونا

شاہزادہ بیدار بخت جو افواجِ متعینہ کے ساتھ لشکر گاہ کی حفاظت کے لئے مقیم تھے، حضور میں طلب ہوئے۔ باریابی کے بعد ہراول کے طور پر قلعہ پرنالہ کی تسخیر کے لئے روانہ کئے گئے۔ ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ ہمراہی فوج کے علاوہ اُن کے ساتھ رہنے پر مامور ہوئے، کچھ مدّت کے بعد تربیت خان میر آتش بھی اس مہم پر روانہ ہوئے۔

قبلہء عالم کا بنگاہ میں رونق افروز ہونا

چونکہ قبلہ کی ہمت ہمیشہ خلق خدا کے آرام کے لئے وقف رہتی ہے اس لئے حضرت کے قلب روشن پر القا ہوا کہ خواص پور سے بنگاہ تک ایک روز کی راہ ہے لہٰذا اس جگہ قیام کرنے سے ہمرکاب لشکر کو بھی فائدہ ہوگا قبلہء عالم 26- ربیع الاوّل کو معہ لشکر اس جانب روانہ ہوئے۔ حضرت اس مقام پر رونق افروز ہوئے اور خیال کے مطابق اہلِ لشکر کو اکثر ضروریات اور غلّہ اور گھاس کی ارزانی سے ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ اور اہلِ لشکر نے حضرت بادشاہ حق آگاہ کی عمر و اقبال کے لئے دعائیں کیں۔

چونکہ پرفن دنیا کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہے اِس لئے یہاں خدّام بارگاہ کو اطمینان حاصل نہ ہوا اور گھڑی بھر بھی خوشی کے ساتھ نہ گزارنے پائے دنیا اپنی ہی تزئین و آرائش میں مصروف رہتی ہے اور اہل دنیا کی فکر و خیال پرورش سے بے نیاز ہے۔

دنیا شکستہ کشتیء بحرِ حوادث است
در کشتیء شکستہ کے آرمیدہ نیست

اِک بلائے ناگہانی

اکثر امراء اور اہلِ لشکر خشک دریا میں اس کے دونوں کناروں پر اور وسط میں خیمے نصب کئے ہوئے مقیم تھے اور اس کا گمان بھی نہ تھا کہ قیامت تک کوئی قطرۂ بارش خلاف موسم دریا میں رواں

ہوئے، اس اثناء میں دشمنوں نے دریچہ کو مضبوط کر لیا اور دیوار کے اوپر سے حقہ ریزی اور گولیوں کی بارش شروع کر دی اس روز کے لئے قلعہ میں داخل ہونے کے راستہ میں جو بارود بچھائی تھی اس میں آگ دی گئی، فقیر اللہ خان فتح اللہ خان کا پوتا اور ساٹھ ستر دیگر سوار اس حادثہ کی نذر ہو گئے، اور بے شمار اشخاص زخمی بھی ہوئے۔

الاماں الاماں

باقی ملازم جو پتھر پر چڑھے ہوئے تھے اس مقام کی بے پناہی کی وجہ سے جو ہر سہ طرف سے دشمن کی زد پر واقع ہے پتھر پر قائم نہ رہ سکے اور نیچے اُتر آئے اور سابقہ مقام پر ٹھہر گئے، لیکن یورش کے اس دبدبہ سے کفار پر ہیبت چھا گئی اور مارے ہیبت کے نیم جان ہو گئے، یہ دن گزار کر دوسری صبح کو اہلِ قلعہ نے ان دو آدمیوں کو جو قلعہ والوں کے ساتھ دریچے میں در آئے تھے، اس دروازے سے جو بادشاہی لشکر کی طرف تھا قلعہ سے نکلنے کا راستہ دیا اور الاماں، الاماں کی فریاد بلند کر کے بادشاہزادے کی دہائی دی اور ہزار عجز و نیاز کے ساتھ سفارش کی امید میں بادشاہزادے سے امداد طلب کی۔

قلعہ کی فتح

چونکہ بادشاہزادے کی رائے سلیم کے مطابق بے شمار امور ملک گیری کا حل خدا کی طرف سے وابستہ ہو چکا ہے اِس لئے اس موقعہ پر بھی انہی کے واسطہ سے کشود کار ہوا۔ 3- محرم الحرام کو بادشاہزادے کے ملازمین نے محصورین کو بغیر اسلحہ و ساز و سامان قلعہ سے نکال دیا، اور وہ دارالسلام (قلعہ) جو سیواجی کی مکاریوں سے بیجاپوریوں کے قبضہ سے نکل کر دارالحرب بن گیا تھا، اسلام آباد ہوا اور اولیائے دولت کے قبضہ میں آ گیا، قدیم مساجد آباد اور جدید مندر ویران ہوئے۔

فتح قلعہ کی تاریخ

یہ قلعہ 1035ء میں ابراہیم عادل خان نے تعمیر کرایا تھا، چونکہ اس فرمان روا کی عادت تھی کہ ہر نو ساختہ چیز کو لفظ نورس سے موسوم کرتا تھا۔ (ملا ظہوری کی کتاب کا نام، شہر کا نام نورس ابراہیم اور دام کا نام نورس ہے اس لئے اسی مناسبت سے اس قلعہ کا نام نورس تارا، رکھا گیا۔ اور

شبانہ روز برس رہا تھا، اور اس کے دستِ بیداد سے جن غربا کے مکانات پانی سے تباہ ہو گئے تھے وہ نالہ وزاری میں مصروف تھے۔

قبلہء عالم نے رہبری اور ہمت افزائی فرمائی

غرض دریاؤں کی طغیانی اور اطراف سے رسد نہ پہنچنے کی وجہ سے قحط نے روز افزوں ترقی کی اور عیش و آرام کا تصور وغیرہ روز شمار کے مساوی نظر آتا تھا۔ مگر بادشاہِ دین پناہ کے ضبط و استقلال پر ناز کرنا چاہئے کہ ان پریشانیوں اور تکلیفوں سے مطلق ہراساں نہ ہوئے اور بہادران لشکر کی زر پاشی کر کے تالیف قلوب فرمائی، قبلہء عالم نے اس ثابت قدمی سے لشکر کی ہمت افزائی کی ایک طرف پندرہ گز اور دوسری جانب سے دس گز ہے۔ اور دریچہء قلعہ کے محاذ میں واقع ہے۔ اگرچہ اس پتھر پر چڑھنا نہایت دشوار تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اس پر قبضہ ہو جائے تو قلعہ کا سر ہونا نہایت آسان ہے۔

غنیم کے چھکّے چھوٹ گئے

27- ذی الحجہ کو چند زینے پتھر کے اس جانب جس طرف اس کا طول دس گز تھا نصب کئے گئے اور فتح اللہ خان نے بہادروں کو نکلنے کا اشارہ کیا۔ شاہی سواروں کا نکلنا تھا کہ غنیم کے سپاہی اُن پر جھپٹے اور لڑائی ہونے لگی۔ فتح اللہ خان موقعہ پا کر دوسرے مخفی زینے سے دلاوروں کی ایک جماعت کے ساتھ پتھر پر چڑھ گیا، اور اس میدان میں جو دریچہ تک واقع ہے، دشمنوں پر حملہ آور ہو کر شمشیر زنی سے اُن کو مجبور کر دیا۔ غنیم مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور اپنی فوج لے کر دریچہ میں داخل ہو گیا، حریف کے عقب میں مغلوں کی فوج تعاقب کرتی ہوئی پہنچی۔

چونکہ خان موصوف اس وقت قلعہ میں داخل ہونا نہ چاہتا تھا، صرف پتھر پر چڑھ کر اپنے سپاہیوں کو قائم کرنا اور ایک توپ نصب کر کے دیوار کو گرانا مدِ نظر تھا، اس لئے بذات خود متوجہ ہوا کہ گھاس لکڑی کے پشتاروں کی آڑ میں اُوپر پہنچ کر جائے پناہ تجویز کر دے اس ہنگامے میں تین چار نفر مغل اور ایک نفر بہلیہ دشمن کے ہمراہ دریچہ میں گھس آئے دوسروں کا بھی یہی ارادہ تھا کہ اتفاقاً ایک گولی ایک مغل کے لگی، یہ دیکھ کر بہلیہ اس بُری طرح بھاگا کہ دوسرے بھی اس کے شریک کار

فرما کر چار ہزاری وسہ ہزار سوار کے منصب پر ممتاز فرمایا۔ ستر سالہ بوندیلہ حصارِ اعظم تارا کا قلعہ دار مقرر ہوا۔

14- ذیقعدہ کو قلعہ بادشاہ اسلام پناہ کے قدومِ مبارک سے سرفراز ہوا۔ حضرت اقدس واعلیٰ نے بہمنی سلاطین کی بنائی ہوئی مسجد میں جس پر حکمِ اقدس کے مطابق سفید کاری ہو چکی تھی دوگانہ شکر ادا فرمایا۔ بادشاہ کے دین و دولت کی ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگی گئیں اور مسلمانوں کے قلوب، جذباتِ عقیدت وخلوص سے معمور و پُرنور ہوئے۔

قلعہ پرلی کی تسخیر

جب تائیدِ الٰہی نے بادشاہ عالمگیری کی امداد فرمائی اور قلعہء اعظم تارا فتح کر کے حضرت کو اطمینان حاصل ہوا تو حصار کی حفاظت کے لئے قلعہ دار و فوج دار وغیرہ بھی مقرر فرما دیئے گئے، اب جہاں پناہ نے قلعہء پرلی گڑھ کی تسخیر پر توجہ فرمائی۔

فتح اللہ خان کو حکم ہوا کہ فوراً روانہ ہو اور قلعہ کے محاصرے کی کارروائی شروع کرے فتح اللہ خان مذکور اسی روز قلعے کے پاس پہنچا اور ایک برج کو جس کے نیچے قلعہ کی ایک کھڑکی واقع ہے مورچہ قائم کرنے کے لئے تجویز کر کے کام شروع کر دیا۔ لشکر نے عالی حکم کے مطابق قلعہ گیری کے وہ تمام سامان جو قلعہ ستارہ کے لئے مہیا کئے گئے تھے ایک دم قلعہ پرلی کے پاس بادشاہی لشکر کے پڑاؤ پر پہنچا دیئے۔

24- ذیقعدہ کو حضرت بادشاہ عالم پناہ تین دن کی مسافت طے فرما کر موقع پر تشریف فرما ہوئے، اور دولت خانہ بادشاہی کے مقابل بادشاہزادہ کا خیمہ لگایا گیا، اس مہم میں رُوح اللہ خان میرِ مورچال مقرر فرمایا گیا۔

چین قلیچ خان بہادر بادشاہی خدام ولشکر ظفر پیکر کے سپاہیوں نے قلعہ کو چند کوس کے گرد میں مرکز کی طرح گھیر لیا، یہ قلعہ قلعہء ستارہ سے بھی اہم تھا روح اللہ خان نے قلعہ کے استحکام وغیرہ دیگر خیالات کو نظر انداز کر کے مورچال لے جانے اور پشتہء کوہ پر توپیں چڑھانے میں ایسی کارگذاری کی کہ برسوں کا کام دنوں میں ختم ہو گیا، لیکن بارش کی کثرت اور غلّہ اور گھاس کی کمی کا حال ناگفتہ بہ ہے جس کی ہیبت سے دوات وقلم کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے، ابرِ سیاہ یتیموں کے اشک کی طرح

جلوس عالمگیری کا چوالیسواں سال

1111ھ/1701ء

اس مبارک زمانہ میں جب کہ حضرت بادشاہ دین پناہ کے شرف انتساب سے حال کو ماضی پر بزرگی و برتری حاصل ہے اور فرش زمین کا پایہ حضرت کی معدلت فرمائی و کام بخشی کے برکات سے آسمان کی طرح بلند ہے، ماہ رمضان کی مبارک آمد دنیا کی مزید مسرت و فرحت کا باعث ہوئی۔ حضرت ظل اللہ نے اپنے اوقاتِ خیر آیات، حسنات و برکات کے مشاغل میں صرف فرمائے اور تمام ماہ ان ہی مبارک و مسعود اعمال میں مشغول رہے، تمام خلق خدا حضرت کے جود و احسان سے مستفید ہوئی۔

فاضل خان ناظم صوبہ کشمیر مامور ہوا کہ ولی عہد بہادر (مہیں پور خلافت) کی نیابت میں صوبہ دارالسلطنت کے نظم و نسق میں شریک کار رہے، یہ امیر پیشتر دو ہزار و پانصدی، ہزار و دو صد سوار کا منصب دار تھا۔ اس موقع پر پانصدی و دو صد سوار کے اضافہ سے سرفراز ہوا۔

جے سنگھ و بجے سنگھ

بجے سنگھ ساکن آنبیرا اپنے باپ کے انتقال کے بعد راجہ جے سنگھ کے نام سے اور اس کا بھائی بجے سنگھ کے نام سے نامور ہوا۔ یہ راجہ پیشتر ہزاری و ہشت صد سوار کا امیر تھا۔ اب پانصدی و ہزار و دو صد سوار کے اضافہ سے معزز و ممتاز ہوا۔

چین قلیچ خان کے سابق منصب کی بحالی

چین قلیچ خان بہادر کے منصب میں پانصدی کی کمی ہوگئی تھی، قبلہء عالم نے منصب کو بحال

ہوگا طوفانِ نوح نمودار ہوا۔یعنی ماہ ربیع الثانی کی اٹھائیسویں شب کو سخت بارش ہوئی اور اس کے ساتھ ہی پہاڑوں کا پانی بہہ نکلا اور دریا کی طرف رواں ہوا، لوگ خواب غفلت میں خراٹے لے رہے تھے، ناعاقبت بینی کا نشہ، اُن کے ہوش وحواس اڑا چکا تھا کہ دفعتاً ان کی آنکھیں کھلیں اور بسر سے سر اٹھاتے ہی دیکھا کہ دریا کے ہر ساحل سے پانی اُبل رہا ہے، اور جنگل میں اس کے پھیل جانے سے تمام افراد جانورانِ آبی ہو گئے ہیں، خیمے، حباب کی طرح تیرنے لگے ہیں، انسان و حیوان کی ایک دنیا بحرِ فنا میں ڈوب گئی، جو لوگ بچ گئے وہ قید الماء اشد من قید الحدید (1) کے اسیر ہیں۔

اگر تھوڑی رات اور باقی رہتی تو طغیانی دن کے چار پانچ گھڑی تک اور طول ہوتا اور ایک متنفس بھی جان بر نہ ہوتا، مگر خدا نے فضل کیا، صبح ہوئی اور مردوں کی جان میں جان آئی تمام افراد الحمد للّٰہِ الّذی احیانا بعد ما اماتنا (2) پڑھ کر اٹھے اور اپنے گھر تلاش کرنے لگے۔اہلِ شہر مکانات ڈھونڈتے تھے مگر پتہ نہ ملتا تھا اور مال ومتاع سے ہاتھ دھو کر روتے پیٹتے ہر طرف دوڑتے تھے، عجیب بات ہے کہ بعض خیموں میں جو دور کے بلند پشتوں پر نصب تھے ذرا بھی خبر نہ ہوئی کہ اہلِ لشکر پر کیا بلا نازل ہوئی۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دولت خانہء بادشاہی اس قدر بلند جگہ واقع تھا کہ اس حادثہ کا کوئی اثر وہاں تک نہ پہنچا۔

زہے چشم دوراں بروئے تو باز　　سر سرفرازان گردن فراز
غم از گردشِ ناپسندت مباد　　ز دورانِ گیتی گزندت مباد

اس سن جلوس کے بقیہ حالات

چونکہ ابتدائے 44 جلوس کے بعض سوانح معرضِ تحریر میں نہیں آئے اور واقعات کا ربط قائم رکھنا وقائع نگار کا فرض ہے اس لئے آخر شعبان سنہ مذکور تک کے حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

دہتا جادوہ کی شکست

ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ نے جو بے حیا دہتا (3) جادوہ کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا

تھا اس ملعون کا قصہ پاک کیا اور آستانہ اقدس پر حاضر ہو کر داؤ دخان دلپت، رام سنگھ اور دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ انعام و تحسین و آفرین اور عطائے خلعت و جواہر و اضافہ و اعزاز سے سرفراز فرمایا گیا۔

قلعہ دھادہر پر قبضہ

شاہزادہ محمد معزالدین ناظم ملتان نے دوکرہ کے نانجار زمیندار کے قبضہ سے قلعہ دھادہر چھین لیا اس صلہ میں دو ہزاری ہزار سوار کا اضافہ پا کر دوازدہ ہزاری وشش ہزار سوار و اسپ کے گراں قدر منصب پر سرفراز ہوئے۔

شاہزادہ محمد عظیم ناظم بنگالہ نے ہزار سوار کمی کی بابت پائے، حفظ اللہ خان ناظم ٹھٹھہ دو ہزاری دو ہزار سوار تھا۔ شاہزادہ کی التماس پر پانصدی اضافہ پا کر مسرور ہوا۔

فاضل خان کی وفات

فاضل خان ناظم کشمیر نے صوبہ داری لاہور کی نیابت قبول نہیں کی تھی اور حضور میں حاضر ہونے کی استدعا کی تھی۔ چونکہ یہ شرط تھی کہ نیابت قبول نہ کرنے پر منصب میں دوسو سواروں کی کمی کر دی جائے، یہ استدعا منظور ہوئی اور فاضل خان اپنے منصب کے ساتھ آستانہ پر حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا، جب وہ مسافت طے کرتا ہوا برہان پور پہنچا تو سفر دنیا سے کنارہ کش ہو کر اس نے سفر آخرت اختیار کیا، یہ امیر بڑا صاحب کمال مہذب باوقار اور پسندیدہ اخلاق شخص تھا۔

عنایت اللہ خان کو حکم ہوا کہ تین ہزار سوار کی جاگیر سے بادشاہزادہ محمد کام بخش کو تنخواہ دے، یادداشت جدید کی زحمت نہ دے۔ خدابندہ خان بیوتات صوبہ محمد آباد کی نظامت پر عسکر خان کے بجائے مامور ہوا اور پانصدی پانصد سوار کا اضافہ پا کر اس نے عزت حاصل کی۔

فضائل خان میر منشی داروغہ کتاب خانہ خدابندہ کی جگہ بیوتات کی خدمت پر مقرر ہوا، عنایت اللہ خان اپنی یاوری بخت سے شاہزادہ محمد بیدار بخت بہادر کے خدمتِ دیوانی پر مامور ہوا۔

چند اشخاص نے حضور میں گزارش کی کہ ہندو قید کے زمانے میں کھانا نہیں کھاتے اسی لئے سنبھا کا بیٹا راجہ ساہو کھانے کے بجائے، مٹھائی میوہ اور پکوان کھاتا ہے حمید الدین خان کی زبانی

اس کو پیام پہنچایا گیا کہ ''تم قید میں نہیں ہو اپنے گھر میں بیٹھے ہو کھانا کھاتے رہو''

نواب زینت النساء بیگم بنگاہ سے حضور میں طلب ہوئی تھیں، 10- جمادی الاوّل کو چوڈول کی سواری میں تشریف لائیں۔ بادشاہزادہ محمد کام بخش اور سلطان بلند اختر نے استقبال کی سعادت حاصل کی۔

فدائی خان صوبہ دار بہار کو ترہت و دربھنگہ کی فوج داری عطا ہوئی پہلے دو ہزار و پانصدی دو ہزار و پانصد سوار تھا اب اسے پانصدی اضافہ بلا شرط عطا ہوا۔

بُلبارس خان کا شغر فوت ہوا اور اس خطہ کے بندوبست میں خلل پیدا ہوا۔ ارسلان خاں پسر شاہ خاں ابن عم خانِ متوفی کو جو اس واقعہ سے قبل بھی آستانہء اقدس پر حاضر ہو چکا تھا اس خدمت پر مقرر فرمانے کا مژدہ سنایا گیا، اور حکم ہوا کہ خان مذکور وطن جائے اور اس ملک پر قبضہ حاصل کرے۔ سردار خان متعینہ خدمت حضرت شاہ عالم بہادر کو اس کی اعانت کی اجازت ملی۔ صدرالدین محمد خان، معتقد خان کے بجائے خاندیس کا صوبہ دار ہوا۔ پانصد سوار کا اضافہ دے کر اس کا منصب دو ہزاری و دو ہزار سوار مقرر فرمایا گیا۔

قلعہ پرنالہ کی تسخیر کے لئے روانگی

16- رجب کو لشکر شاہی قصبہ مرتضیٰ آباد مرچ کی جانب روانہ ہوا۔ 2- شعبان کو یہ مقام نزول اجلال سے سجدہ گاہ خلائق بنا۔

بخشی الملک کی وفات

بخشی الملک مخلص خان ابن صف شکن خان ابن قوام الدین خان صدر ایران نے جو خلیفہ سلطان کا بھتیجا تھا، سخت امراض میں مبتلا ہو کر 4- شعبان کو دنیا کو خیر باد کہا۔ مرحوم زبدۃ العرفا سید شمس الدین کے روضہ واقع قصبہ مرچ میں دفن کیا گیا یہ شخص اکتسابی کمالات کے علاوہ ذاتی شرافت و عظمت سے ممتاز تھا، استغنا و آزادی اس کی فطرت میں داخل تھی، اس شخص کے متعلق کئی مرتبہ حضرت اقدس واعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے پاس جوان خلیفہ سلطان ہے۔

اس کے انتقال کے بعد روح اللہ خان بخشی گیری دوم کی خدمت پر مقرر ہوا، روح اللہ

خان کے بجائے صف شکن خان قوربیگی اور احدیوں کا بخشی ہوا جلوس مبارک کا پینتالیسواں سال اسی قصبہ کے دوران قیام میں شروع ہوا اور رمضان المبارک کی وجہ سے اسی مقام پر توقف فرمایا گیا۔

حوالہ جات

1- پانی کی قید لوہے کی قید سے زیادہ سخت ہے۔
2- اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں مردہ ہونے کے بعد جلایا۔
3- ایں نام سردھنا جادون است۔ دیکھئے مآثر عالمگیری (فارسی) صفحہ 432۔

❁❁❁❁❁